إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے ﴿اسراء 36﴾

باطنی گناہ اور ان کا علاج

مؤلف

مفتی محمد اکمل صاحب

﴿عرض مؤلف﴾

علوم دینیہ کا حصول ہر عاقل، بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

(اے لوگو!) اگر تمہیں علم نہیں، تو علم والوں سے پوچھو۔ (نحل۔43)

اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے،

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ۔یعنی علم کا طلب کرنا، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (مسلم)

پھر یہ علوم دینیہ دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

{1} ظاہری۔ **{2}** باطنی۔

ظاہری علوم سے مراد وہ شرعی علوم ہیں، جن کا تعلق ہمارے ظاہری اعمال و عقائد سے ہے۔

جب کہ

باطنی علوم سے مراد وہ علوم ہیں، جو دل سے متعلق ہیں۔

ان دونوں میں سے باطنی علوم خصوصاً توجہ کا مرکز ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ظاہری علوم ،عموماً مختلف علماء کے بیانات اور بذریعۂ میڈیا بھی حاصل ہوسکتے ہیں، لیکن فی زمانہ باطنی علوم کی جانب سے بے پرواہی کی بناء پر عموماً میڈیا، عام بیانات، اسکولزو کالجز اور یونیورسٹیز میں پڑھائی جانے والی کتب اور ہمارے گھروں میں ان کی تعلیمات کا سلسلہ تقریباً مفقود نظر آتا ہے۔

چنانچہ اگر ایک عاقل و بالغ مسلمان سے سوال کیا جائے کہ مسلمان کی اخروی بہتری یا بربادی میں باطنی علوم کی کیا اہمیت ہے؟۔تو قوی امید ہے کہ وہ کوئی معقول جواب دینے سے قاصر رہے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد یاد رکھیں کہ باطنی علوم سے مراد، ان اچھی اور بری قلبی صفات کا علم ہے، جن میں سے بعض کی موجودگی اور کچھ سے دوری، باعث ہلاکت و وجہ محرومیٔ رضائے الٰہی ہے۔نیز ان امور سے متعلق بروز قیامت باز پرس بھی کی جائے گی اور ان پر عذاب بھی مرتب ہوسکتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے،

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ یعنی بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔

(اسراء۔36)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا،

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ ۔

اگر جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے چاہے بخش دے گا اور جسے چاہے عذاب دے گا۔ (بقرہ۔284)

لھذا ضروری ہے کہ جہاں دنیوی نقصانات سے بچنے کی غرض سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں سستی و غفلت نہیں کی جاتی، وہیں بربادئ آخرت سے بچنے کے لئے ان علوم کے حصول، ان کی روشنی میں دیانت دارانہ ذاتی محاسبے اور پھر اپنے قلب کو اچھی صفات سے مزین اور بری سے محفوظ رکھنے میں بھی ہرگز دیر نہیں کرنی چاہیے۔

آخرت کی بربادی سے بچنے کی غرض سے ایک مسلمان کے لئے، جن اوصافِ قبیحہ سے دوری ضروری ہے، وہ یہ ہیں۔

- حسد۔
- تکبر۔
- بخل۔
- بدگمانی۔
- عزت و تعریف کی خواہش۔
- ریاء کاری۔
- عجب و خود پسندی۔
- نفسانی غصہ۔
- اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی اور اس کا ناجائز یقین۔

- بے صبری۔
- اللہ ﷻ کے عذاب سے بے خوفی۔۔اور۔۔
- اللہ ﷻ کی ذات پر توکل نہ ہونا۔

اور **آخرت کی بہتری** کے لئے ایک مؤمن کے دل کا، جن اچھی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

- صبر و تحمل۔
- عاجزی و انکساری۔
- مسلمان بھائی کی خیر خواہی کا جذبہ۔
- مسلمانوں سے حسن ظن۔
- عزت و تعریف سے کراہت۔
- اخلاص۔
- ہر کمال کو منجانب اللہ ﷻ تصور کرنا۔
- سخاوت و ایثار۔
- خوفِ الٰہی۔۔اور۔۔
- کامل توکل۔

آخرت کی صحیح فکر رکھنے والے مسلمان کے لئے ازحد ضروری ہے کہ ان تمام امور کی معرفت، ان کی ظاہری علامات، ان علامات کی روشنی میں ذاتی محاسبے اور اس کے بعد ان کے حصول۔۔یا۔۔انہیں خود سے دور کرنے کے طریقے جاننے میں ہرگز سستی نہ کرے۔

بلکہ خود ہمت کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنے اطراف میں رہنے والے

دوست احباب کی اصلاح کا سامان بھی کرتا رہے۔

اللہ ﷻ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ اس سلسلے میں دیانت دارانہ مسلسل کوشش ،باطنی آلودگیوں کو دور اور اچھی صفات سے متصف کروادے گی۔

اگلے صفحات میں ہر بری صفت کی تعریف، اس کی علامات، محاسبے اور پھر علاج کے بارے میں بالتفصیل کلام کیا جائے گا۔انہیں کے ضمن میں اچھی صفات کا بھی تذکرہ ہوگا اوران کے حصول کے طریقے بھی بتائے جائیں گے۔

کاش!ہر مسلمان اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھتے ہوئے، اپنے گھر والوں کو بھی مطالعے کی تلقین کرتا رہے۔

نیز اگر اسے مدارس واسکولز وکالجز ویونیورسٹیز میں بطور نصاب پڑھایا جائے تو نئی نسل میں باطنی بگاڑ کم سے کم ہونے اور بطور نتیجہ معاشرے میں امن وسکون قائم ہونے کی قوی امید ہے۔

نیز عوام کے ساتھ ساتھ خواص، خصوصاً دینی حوالے سے پہچانے جانے والے حضرات بھی اس کا محاسبانہ مطالعہ کریں، تو مزید نفع کی امید ہے، کیونکہ دینی طبقہ بھی ان امراض کے اثرات سے محفوظ نہیں۔اس حدیث پر غور فرمائیں۔

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بروزِ قیامت چھ قسم کے افراد، چھ باتوں کی وجہ سے، بغیر حساب وکتاب جہنم میں جائیں گے۔عرض کی گئی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ! وہ کون لوگ ہیں؟....ارشاد فرمایا، عرب عصبیت (یعنی گروہ بندی) کے

باعث، حاکم ظلم کی وجہ سے، چودھری لوگ تکبر کی بناء پر، تاجر لوگ خیانت کے بدلے میں، دیہات والے جہالت کے سبب اور علماء حسد کے ذریعے۔ (کنز العمال)

آیئے اب بتوفیق الٰہی ان امراض کی معرفت کے حصول کا آغاز کرتے ہیں۔

حسد کا بیان

باطنی گناہوں میں سب سے پہلے حسد کے بارے میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا کہ اس کے بیان کے سلسلے میں ہماری ترتیب درج ذیل ہوگی۔

حسد کی تعریف....حسد اور بغض ور شک وغیرت میں باہم فرق....حسد کی قباحت....اس کی وجوہات اور قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت کا بیان....اس کے اسباب....اس کی علامات اور آخر میں اس کا علاج۔

آیئے اب ترتیبِ مذکورہ کے مطابق، اس باطنی گناہ کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں۔

شائد بہت سے قارئین کے لئے یہ ایک نئی بات ہوگی کہ روئے زمین پر سب سے پہلا ظاہری گناہ یعنی قتل، اسی حسد کی بناء پر وقوع پزیر ہوا تھا۔

اس کا قصہ مختصر یہ ہے کہ

بی بی حوا (رضی اللہ عنہا) کے ہر حمل سے جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے، جن میں سے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ہوتی۔ان کی شادی کی صورت یہ تھی کہ پہلے حمل کے لڑکے کا، دوسرے حمل کی لڑکی اور دوسرے حمل کے لڑکے کا، پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔

آپ کے ایک حمل سے ''قابیل واقلیما'' اور دوسرے سے ''ہابیل ولیوذا'' پیدا ہوئے۔ دستور کے مطابق قابیل کا نکاح، لیوذا سے ہونا چاہیئے تھا، لیکن چونکہ اقلیما بہت خوبصورت تھی، چنانچہ وہ، اس سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوا۔ حضرتِ آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ بیٹے! یہ چونکہ تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے، لھذا تیری بہن ہے، اس کے ساتھ تیرا نکاح حلال نہیں۔ اس نے کہا، یہ آپ کی رائے ہے، اللہ عزوجل نے تو یہ حکم نہیں دیا؟.... آدم علیہ السلام نے اس کا اصرار ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، اچھا تم دونوں اپنی اپنی قربانیاں لاؤ، جس کی قربانی مقبول ہوگئی، وہ اقلیما کا حقدار ہوگا۔

اس زمانے میں قربانی کی مقبولیت کا دارومدار، ایک آسمانی آگ پر ہوا کرتا تھا، یعنی جس کی قربانی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی، ایک آسمانی آگ اسے کھا جاتی تھی۔

پس قابیل نے گندم کا ایک ڈھیر اور ہابیل نے ایک بکری پیش کی۔ آسمانی آگ نے بکری کو لے لیا اور گندم چھوڑ گئی۔ اس ناکامی پر قابیل کے دل میں شدید بغض وحسد پیدا ہوگیا۔

جب آدم علیہ السلام حج کے لئے تشریف لے گئے تو قابیل کو اظہار حسد کا موقع ملا اور اس نے ہابیل سے کہا

میں تجھے قتل کر دوں گا، کیونکہ اللہ عزوجل نے تیری قربانی قبول کی اور میری رد فرما دی ہے۔ تو میری حسین وجمیل بہن سے نکاح کرے گا، جبکہ مجھے تیری حقیر و بدصورت بہن سے شادی کرنا پڑے گی، یقیناً لوگ یہی کہیں گے تو مجھ سے بہتر ہے اور پھر تیری اولاد میری اولاد پر فخر کرے گی۔

ہابیل نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اس فعلِ قبیح سے باز آجائے، لیکن وہ نہ مانا اورآخِر کار اسے قتل کر دیا۔ (تفسیر خازن وصاوی)

یہ پورا واقعہ سورۂ مائدہ (پ4 آیت نمبر 27 سے 31) میں موجود ہے۔ اس واقعے کے تحت **تفسیرِ خزائن العرفان** میں ہے،

اس خبر کو سنانے سے مقصود یہ ہے کہ حسد کی برائی معلوم ہو اور سیدِ عالم ﷺ سے حسد کرنے والوں کو اس سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملے۔

اب بیان کردہ ترتیب کے مطابق، سب سے پہلے حسد کی تعریف بیان کی جائے گی۔ لیکن ذکرِ تعریف سے قبل یاد رہے کہ

حسد کرنے والے کو **حاسد** اور جس سے حسد کیا جائے اور اسے **محسود** کہا جاتا ہے۔

یہ دو لفظ خوب یاد رہیں، کیونکہ آگے انہیں باربار استعمال کیا جائے گا۔

لغت کی مشہور کتاب ''لسان العرب'' میں ہے،

اَلْحَسَدُ اَنْ تَتَمَنّٰی زَوَالَ نِعْمَةِ الْمَحْسُوْدِ اِلَیْکَ۔

حسد اس بات کی تمنا کرنا ہے کہ محسود کی نعمت اس سے زائل ہو کر تجھے مل جائے۔

(ج3۔ص166)

مندرجہ بالا **تعریف** کو آسان پیرائے میں ان الفاظ میں ذکر کیا جاسکتا ہے کہ

کسی مسلمان بھائی کے پاس اللہ ﷻ کی کوئی نعمت دیکھ کر تمنا کرنا کہ یہ نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے، حسد کہلاتا ہے۔

اگر آپ تھوڑا سا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حسد کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

﴿1﴾ محسود سے نعمت کے زوال کی تمنا۔

﴿2﴾ اپنے لئے اس کے حصول کا ارادہ۔

مزید معرفت کے لئے درج ذیل امثلہ پر توجہ فرمائیں۔

کسی کی عزت وشہرت سے نفرت محسوس کرتے ہوئے ارادہ کرنا کہ یہ کسی طرح لوگوں میں ذلیل وخوار ہو جائے اور جو مقام عزت اسے حاصل ہے، وہ مجھے مل جائے...یا...کسی کثیر المال شخص کو دیکھ کر تمنا کرنا کہ کاش! اس کا مال چوری ہو جائے، اسے ڈاکو لوٹ لیں، یہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے اور اس کے برعکس اتنی ہی کثیر دولت اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے مجھے حاصل ہو جائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔.........

تعریف کی مزید معرفت کے لئے بغض ورشک وغیرت کی تعریفات اور ان تمام کے درمیان فرق کا جاننا بھی بہت ضروری ومفید رہے گا، چنانچہ ضمناً ان کی تعریفات اور باہم فرق بھی ملاحظہ فرمائیے۔

بغض وکینہ یہ ہے کہ

کسی مسلمان کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کرنا۔

معلوم ہوا کہ اس میں فقط زوال نعمت کی تمنا ہے، اپنے لئے حصول کا ارادہ نہیں۔ مثلاً

کسی مسلمان کے مال و دولت، حسن و جمال، اچھے اخلاق اور دیگر قدرتی صلاحیتوں کو دیکھ کر فقط اتنی تمنا کرنا کہ اللہ ﷻ اسے ان تمام نعمتوں سے محروم فرما دے۔

رشک یہ ہے کہ

کسی مسلمان کے پاس موجود نعمت کو دیکھ کر اپنے لئے حصول کا ارادہ کرنا۔

معلوم ہوا کہ اس میں فقط حصولِ نعمت کا ارادہ پایا جاتا ہے، زوالِ نعمت کی تمنا نہیں ہوتی۔ مثلاً

کسی کے پاس مال و دولت کی فراوانی اور جائز آسائشِ زندگی دیکھ کر یوں تمنا کی کہ اللہ ﷻ ان میں برکت عطا فرمائے اور کاش! ایسی ہی آسائشیں مجھے بھی حاصل ہو جائیں۔

اور غیرت یہ ہے کہ

کسی مسلمان کے پاس نعمتِ الٰہی دیکھ کر، اچھی اور بہتر نیت کے ساتھ اس کے زوال کی آرزو کرنا۔

معلوم ہوا کہ اس میں اچھی نیت کے ساتھ زوالِ نعمت کی تمنا ملحوظ ہے۔ مثلاً

کوئی مسلمان اپنی نعمتِ قوت کو کسی غلط کام مثلاً غریبوں پر ظلم وغیرہ میں صرف کر رہا ہو تو اس کی اس حالت کو دیکھ کر یوں تمنا کرنا کہ

کاش! اللہ ﷻ اس سے یہ نعمت چھین لے، تاکہ غریب اس کے ظلم و تشدد سے نجات پا جائیں اور خود یہ مسلمان بھی گناہوں سے محفوظ ہو جائے۔

مندرجہ بالا تعریفات وضاحت سے ان تمام امور کے درمیان نمایاں

طور پر فرق معلوم ہوگیا کہ

حسد میں، نعمت کے زوال اور اپنے لئے اس کے حصول کی تمنا، دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں۔

بغض وکینہ میں فقط پہلی چیز موجود ہوتی ہے۔

رشک میں فقط دوسری چیز پائی جاتی ہے۔

اور **غیرت** میں فقط پہلی ہی شے ہوتی ہے، لیکن کسی اچھی نیت کے ساتھ۔

ان تمام امور کے احکام دو حصوں میں منقسم ہیں، یعنی

حسد وکینہ، حرام وگناہِ کبیرہ اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں دخولِ جہنم کا سبب ہیں۔ جب کہ رشک وغیرت جائز اور بعض صورتوں میں باعثِ ثواب بھی۔

بہتر محسوس ہوتا ہے کہ حسد وکینہ کے حرام قرار دئے جانے کی وجوہات پر بھی غور کرلیا جائے تاکہ نقل کے ساتھ عقل بھی ان کی حرمت کو مناسب تصور کرے۔ چنانچہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ

حاسد، اللہ عزوجل کی تقسیم پر ناراض رہتا ہے اور اپنی ذات کی خاطر اور نفسانی خواہشات کے تابع ہوکر چاہتا ہے کہ اس تقسیم میں تبدیلی واقع ہو جائے، چاہے اللہ عزوجل اس تبدیلیِ تقسیم سے راضی ہو یا نہ ہو۔

حضرتِ زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، حاسد میری نعمت کا دشمن ہے کہ میرے دوست (یعنی محسود) پر غصہ کرتا ہے اور جو کچھ میں نے لوگوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے، اس پر راضی نہیں ہوتا۔ (احیاء العلوم)

کسی عارف کا قول ہے کہ

پانچ وجوہات سے حاسد، اپنے رب عزوجل کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

(i) ہر اس نعمت پر غصہ ہوتا ہے، جو کسی دوسرے کو ملتی ہے۔

(ii) وہ تقسیم الٰہی عزوجل پر ناراض ہوتا ہے یعنی اپنے رب عزوجل سے کہتا ہے کہ ایسی تقسیم کیوں کی؟....

(iii) وہ فضلِ الٰہی عزوجل پر بخل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

(iv) وہ اللہ عزوجل کے دوست (یعنی محسود) کو رسوا کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے۔

(v) وہ اپنے دوست یعنی ابلیس کی مدد کرتا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

دوسری وجہ یہ ہے کہ

امت کے اعمال، انبیاء (علیہم السلام) کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں، وہ اچھے اعمال سے خوش اور برے اعمال کی بناء پر رنجیدہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ

رحمتِ کونین ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ہر پیر اور جمعرات کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) اور والدین کے سامنے ہر جمعہ کو۔ وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں

اوران کے چہروں کی چمک اور روشنی بڑھ جاتی ہے تو اللہ ﷻ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنے گناہوں سے رنج نہ پہنچاؤ۔ (کنز العمال)

مندرجہ بالا حدیثِ کریمہ سے یہ نتیجہ بخوبی مرتب کیا جاسکتا ہے کہ جب حاسد کا عملِ بد، رحمۃ للعٰلمین ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی قلبی رنجیدگی کا سبب بنے اور ہر وہ عمل جو محبوبِ کبریا ﷺ کے لئے باعثِ تکلیف ہو، یقیناً لائقِ مذمت و قابلِ نفرت ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

اس میں اللہ ﷻ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت سے روگردانی لازم آتی ہے۔ کیونکہ

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اور اس کی آرزو نہ کرو، جس کے سبب اللہ ﷻ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔ (نساء۔32)

اور **رسول اللہ** ﷺ نے ارشاد فرمایا،

کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ہی کسی سے بغض و کینہ رکھو۔ اے اللہ ﷻ کے بندو! بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ

یقیناً مسلمان سے نعمت کا زوال، اسے اور اس سے محبت رکھنے والوں

کو رنجیدہ وملول کردے گا اور بدقسمتی سے حاسد، محسود سے اس کی نعمت کا زوال ہی چاہتا ہے تو گویا حاسد، محسود اور دیگر مسلمانوں کے رنج وغم کا متمنی ہے اور بلاشک وشبہ اپنے مسلمان بھائیوں کے مصیبت وتکلیف میں مبتلاء ہونے کی تمنا کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے،

ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت، دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ (مسلم)

پانچویں وجہ یہ ہے کہ

جس فعلِ قبیح کے نتیجے میں، اللہ ﷻ کی ناراضگی، اس کے رسول ﷺ کی قلبی رنجیدگی، ان کے حکم کی نافرمانی اور اپنے مسلمان بھائی کی فکر وپریشانی کا ظہور ہو، وہ یقیناً شیطان رجیم کے لئے بے حد خوشی ومسرت کا باعث بنے گا اور شیطان کی خوشی کا باعث بننے والا عمل بلا ریب، ناجائز وقابلِ گرفت ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ

حاسد، اس گناہ کی نحوست کے باعث، دیگر بے شمار کبیرہ گناہوں مثلاً غیبت، چغلی، جھوٹ، مسلمان بھائی کی پریشانی پر خوشی اور اس کی مسرت پر غم محسوس کرنا، الزام تراشی، ناانصافی اور دیگر طریقوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش میں مشغول ہونا وغیرہ میں ملوث ہوجاتا ہے اور جو فعلِ بد اتنے بڑے بڑے گناہوں کا سبب بن رہا ہو، وہ یقیناً دنیا وآخرت میں باعثِ ہلاکت ہے۔

ماقبل تفصیل سے، حسد کی مذمت وبرائی بخوبی آشکار ہوچکی ہے اور جو عمل

اپنے اندر فتنہ وفساد اور بربادیٔ آخرت کا سامان جمع رکھتا ہو، اکثر واضح طور پر اس کی ممانعت فرمادی جاتی ہے۔ لھذا قرآن وحدیث میں بھی بے شمار مقامات پر اس موذی گناہ سے اجتناب کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس کے لیے درج ذیل مقامات کو بغور ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط

اور اس کی آرزو نہ کرو، جس کے سبب اللہ ﷻ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔ (نساء ۔32)

اس آیتِ کریمہ کے تحت، تفسیر خزائن العرفان میں ہے،

(یہ آرزو کرنا) خواہ دنیوی امور میں ہو یا دینی چیزوں میں (دونوں طرح منع ہے) تاکہ آپس میں بغض وحسد پیدا نہ ہو۔ حسد نہایت بری صفت ہے۔ حسد والا دوسرے کو اچھے حال میں دیکھتا ہے، تو اپنے لئے اس کی خواہش رکھتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا بھائی اس نعمت سے محروم ہو جائے، یہ ممنوع ہے۔ بندے کو چاہیئے کہ اللہ ﷻ کی تقدیر پر راضی رہے، اس نے جس بندے کو جو فضیلت دی، خواہ دولت و غنا کی یا دینی مناصب و مدارج کی، یہ اس کی حکمت ہے۔

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور دوسروں کے عیب تلاش مت کرو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو، نہ

کسی سے حسد کرو اور نہ کسی سے بغض و کینہ رکھو اور اے اللہ ﷻ کے بندو! بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، نہ **قطع تعلق** کرو، نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، نہ ایک دوسرے سے بغض وعداوت رکھو اور نہ آپس میں حسد کرو۔ اے اللہ ﷻ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ (ترمذی)

حضرتِ عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، حسد و چغلی و کہانت نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ (طبرانی)

حسد و کینہ **کی تعریفات**، ان کے احکام اور قرآن و حدیث میں ان کی ممانعت کے ذکر کے بعد، اس گناہِ عظیم میں پوشیدہ **آفات** کے بارے میں جاننا بھی بے حد ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو کہ سنجیدگی سے اس گناہ کی جانب متوجہ نہ ہونا، کس قدر تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حسد سے دور رہو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

ایک طویل حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، فرشتے ایک شخص کے اعمال کو اللہ ﷻ کی بارگاہ

میں لے کر جاتے ہیں۔ یہ اعمال سورج کی طرح روشن اور دلہن کی طرح آراستہ ہوتے ہیں۔ ان میں حج وعمرہ وجہاد وغیرہ سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ جب یہ پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں تو اس آسمان کا دربان فرشتہ کہتا ہے کہ ان اعمال کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو، اس لئے کہ یہ شخص بندوں کی ان چیزوں پر حسد کیا کرتا تھا، جو اللہ ﷻ نے انھیں اپنے فضل سے دی ہیں، یہ آدمی اللہ ﷻ کی پسندیدہ تقسیم سے ناراض ہے اور میرے رب ﷻ نے مجھے حکم دیا ہے کہ حاسدوں کے عمل کو یہاں سے اوپر نہ جانے دوں۔ (منہاج العابدین للغزالی)

حضرتِ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ حسد ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے، جیسا ایلوا، شہد کو بگاڑ دیتا ہے۔ (مسند الفردوس)

گھیکوار ایک قسم کا پودا ہے جس کے پتے لمبے ہوتے ہیں اور ان سے لیس دار مادہ نکلتا ہے، اس پودے کے گودے کا خشک کیا ہوا رس ''ایلوا'' کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ بہت کڑوا ہوتا ہے لھذا شہد میں مل کر اس کے ذائقے کو بھی خراب کر دیتا ہے۔

حضرتِ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ

آپ ایک قریب المرگ شاگرد کے پاس پہنچے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔ شاگرد نے کہا، اسے پڑھنا بند کر دیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت موقوف فرما کر کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ اس نے جواباً کہا، میں یہ کلمہ بالکل نہیں کہوں گا، میں اس سے سخت بیزار ہوں۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا دم نکل گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شاگرد کے اس برے انجام کا سخت افسوس ہوا اور رنجیدگی کے باعث گھر میں مقید ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد خواب میں دیکھا کہ شاگرد کو فرشتے، جہنم میں گھسیٹ رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ کس سبب سے اللہ عزوجل نے تجھ سے دولتِ ایمان چھین لی، حالانکہ تو تو میرے صاحبِ علم اور لائق ترین شاگردوں میں سے تھا؟.... اس نے جواب دیا،

تین عیوب کی وجہ سے۔ کیونکہ مجھ میں چغل خوری کا عیب تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کو کچھ بتاتا تھا اور آپ کو اس کے برخلاف (تاکہ فتنہ پیدا ہو)۔ دوسرا عیب یہ تھا کہ میں اپنے ساتھیوں سے حسد کیا کرتا تھا اور تیسرا یہ کہ مجھے ایک بیماری تھی، میں نے حکیم سے اس بیماری کا علاج پوچھا تو اس نے مشورہ دیا کہ یہ بیماری تیرا پیچھا صرف اسی وقت چھوڑے گی کہ جب تو سال میں کم از کم ایک مرتبہ، ایک گلاس شراب پی لیا کرے۔ تو میں اس کے مشورے پر ہر سال ایک گلاس شراب پی لیا کرتا تھا۔

(منہاج العابدین)

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بروزِ قیامت چھ قسم کے افراد، چھ باتوں کی وجہ سے، بغیر حساب وکتاب جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ کون لوگ ہیں؟.... ارشاد فرمایا، عرب عصبیت (یعنی گروہ بندی) کے باعث، حاکم ظلم کی وجہ سے، چودھری لوگ تکبر کی بناء پر، تاجر لوگ خیانت کے بدلے میں، دیہات والے جہالت کے سبب اور علماء حسد کے ذریعے۔ (کنز العمال)

حدیثِ کریمہ سے بخوبی معلوم ہوا کہ صرف ظاہری علوم کا حصول ہی نجات

آخرت کے لئے کافی نہیں، باطنی گناہوں کی معرفت حاصل کر کے خود کو ان سے محفوظ رکھنا بھی لازم وضروری ہے۔

حاسد و کینہ ور، اپنے مسلمان بھائی سے نعمت کے زوال کے متمنی ہوتے ہیں اور زوالِ نعمت کی تمنا، عداوت ودشمنی کی علامت ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے متعلق، عداوت ودشمنی کا دل میں موجود ہونا، انسان پر مغفرت ورحمت کے دروازے بند کروا دیتا ہے۔ جیسا کہ

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) ارشاد فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ ﷻ شعبان کی پندرھویں شب میں اپنے بندوں پر خاص تجلی فرماتا ہے، پھر جو استغفار کرتے ہیں، ان کی مغفرت فرما دیتا ہے، جو رحم کی درخواست کرتے ہیں، ان پر رحم فرماتا ہے اور جو عداوت رکھتے ہیں، انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے (یعنی ان کی مغفرت ہوتی ہے اور نہ ہی ان رحم کیا جاتا ہے)۔ (بیہقی)

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہر ہفتے میں دو بار یعنی پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال نامے (بارگاہِ الٰہی ﷻ میں) پیش ہوتے ہیں، ہر بندے کی مغفرت ہوتی ہے، مگر وہ شخص کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ باز آجائیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

چونکہ حسد میں عداوت صرف حاسد کی جانب سے پائی جاتی ہے، لھذا دروازۂ مغفرت کے بند ہونے کا معاملہ بھی فقط اسی کے لئے ہوگا۔ ہاں اگر فریق ثانی

بھی اس لعنت میں گرفتار ہے تو یہی حکم اس کے لئے بھی ہوگا۔

حضرتِ فقیہ ابواللیث سمرقندی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

تین اشخاص ایسے ہیں کہ جن کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ پہلا حرام کھانے والا، دوسرا کثرت سے غیبت کرنے والا اور تیسرا وہ شخص کہ جس کے دل میں اپنے مسلمان بھائیوں سے کینہ یا حسد موجود ہو۔ (درۃ الناصحین)

حضرتِ فقیہ ابواللیث سمرقندی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں،

حسد سے بڑھ کر بدترین اور نقصان دہ کوئی شے نہیں، کیونکہ حسد کا اثر دشمن سے پہلے خود حاسد کو پانچ چیزوں میں مبتلاء کروادیتا ہے۔

(1) کبھی منقطع نہ ہونے والا غم۔(2) بے اجر مصیبت۔(3) نا قابل تعریف اور لائقِ مذمت حالت۔(4) اللہ ﷻ کی ناراضگی۔(5) توفیقِ الٰہی کے دروازے اس پر بند ہوجانا۔ (تنبیہ الغافلین)

حضرتِ ابنِ سماک (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

میں نے حاسد کے علاوہ کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھنے والا نہ دیکھا، ہر وقت افسردہ طبیعت، پریشان خیال اور غم میں مبتلاء رہتا ہے۔

(درۃ الناصحین)

حضرتِ حاتمِ اصم (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا،

کینہ پرور دین دار نہیں ہوتا، لوگوں کے عیب نکالنے والا عبادت گزار نہیں ہوسکتا، چغل خور کو امن نصیب نہیں ہوتا اور حاسد نصرتِ خداوندی سے محروم رہتا ہے۔

(منہاج العابدین)

حضرتِ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے،

حسد کے باعث، حاسد کا دل اندھا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ ﷻ کے احکامات کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ (منہاج العابدین)

حضرتِ سفیان ثوری (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے،

حاسد نہ بن، تا کہ تجھے سوچنے سمجھنے کی تیزی نصیب ہو۔ (درۃ الناصحین)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

بے شک کچھ لوگ اللہ ﷻ کی نعمتوں کے دشمن ہیں۔عرض کی گئی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ کون لوگ ہیں؟... ارشاد فرمایا، وہ لوگ، جو اپنے مسلمان بھائیوں کی ان نعمتوں سے حسد کرتے ہیں کہ جو انہیں اللہ ﷻ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین)

حضرتِ وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ،

حاسد کی تین نشانیاں ہیں۔(۱) جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی (یعنی بے جا تعریف) کرتا ہے۔(۲) پیٹھ پیچھے غیبت کرتا ہے۔(۳) جب دوسرے پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے۔ (منہاج العابدین)

حسد میں پوشیدہ آفات جاننے کے بعد ہر سمجھ دار شخص کو چاہیئے کہ اس مرض سے بچنے یا خود سے دور کرنے کے لئے لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر، سنجیدگی کے ساتھ لائحہ عمل تیار کرے، کیونکہ موت کا اچانک آجانا عمل کی سعادت حاصل کرنے کی راہ میں اکثر رکاوٹ بن جاتا ہے، لھذا

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھئے کہ انسان کے کسی بھی برائی میں مبتلاء ہونے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان، آخرت کو برباد کرنے والے کسی مرض سے نجات حاصل کرنا چاہے تو پہلے اس مرض کے اسباب کو جان کر انھیں دور وختم کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ جب سبب نہ رہے گا تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فعلِ قبیح کے وجود کے لئے باقی رہنا بھی مشکل ہوجائے گا۔

چونکہ حسد و کینہ بھی انسان کے ساتھ ہی پیدا نہیں ہوتے، بلکہ دولتِ احساس وشعور کے حصول کے بعد، بعض وجوہات کی بناء پر بندے کو لاحق ضرور ہوجاتے ہیں، چنانچہ ان امراض سے نجات کے لئے بھی ایسے اسباب کا جاننا بہت ضروری ہے کہ جو ان نامناسب عادات میں مبتلاء کروانے کا باعث بن جاتے ہیں۔

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے، تو پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جنھیں مرضِ حسد وکینہ کی اصل کے طور پر شمار کیا جا سکتا ہے۔

{1} دشمنی۔ {2} عزت وشہرت۔ {3} اپنی حقارت کا احساس۔

{4} نعمت کے زوال کا خوف۔ {5} مقصود فوت ہوجانے کا خطرہ۔

اب ان تمام اسباب کو مثالوں کے ساتھ بالترتیب تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے۔

جب انسان کو کسی سے دشمنی ہوجائے، تو یہ فطرتی تقاضا ہے کہ اسے اپنے دشمن کی تباہی و بربادی بہت زیادہ محبوب ہوجاتی ہے، اس کے برعکس اس کا

نعمتوں سے مالا مال ہونا، عزت وشہرت پانا اور حسن وجمال سے مزین ہونا حتی کہ ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے، چنانچہ دشمنی کا پیدا ہو جانا، اکثر حسد وبغض کے معرض وجود میں آنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے کبھی تو حاسد چاہتا ہے کہ میرے دشمن سے یہ تمام نعمتیں زائل ہو جائیں، چاہے مجھے حاصل ہوں یا نہ ہوں اور کبھی یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ انعامات اس سے چھن کر مجھے مل جائیں۔

اسی دشمنی والی علت کے سبب اہلِ کتاب، مسلمانوں سے حسد کی لعنت میں گرفتار ہوئے، جس کا ذکر قرآن عظیم میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے،

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ اہل کتاب میں سے کثیر نے اپنے باطنی حسد کے باعث چاہا (کہ) کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں، اس کے بعد کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے۔ (بقرہ۔109)

اس آیت کریمہ کے تحت "تفسیر خزائن العرفان" میں ہے کہ اسلام کی حقانیت جاننے کے بعد یہود کا مسلمانوں کے کفر وارتداد کی تمنا کرنا اور یہ چاہنا کہ وہ ایمان سے محروم ہو جائیں، حسد کے طور پر تھا۔ حسد بڑا عیب ہے۔

مسئلہ:۔ حسد حرام ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنے مال ودولت یا اثر ووجاہت سے گمراہی وبے

دینی پھیلاتا ہوتو اس کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے اس سے زوالِ نعمت کی تمنا حسد میں داخل نہیں اور نہ ہی حرام ہے۔(اس کو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے)۔

اس کی مثالیں موجودہ معاشرے میں ہر گلی محلے بلکہ تقریباً ہر گھر میں بکثرت دیکھی جاسکتی ہیں۔مثلاً

اگر کسی کو اپنے کسی رشتہ دار سے عداوت ہوجائے تو انسان قرابت داری کو یکسر بھلاکر تمنا کرتا ہے کہ کاش! اس کی پورے خاندان میں ناک کٹ جائے۔

اس کا کاروبار، زمینیں اور فصلیں وغیرہ تباہ وبرباد ہوجائیں۔

اس کی نوکری ختم ہوجائے۔

اس کا ایسا ایکسیڈنٹ ہو کہ حسین وجمیل چہرہ ہی بگڑ جائے۔ہاتھ پاؤں ضائع ہوجائیں۔

مال و دولت چوری ہوجائے۔ایسا ڈاکہ پڑے کہ گھر میں چھوٹی کوڑی بھی باقی نہ رہے۔

اور اس کے بجائے یہ تمام نعمتیں مجھے مل جائیں۔پھر اس کے برعکس پورے خاندان میں ہماری واہ واہ ہو۔اسے ہٹا کر ہمیں مقامِ عزت پر بٹھایا جائے۔یہ ترستا رہے اور ہمارے گھر میں دولت وثروت کی ریل پیل ہوجائے۔اس کے بچے بھوکے اور بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہیں، جبکہ ہماری اولاد اچھی نعمتیں کھائے اور بہترین طریقے سے آسائشوں بھری زندگی گزارے۔

کسی کی عزت وشہرت سے حسد ہونا کئی اسباب کا مرہونِ منت ہوتا

ہے۔ مثلاً علم وعمل، مال و دولت، حسن و جمال، کھیل کود، تقریر و بیان، قرأت و نعت، اعلیٰ عہدہ، ذہانت و قوی قوتِ حافظہ وغیرہ۔ چنانچہ جب کوئی شخص، کسی مسلمان کی عزت وشہرت سے حسد میں مبتلا ہوتا ہے تو دراصل وہ اس **"عزت کے سبب"** کے زوال کی تمنا اور اپنے لئے اس کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے۔ مثلاً

بعض اوقات کسی شخص کو اس کے علم کی برکت سے، من جانب اللہ، عزت وشہرت سے نوازا جاتا ہے۔ دیواروں میں لگے پوسٹروں میں اکثر اس کا نام نمایاں طور پر نظر آنا، لوگوں کا مسائل دریافت کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا، پھر اس کا کثیر تصانیف کے مصنف ہونے کا شرف حاصل کرنا، اس کے نام کے باعث کتاب کی کامیابی کا لازم ہو جانا، ہر زبان پر اس کے لئے تعریفی جملوں کا جاری ہونا، پھر عمل کے معاملے میں سنن و مستحبات تک کو اختیار کرنے کے بارے میں مشہوری اور لوگوں کا اس کے استقامتِ عمل پر اظہارِ تعجب کرنا، بعض دیگر اہلِ علم حضرات کے گلے میں حسد کی لعنت کا طوق ڈلوا دیتا ہے۔

اس کے کارناموں اور صلاحیتوں کا ذکر سن سن کر ان کے دلوں پر برچھیاں سی چلتی رہتی ہیں اور ان کی زبردست خواہش ہوتی ہے کہ اس سے کوئی ایسی فاش غلطی ہو جائے کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و محبت بالکل ختم ہو جائے اور اس کی تمام عزت وشہرت ہمیں حاصل ہو جائے۔

بعض اوقات ایک طالبِ علم اپنے فہم و حافظے کی تیزی کے باعث اپنی کلاس بلکہ پورے دار العلوم یا اسکول یا کالج یا یونیورسٹی میں، نیز اساتذہ کرام کے

درمیان، عزت ووقار قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ وقار و مرتبہ بھی بعض دیگر حضرات کے لئے بے حد پریشانی کا باعث بن جاتا ہے اور حسد کی آگ میں جل بھن کر قلب خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کی عزت و وقار ختم ہو جائے۔ چاہے موت کے باعث اور یا پھر کوئی ایسا حادثہ پیش آئے کہ اس کا حافظہ ہی ختم ہو جائے۔

بعض اوقات ایک شخص کو اللہ ﷻ نے قرأت و نعت و بیان و تقریر کی نعمت سے نوازا ہوتا ہے۔ محافل کی کامیابی اس کی شرکت کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ لوگ پوسٹرز۔۔یا۔۔دیگر طریقوں سے اس کی آمد کے بارے میں مطلع ہو کر جوق در جوق اس محفل میں شریک ہوتے ہیں۔ اس قاری و نعت خواں و مبلغ کے کیسٹ، کثیر تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت اکثر گھروں یا دکانوں میں اسی کی کیسٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جب محافل و اجتماعات میں اس کی آمد کا اعلان ہوتا ہے تو لوگوں میں جوش و خروش بڑھ جاتا ہے۔ زبردست نعرے لگائے جاتے ہیں اور پھر ہمہ تن گوش ہو کر اس کی قرأت و نعت و بیان و تقریر وغیرہ کو سنا جاتا ہے۔ پھر محفل کے اختتام پر سب کی زبان پر اس کے لئے تعریفی جملے اور محفل کی کامیابی کے چرچے ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور بھی بعض اوقات دیگر قاری حضرات، نعت خوانوں، مبلغین اور مقررین کو بغض و حسد میں مبتلاء کروا دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں کبھی تو اس معروف شخص کی موت کی تمنا کی جاتی ہے اور کبھی اس کے گلے کی خرابی کے لئے پرخلوص دعائیں مانگی جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات تو جادو ٹونہ کروانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا اور یہ تمام کوششیں اس آرزو کے جواب میں کی جاتی ہیں کہ کاش! اس کی عزت و شہرت ہمیں حاصل ہو جائے، جب کہ یہ بالکل گمنام ہو جائے۔

کبھی کوئی شخص اپنے حسن و جمال اور اچھے اخلاق کی بناء پر مخلوق میں نام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔اس کی اچھی عادات واوصاف کی بناء پر دیگر لوگ اس کے قرب کے لئے بے چین رہتے ہیں۔یہ جہاں کھڑا ہو جائے ،فوراً اس کے گرد لوگوں کا مجمع لگ جاتا ہے۔اس کے بہترین اندازِ گفتگو کے باعث ہر ایک اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کے لئے تعریفی سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس کے اچھے اندازِ ملاقات اور نفیس طریقۂ گفتگو کو سراہا جاتا ہے۔دوسروں کو ترغیب دلائی جاتی ہے کہ کم از کم ایک بار تو اس سے ضرور مل لیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ چیزیں بھی ان اوصاف سے محروم حضرات کے لئے بے حد تکلیف و رنج و غم کا باعث بن جاتی ہیں اور ایسے حضرات اپنی بد باطنی کی بناء پر اپنے قلب سیاہ میں اس مکروہ خواہش کی شدت پاتے ہیں کہ کاش! یہ شخص کسی طرح بدنام ہو جائے ،لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور ان کی زبانوں پر اس کے لئے تعریفی نہیں ، بلکہ مذمتی جملے جاری ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تمام خصوصیات ہمیں حاصل ہو جائیں۔

بعض اوقات کسی اعلی عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے حاصل ہونے والی عزت و ناموری بھی حسد و کینہ کا باعث بن جاتی ہے۔کیونکہ جب ایسے شخص کو خاندان میں نمایاں مقام حاصل ہو جاتا ہے۔لوگ اسے اپنی دعوتوں میں بلانے اور اس کے شرکت کر لینے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔اس کے گھر میں اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی ہو جانے کی خواہش کا اظہار کیا جاتا ہے۔اس کی نگاہوں میں کوئی مقام حاصل کر کے اپنے مطالب حل کرنے کی جستجو میں تعریفی و خوشامدی جملے کہے جاتے ہیں اور

اخبارات وغیرہ میں مختلف اداروں کے افتتاح کرنے کے سلسلے میں نمایاں طور پر اس کی تصاویر شائع ہوتی ہیں تو ان تمام امور کی بناء پر بھی کثیر حضرات خصوصاً خاندان والے ، نتائج کی پرواہ کئے بغیر، حسد جیسے گناہ عظیم میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ان کے قلوب میں بھی مذکورہ فاسد خواہشات زور پکڑنا شروع ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح کاروبار میں مہارت وتجربہ وکامیابی کی بناء پر بعض حضرات اپنے بزنس سرکل میں شہرت وناموری سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔ کسی بھی مقام پر ان کا پیسہ لگا دینا، کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ بزنس میٹنگز میں انھیں نمایاں مقام پر بٹھایا جاتا ہے۔اس کی دی ہوئی رائے کودوسروں پر فوقیت دی جاتی ہے۔لوگ کاروباری ترقی کے لئے اس کی محنت وکامیابی کی مثالیں دیتے ہوئے اس کے طریقۂ کار کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ عزت وشہرت بھی کچھ افراد کے لئے سخت بے چینی واضطراب کا سبب بن جاتی ہے اور حسد وکینہ کے باعث ان کے کان، مذکورہ شخص کی طرف سے کسی بڑی کاروباری غلطی یا ناگہانی آفات میں مبتلاء ہونے کی خبر سننے کے لئے بے چین ہوجاتے ہیں۔

کبھی انسان اچھے اندازِ تدریس کی بناء پر علمی حلقوں میں مقبول و معروف ہوجاتا ہے۔ دور دراز تک اس کے بہترین اور عام فہم طریقۂ تدریس کے چرچے سنائی دیتے ہیں۔طلباء حضرات دور دور سے اکتساب فیض کے لئے اس کے پاس آنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور بعد فراغت اس شخص سے شاگردی کی نسبت کی بناء پر طالب علم عزت ووقار کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ یہ صورتِ حال

دیگر پڑھانے والوں کے لئے بسا اوقات شدید بغض و حسد کا سبب بن جاتی ہے اور پھر بتقاضائے بشریت ان کے قلوب میں بھی مذکورہ استاذ کی تباہی و بربادی کی مکروہ خواہشیں جنم لینے لگتی ہیں۔

کبھی کسی آفس میں کام کرنے والا ایک شخص وقت کی پابندی، اپنے کام میں مکمل دلچسپی، انتھک محنت، کامل اطاعت اور چھٹیوں کے ذریعے کام سے جان نہ چھڑانے کے باعث افسر کی نگاہوں میں اپنا وقار قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر ان امور کے باعث افسر کی طرف سے تعریفی جملوں، بونس اور دیگر مراعات کے ذریعے اس کی خدمات کا سراہا جانا، اس کی مثال پیش کر کے دوسرے کام کرنے والوں کی مذمت کرنا اور اس کی ترقی کے بارے میں واضح اشارے دینا، دیگر سست اور کام چور ورکرز کے دل میں شدید بغض و حسد کی پیدائش کا سبب بن جاتا ہے اور ان کے مکروہ ذہن اس شخص کو افسر کی نگاہوں سے گرانے کے لئے ناپاک منصوبہ بندیوں میں ہمہ وقت مصروف ہو جاتے ہیں۔

بعض اوقات انسان، سامنے والے کو قدرتی صلاحیتوں اور فضائل و کمالات و نعمتوں کے اعتبار سے اپنے سے کئی درجے بلند و بالا پاتا ہے اور باوجود کوشش کے اس سے آگے نکلنے یا برابر آنے میں ناکام رہتا ہے، جس کی بناء پر اس کے دل میں احساسِ کمتری کا مادہ بیدار ہو جاتا ہے۔ پھر یہ احساسِ کمتری باطنی لحاظ سے مسلسل رنج و غم کا سبب بنتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے ذہنی سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور پھر اسے "شیطان کی مکاریوں کے باعث" اس رنج و غم سے دوری اور ذہنی سکون کے حصول کا

واحد حل یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی طرح سامنے والا مر جائے یا اپنے مرتبے سے گر جائے یا اس کی صلاحیتیں اور نعمتیں کسی ناگہانی آفت کی بناء پر اس سے چھن جائیں اور یوں یہ بدنصیب حسد و کینہ کے باعث گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔معاشرے میں اس کی کئی امثلہ دیکھی جاسکتی ہیں۔مثلاً

بعض طلباء کو اللہ ﷻ نے خصوصی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے، چنانچہ وہ استاذ کے پڑھائے ہوئے سبق کو فوراً سمجھ جاتے ہیں اور قوت حافظہ کے قوی ہونے کے باعث بہت جلد یاد بھی کر لیتے ہیں۔

پھر انھیں خود اعتمادی کی ایسی دولت حاصل ہوتی ہے کہ استاد کے سامنے سبق بیان کرتے ہوئے نہ تو ان کے پیر کانپتے ہیں، نہ زبان لڑکھڑاتی ہے اور نہ ہی ذہن سے الفاظ غائب ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود اعتمادی اور روانی کے ساتھ سبق سنا کر، استاد کی طرف سے انعام اور تعریفی جملوں کے مستحق بنتے رہتے ہیں۔

امتحانات میں بھی اکثر انہیں ہی نمایاں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

پھر ان کی انھیں خصوصیات کی بناء پر دیگر طالب علم ساتھی، اسباق و امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں ان کی منتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کے برعکس بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ذہن پر پورا زور دینے کے باوجود انھیں اکثر سبق سمجھنے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔پھر شروحات وغیرہ سے سمجھنے یا یاد کرنے بیٹھیں، تو حافظہ ساتھ نہیں دیتا، تھوڑی سی چیز بھی بہت دیر میں اور انتہائی مختصر مدت کے لئے یاد ہوتی ہے، نتیجتاً خود اعتمادی سے محروم رہتی ہے۔سبق

سناتے ہوئے ٹانگیں کانپتی ہیں، رنگ زرد پڑ جاتا ہے، زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، خوف وشرمندگی کے باعث یاد کیے ہوئے الفاظ بھی ذہن سے نکل جاتے ہیں اور پھر اس نکمے پن کی بناء پر اکثر استاذ کی طرف سے مار یا پھر سخت الفاظ کی صورت میں مذمت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بقیہ کلاس کے ساتھیوں کا مذاق اڑانا اور مار پڑنے پر طنزیہ جملے کسنا، مزید دل آزاری کا سبب بنتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس قسم کے طالبِ علموں کے لئے شدید احساسِ کمتری کی بیداری کا باعث بن جاتی ہے اور پھر انھیں استاذ کے منظورِ نظر اور قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال طلبہ سے نفرت سی ہو جاتی ہے اور دل ان کے متعلق بغض و کینہ سے بھر جاتا ہے۔

اسی طرح بعض قاری، نعت خواں، مقرر یا مبلغ حضرات کو قرأت ونعت و تقریر و بیان کی خصوصی صلاحیتیں حاصل ہوتی ہیں، جن کی بناء پر وہ عوام میں بے حد مقبولیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض حضرات کو ان امور میں اتنی مہارت یا نفاست حاصل نہیں ہوتی۔ یہ حضرات جب اپنا اور مدِ مقابل کا موازنہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو انھیں واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ عوام میں جو مقبولیت اس شخص کو حاصل ہے، کم از کم اس کے ہوتے ہوئے ہمیں حاصل ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ لوگ اپنی محافل اور مذہبی پروگراموں میں انہی کو بلانے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، جبکہ ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ یہ جب تک موجود نہ ہوں، لگتا ہے کہ محفل میں جان ہی نہیں۔ ان کی قرأت ونعت وتقریر و بیان بہت ذوق وشوق وتوجہ وتسلی سے سنا جاتا ہے، جب کہ ہمارے مائک پر پہنچنے پر لوگوں میں بے چینی واضطراب و بے رغبتی

کی کیفیات نمایاں ہوجاتی ہیں، بلکہ اکثر تو اٹھ اٹھ کر جانا شروع ہوجاتے ہیں۔ اختتامِ محفل پر ان کے گرد لوگوں کا مجمع لگ جاتا ہے تقریباً ہر آنکھ انہی کو تلاش کررہی ہوتی ہے، انہی سے آٹوگراف لینے کے لئے خواہش کا اظہار کیا جاتا ہے اور انہی کے ہاتھوں کو بہت عقیدت ومحبت سے چوم کر آنکھوں سے لگا کر عاجزی کے ساتھ تحفہ بھی پیش کیا جاتا ہے، جبکہ ہمارے پاس بھولے سے ہی ایک آدھ آتا ہے اور اس میں بھی وہ جوش وخروش نظر نہیں آتا کہ جو مقبول ومعروف شخص سے ملاقات کرتے ہوئے نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، پس ان تمام باتوں کے باعث انہیں اپنے کم تر ہونے کا شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے اور پھر یہی احساسِ کم تری حسد وکینہ کی طرف لے جاتا ہے۔

بعض حضرات کو اللہ ﷻ نے ظاہری حسن وجمال کی دولت سے مالا مال فرمایا ہوتا ہے، وہ اپنی گوری رنگت، لمبے چوڑے بدن، خوبصورت گھنے بالوں، جاذبِ نظر نقوش اور مناسب قد کاٹھ کے باعث دیکھنے والوں کو بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں، وہ جس بھی قسم یا رنگ کا لباس پہن لیں، ان پر خوب کھلتا ہے، جس کے سبب دوست احباب اکثر اوقات تعریفی جملے کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے افراد کو محافل میں اکثر نمایاں مقام حاصل ہوجاتا ہے۔ دیگر لوگ ان کے گرد رہنا پسند کرتے ہیں اور ان کی دوستی پر فخر کیا جاتا ہے۔ ان ظاہری خوبیوں سے مزین حضرات کے سامنے کالی یا سانولی رنگت، کمزور بدن، چھدرے بالوں والے، عام یا غیر جاذبِ نظر نقوش کے حامل اور چھوٹے قد کاٹھ کے مالک افراد بہت زیادہ احساسِ کمتری کا شکار

رہتے ہیں، خصوصاً جب اچانک کسی مجلس میں مذکورہ اشخاص میں سے کوئی فرد آ جائے اور سب اس کی طرف متوجہ ہو جائیں، تو اس وقت یہ احساسِ کمتری مزید بڑھ جاتا ہے۔

پھر عام مشاہدہ ہے کہ نعمتوں کی کمی کے شکار لوگ، اکثر غیر ارادی طور پر دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور جب وہ سامنے والے کو خود سے ہر یا بعض لحاظ سے بہتر محسوس کرتے ہیں، تو نتیجتًا دائمی طور پر جلن کڑھن میں مبتلاء ہو کر بے سکونی اور سخت تکلیف کے باعث، مندرجہ بالا اشخاص سے بغض و حسد کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شوبزنس سے تعلق رکھنے والی شخصیات اور خصوصاً خواتین، اس قسم کے حسد میں کثرت سے مبتلا نظر آتی ہیں۔

اسی طرح غربت بھی احساسِ کمتری کو پیدا کرنے کے ذریعے بغض و حسد کا شکار کروانے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

کیونکہ جب ایک تنگ دست شخص دیکھتا ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا پڑوسی وغیرہ صاحبِ مال ہو جانے کی وجہ سے دوسروں کی توجہ کا مرکز بن رہا ہے، جب کہ ہمارے پاس کسی کو متوجہ کرنے کے اسباب مفقود ہیں۔

اسے تو دعوتوں وغیرہ میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر زور دیا جاتا ہے، شریک نہ ہونے پر اس کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے اور حاضری کی صورت میں ہر زبان پر اسی کا تذکرہ ہوتا ہے، اس کے برعکس ہمیں دعوت ملتی بھی ہے تو رسمی طور

پر۔اگر نہ جائیں تو کوئی شکوہ نہیں کیا جاتا۔اور اگر شریک ہو بھی جائیں تو اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں ہوتی۔

پھر جب وہ شخص شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں قیمتی تحفہ پیش کرتا ہے تو میزبان کے چہرے پر احسان مندی اور مرعوبیت کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں جب کہ ہمارے "کم قیمت اور اس کے مقابلے میں حقیر تحفے کو بقیہ تحفوں کے ڈھیر پر بے پرواہی کے ساتھ پھینک دیا جاتا ہے۔

اس کے بیٹے بیٹیوں کے رشتے کے لئے ہر ایک بے تاب نظر آتا ہے جب کہ ہمارے بچوں کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں جاتی۔

اس کے بچے اعلیٰ اسکولوں ،کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جب کہ ہمارے بچے معمولی اداروں میں جانے پر مجبور ہیں۔وہ تو ہر ہفتے اپنی چمکتی دمکتی کار میں، اہلِ خانہ کے ساتھ کسی نہ کسی پکنک پوائنٹ پر جاتا ہوا نظر آتا ہے، جب کہ ہمیں تو گھر کے مسائل سے ہی فرصت نہیں ملتی، نہ اتنے وسائل ہیں کہ تفریحی مقام پر شاہ خرچیاں کرسکیں، اپنا تو ماہانہ خرچہ ہی بڑی مشکل سے پورا ہوتا ہے۔

پس ان تمام باتوں پر بار بار غور و تفکر کرنے سے اس کا دل شدید احساسِ کمتری کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔پھر بعض اوقات خود اس کے اہلِ خانہ، اس امیر رشتہ دار کی مثالیں دے کر اسے ذلت، حقارت اور دنیاوی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کا طنز کی شکل میں احساس دلاتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ تمام امور احساسِ کمتری اور پھر یہ احساسِ کمتری حسد و کینہ کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ تقریباً ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی طرف سے حاصل شدہ نعمت ِ پسندیدہ کا زوال محبوب نہیں رکھتا، بلکہ تمنا یہ ہوتی ہے کہ یہ نعمت دائمی طور پر اس کے پاس رہے، بلکہ اگر ترقی ممکن ہو تو اضافہ بھی ہوتا جائے۔ اب ایسی صورت میں اگر اسے محسوس ہو کہ کوئی شخص اس کی موجودہ نعمت کے زوال کا سبب بن سکتا ہے یا بن رہا ہے، تو زوالِ نعمت کا خوف اس کے دل میں خطرہ بننے والے شخص کے لئے زبردست بغض وحسد کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً

بعض اوقات ایک شخص کو اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باعث کسی روحانی وعلمی ومشہور شخصیت کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس قرب کی وجہ سے اسے بہت سے دینی و دنیوی کئی طرح کے فائدے حاصل ہو رہے ہوتے ہیں.. یا.. ان فائدوں کا حصول یقینی طور پر متوقع ہوتا ہے اور یہ شخص اس موجودہ صورتِ حال پر بہت خوش ومطمئن بھی ہوتا ہے کہ اچانک وہ ایک اور شخص کو اپنے سے زیادہ خوبیوں کا مالک دیکھتا ہے، نیز اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ علمی وروحانی ومشہور شخصیت بھی اس دوسرے شخص میں دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی ہے، اس وقت اس کے دل میں مقامِ قرب کے زوال کا زبردست خوف پیدا ہو جاتا ہے اور شیطان اسے یہ یقین دلانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے کہ ''عنقریب اس شخص کی وجہ سے تیری اہمیت نہ صرف کم ہو جائے گی، بلکہ تو ان تمام فوائد سے بھی محروم ہو جائے گا کہ جو قریب رہنے کی وجہ سے تجھے حاصل ہو رہے تھے۔ نتیجۃً قربِ زوال کا صحیح خوف اور شیطان کی طرف سے پیدا کردہ یقین کامل، اسے دوسرے شخص کے بارے میں بغض وحسد میں مشغول کروا دیتا ہے۔

یونہی ایک نعت خواں اپنی خوش الحانی کے باعث، ایک قاری اپنی خوبصورت قرأت کی وجہ سے، ایک مبلغ و مقرر اپنے اچھے انداز بیان و تقریر اور زبان کی شیرینی و روانی و تاثیر کے ذریعے، ایک مصنف اپنی تحریروں کے سبب، کوئی شخص اپنے اچھے انداز ملاقات و خوش اخلاقی کے بدلے، ایک پیر اپنے مریدوں کی کثرت کے باعث..یا..کوئی آدمی اپنی دولت و ثروت کی بنا پر معاشرے میں عزت و شہرت و مقام حاصل کر لیتا ہے۔

لوگوں کا اس سے مرعوب و متاثر ہونا، اس کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کرنا، فرطِ عقیدت سے اس کے ہاتھوں پیروں کو چومنا، اصرار و غیرہ کر کے اپنے ہاں دعوت پر بلانا اور تعریفوں کے پل باندھنا، اس کے لئے بہت زیادہ باعثِ لذت اور سببِ اطمینان واقع ہوتا ہے اور اسکی شدید خواہش ہوتی ہے کہ یہ عروج و بلندی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرا مقدر بن کر رہے اور مجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہو، لیکن پھر وہ دیکھتا ہے کہ ایک اور شخص آہستہ آہستہ مقبولیت کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اس کے برابر آرہا ہے، بلکہ قریب ہے کہ اس سے بھی آگے نکل جائے، اس وقت اس کے دل میں اپنے موجودہ مقام اور عظیم الشان عزت و شہرت کے زوال کا اندیشہ قوی، پوری قوت کے ساتھ سر اٹھاتا ہے، لاکھوں وسوسے ہمہ وقت اس پر یلغار کرتے رہتے ہیں مخلوق کے سامنے بظاہر خوش و مطمئن رہنے کی بھر پور کوشش کرتا ہے، لیکن اس کا دل ایک شدید بے چینی و اضطراب و پریشانی میں مشغول ہو کر تیز تیز دھڑکنے کا عادی بن جاتا ہے۔ ایک غم و فکرِ مسلسل، اس کے ذہن و قلب کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ کھانے پینے

سونے جاگنے اور ملاقاتِ دوست احباب سے حاصل ہونے والی لذت مفقود ہو جاتی ہے، آخرِ کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اپنے وقار و مرتبے کی حفاظت کی خاطر مذکورہ شخص سے شدید بغض و حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ ایک شخص کو اسکول، کالج، یونیورسٹی، دفتر، فیکٹری، حکومت یا کسی "تنظیم" میں اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس عہدے کی وجہ سے اسے عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے مقامات پر جانا آسان ہو جاتا ہے کہ جہاں عام آدمی کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ بسا اوقات اس کے سبب ایسی بڑی شخصیات کے قریب رہنا میسر آتا ہے کہ جن کے قرب کیلئے ہزاروں دل بے چین و بے قرار نظر آتے ہیں۔ ماتحتوں پر حکم چلانے کا موقع ملتا ہے اور بے شمار لوگ اشاروں پر چلتے نظر آتے ہیں۔ یہ تمام امور اس کے نفس کیلئے لذت و فرحت کا کثیر سامان فراہم کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

یہ جامِ حکومت، ایسے نشے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ جس کی لذت، ہوش میں آنے کو سخت ناپسند رکھتی ہے، بلکہ روز بروز اس میں اضافہ و زیادتی ہی منظورِ نظر رہتی ہے۔ پھر اچانک اس کا ماتحت یا کوئی اجنبی شخص، اس سے زیادہ باصلاحیت اور اس عہدے کیلئے بہتر مستحق کے طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ لوگ اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنے لگتے ہیں اور اس عہدے کیلئے اس کے انتخاب کے بارے میں سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں، صاحبِ عہدہ کیلئے یہ صورتِ حال بے حد تشویش کا باعث بن جاتی ہے، خصوصاً اس کے اردگرد رہنے والے خوشامدی قسم کے حضرات اپنے نفع کی

خاطر بظاہر ہمدرد بن کر، آنے والے خطرات سے وحشتناک طریقے سے ڈراتے ہیں، جس کی بنا پر اسے یقین ہونے لگتا ہے کہ عنقریب تیزی سے ابھرنے والا یہ شخص اس کے عہدے اور اس سے حاصل ہونے والے بڑے بڑے انعامات کے زوال کا سبب بن جائے گا۔ بس پھر یہی خوف وخدشہ اسے مذکورہ شخص سے حسد وکینہ میں مبتلا کروادیتا ہے۔

یونہی ایک شخص اپنے کاروبار ودکان وغیرہ سے ہر ماہ کثیر منافع حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ گاہکوں کا رش، اس کے مال کی ڈیمانڈ، کثیر حاصل ہونے والا سرمایہ، تیزی سے بڑھتا ہوا بینک بیلنس، اس ملنے والے نفع سے اس کے گھر والوں کا عیش وآرام سے زندگی بسر کرنا اور اسکے باعث خاندان ودیگر احباب میں عزت وشہرت کا حصول اس کو بہت بھلا محسوس ہوتا ہے۔

مسلسل کاروباری کامیابیاں اسے ناکامی کی یاد سے بالکل غافل کردیتی ہیں ، یہاں تک کہ ''ناکامی'' کا لفظ اسکی ''ذہنی ڈکشنری'' سے یکسر غائب ہوجاتا ہے۔ لیکن پھر اچانک اس پرسکون زندگی میں دوسرا کاروباری ہلچل مچادیتا ہے، اس دوسرے شخص کا کاروبار ودکان، چند تبدیلیوں کے بعد اسے انہی بلندیوں اور انعامات کی جانب سے تیزی سے لے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کے ذریعے پہلا کاروباری نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

یہ پہلا کاروباری جب دوسرے کی دکان پر گاہکوں کا بڑھتا ہوا رش، اس کے مال کی مارکیٹ میں تیزی سے ترقی پاتی ہوئی مانگ اور اس کے مقابلے میں اپنے

گاہکوں اور مال کی طلب میں واضح طور پر کمی دیکھتا ہے تو بے شمار خدشوں کے باعث اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ شیطان اسے مسلسل خوف دلاتا ہے کہ ”عنقریب خاندان و مارکیٹ وغیرہ میں تیری عزت و شہرت خاک میں مل جائے گی، تیرا بینک بیلنس تباہ ہو جائے گا، تجھے دیوالیہ ہو کر اپنے وسیع کاروبار کو سمیٹنا پڑے گا اور پھر بالآخر تیری اور تیرے اہل خانہ کی زندگی کا عیش و آرام بہت جلد سخت آزمائش و تکلیف میں تبدیل ہو جائے گا۔

چنانچہ ایسی صورت حال میں اسے، دوسرے کاروباری سے سخت نفرت ہو جاتی ہے اور یہ، اسے اپنی عزت و شہرت آرام و آسائش کا سب سے بڑا دشمن تصور کرنا شروع کر دیتا ہے اور آخر کار قلب، شدید بغض و حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہاں تک کے بیان پر غور و تفکر کرنے والا ہر قاری اس بات سے یقیناً اتفاق کرے گا کہ اس مرض عظیم کی دل میں موجودگی کسی بھی طرح انسان کے لئے نفع بخش نہیں، چنانچہ اس گناہ پُرضرر سے بچنے کی بھرپور کوشش ہی سعادت مندی ہے۔

اس درست رائے کے بعد اگلا قدم ”اس گناہ کی اپنی ذات میں موجودگی و عدم موجودگی پر مطلع ہونا“ ہونا چاہیئے۔

اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ **حسد کی علامات** کو جان کر انھیں اپنی ذات میں دیانت دارانہ طور پر تلاش کیا جائے۔ چنانچہ اب حسد کی علامات بیان کی جائیں گی۔

حسد کے باعث حاسد کی ذات میں درج ذیل علامات کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت محسود سے سلام و مصافحہ ترک کر دینا ہے۔ چونکہ حاسد کو محسود سے کئی وجوہات کی بناء پر شدید نفرت ہو جاتی ہے، لھذا اس کا دل ہرگز پسند نہیں کرتا کہ محسود کو سلام کیا جائے یا ہاتھ ملایا جائے یا عید وغیرہ کے موقع پر گلے ملا جائے، چنانچہ حتی الامکان اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتا ہے، تاکہ نہ سامنا ہو اور نہ ان تکلیف دہ امور میں مبتلاء ہونا پڑے۔

اور کبھی اتفاقاً سامنا ہو بھی جائے، تو کوشش کرتا ہے کہ نظریں بچا کر نکل جائے اور اگر نکلنے کا موقع نہ ملے مثلاً اس طرح کہ بعض اوقات ''کچھ مصلحتوں'' کی بناء پر یہ نہیں چاہتا کہ ''میرے قلبی جذبات محسود پر ظاہر ہو جائیں یا میرے کسی فعل سے ان کا اندازہ لگایا جائے، ایسی صورت میں کبھی سامنا ہونے پر دل پر جبر کر کے مصافحہ کر ہی لیتا ہے۔

...یا...پھر یوں کہ کچھ لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، اب یہ سوچتا ہے کہ ''اکیلا ہوتا تو کبھی مصافحہ نہ کرتا، لیکن اگر اس موقع پر ان لوگوں کے سامنے دعا، سلام نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ انھیں میری باطنی نفرت کا اندازہ ہو جائے اور پھر بطورِ نتیجہ عین ممکن ہے کہ میں حاسد کے لقب سے مشہور ہو جاؤں، چنانچہ ان باتوں کے پیش نظر چہرے پر ''مصنوعی مسکراہٹ'' سجا کر بظاہر گرم جوشی سے مصافحہ کر تو لیتا ہے، لیکن ''ہاتھ ملانے اور دریافتِ حال'' کے دوران، اس کے دل پر ایک بوجھ اور کراہت کی

سی کیفیت طاری رہتی ہے۔

ایک علامت، بددعا کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ حاسد کو محسود کی جن نعمتوں کے باعث آتشِ حسد میں جلنا نصیب ہوا، ان کا زوال، اس کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے، چنانچہ اس آرزو کی تکمیل کے لئے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کرتا ہے کہ ''اپنی دعاؤں میں ''انعاماتِ محسود کی تباہی و بربادی کے لئے بددعائیں'' بھی شامل کرلیتا ہے، اور شائد اپنے لئے اتنے خلوص سے زندگی بھر میں کبھی دعا نہ کی ہوگی کہ جتنی بھرپور توجہ اور حاضریٔ قلب کے ساتھ اس کے لئے بددعا کرتا ہے۔

ایک علامت محسود کی غیبت و چغلی کی صورت میں مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔ چونکہ حاسد نہیں چاہتا کہ کسی کے دل میں محسود کی تھوڑی سی بھی محبت باقی رہے، چنانچہ لوگوں کو اس سے بدظن کرنے اور قلوب میں اس کی نفرت و کراہیت پیدا کرنے کے لئے غیبت و چغلی و الزام تراشی وغیرہ کا ''مکروہ سہارا'' حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محسود کی ذات میں موجود، وہ کمزوریاں کہ جن پر مطلع ہونے کی بناء پر کسی کا بدگمان ہونا ممکن ہو، کبھی تو بالکل واضح طور پر بیان کردیتا ہے (جب کہ ساتھ میں ہمراز دوست ہوں)....اور.....کبھی اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ گویا اس عیب کی موجودگی کے باعث محسود کے اخروی نقصان پر ہمدردی کا اظہار کررہا ہے، حالانکہ حقیقتاً اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا مقصود ہوتا ہے، یعنی ایک محسود کی مذمت اور دوسرا گناہِ کبیرہ

کرنے کے باوجود مذمت سے بچنے کے لئے خود کو گناہ سے محفوظ ثابت کرنا۔

اسی طرح اگر محسود نے کبھی کسی کے خلاف مزاج کوئی بات کہی تھی اور حاسد اس پر واقف ہے،تو ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے کہ جن کے ذریعے یہ بات ''بمع التزام تراشی ومرچ مصالحے'' کے محسود کے مخالف تک پہنچ جائے،تاکہ جب اس کی طرف سے انتقامی کاروائی کے نتیجے میں محسود سخت پریشانی یا کسی قسم کے جانی ومالی نقصان کا شکار ہو،تو اسے اپنا دل ٹھنڈا کرنے کا موقع ملے۔

اور جب حاسد،ان ظالمانہ کاروائیوں کے نتیجے میں کسی کو محسود سے بدظن ہوتے یا جانی ومالی نقصان پہنچاتے دیکھتا ہے تو اس وقت کامیابی پر بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے اور (معاذ اللہ) اس صورت حال کو ''تائید غیبی'' اور ''دل ہی دل میں اپنی ذات کے بارگاہ الٰہی ﷻ میں مقرب ومقبول ہونے پر'' واضح دلیل قرار دیتا ہے۔پھر بعض اوقات اس ''کارنامے'' کی خوشخبری سنانے کے لئے کسی قریبی دوست کی تلاش میں بے قرار نظر آتا ہے،تاکہ اسے بھی ''شریک خوشی'' کرکے مزید لذت وسکون حاصل کرسکے۔

مزید علامت،محسود کی خوشی پر غم اور اس کے غم پر خوشی کی صورت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔کیونکہ محسود پر اللہ ﷻ کی عنایات وکرامات دیکھ کر جلنا کڑھنا حاسد کا روزانہ کا معمول بن جاتا ہے۔اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ اور خوش وخرم زندگی،حاسد کے لیے مسلسل پریشانی کا سبب بنتی رہتی ہے،لیکن اپنے فطرتی تقاضے کے تحت اسے باربار دیکھے بغیر رہ بھی نہیں سکتا،چنانچہ جب بھی محسود پر نظر ڈالتا ہے،ہر نگاہ اس کے

لئے ایک نیا درد و کرب ساتھ لے کر آتی ہے، اس کے برعکس جب محسود کسی ذہنی ٹینشن میں مبتلا ہو جائے...یا...اس کے کسی بڑے مالی نقصان کی خبر پہنچے...یا...اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا کہ جس سے عزت کے زوال اور بدنامی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا...یا...وہ کسی بڑی بیماری میں گرفتار ہو جائے اور ان امور کے باعث، اس پر شدید رنج و غم کے آثار نمایاں ہوں تو اس وقت حاسد اپنے دل میں بے حد کیف و سرور و لذت محسوس کرتا ہے اور اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل پر پھولے نہیں سماتا۔ پھر بعض اوقات کچھ مصلحتوں کے پیشِ نظر منافقانہ طرز اختیار کر کے، ان آفات پر محسود سے اظہارِ ہمدردی بھی کرتا ہے، لیکن چونکہ حقیقتاً اس جعلی ہمدردی اور مصنوعی الفاظ کے ذریعے، غم میں شریک ہونے کا صرف یقین دلانا ہی مقصود ہوتا ہے، چنانچہ اس معاملے میں اس کا دل بالکل ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور اگر کبھی حقیقی طور پر غم محسوس ہوتا بھی ہے تو یہ صرف ایک وقتی کیفیت ہوتی ہے جو تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔

محسود کو نگاہِ حقارت سے دیکھنا اور مذاق اڑانا بھی حسد کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

حاسد، محسود کے پاس اللہ ﷻ کی بے شمار نعمتوں کو موجود دیکھنے اور خود کو ان سے محروم پانے کے باوجود، کسی طور پر بھی اپنی ذات پر اس کی برتری کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ دل ہی دل میں اکثر اوقات اس کا اور اپنا موازنہ کرتے ہوئے مختلف دلائل و براہین سے خود کو اس پر فوقیت دے کر، احساسِ کمتری و محرومی کو کم کرنے

کی کوشش میں مصروف عمل رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے زعمِ فاسد میں جب کوئی اپنی ہی فوقیت ثابت کرنے پر مشتمل دلیل مضبوط محسوس ہو، تو اس کے ذریعے وقتی طور پر ہی سہی لیکن بہت لذت و سکون حاصل ہوتا ہے۔

اور جب بھی دوست احباب میں سے کوئی، اسے کمالات و فضائل کے اعتبار سے فوقیت دے دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں نفس کی جانب سے فوراً آواز آتی ہے کہ دیکھا میں تو پہلے ہی یقین دلا رہا تھا کہ تُو، اس سے کئی لحاظ سے افضل و بہتر ہے، تو اس سے بھی طبیعت، کافی کیف و سرور حاصل کرتی ہے اور وہ فوقیت دینے والا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

پھر خود نگاہِ حقارت سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ چاہتا ہے کہ محسود، دوسروں کی نگاہوں میں بھی حقیر و ذلیل ہو جائے، چنانچہ اس خواہش فاسد کی تکمیل کے لئے مختلف طریقوں سے اس کا مذاق اُڑاتا ہے، کبھی اس کی شکل و صورت و لباس کا، کبھی تحریر کا، کبھی اس کے بیان و تقریر و قرأت و نعت کے انداز کا، کبھی طرزِ گفتگو کا اور کبھی چال ڈھال اور عبادت و اعمال کا، نیز جب دوسروں کو بھی اس فعلِ بد میں اپنا شریک پاتا ہے، تو یقین کامیابی کے باعث خود میں اس کے خلاف جذبۂ انتقام میں بے حد اضافہ اور طبیعت میں عجیب جوش و خروش محسوس کرتا ہے اور ان شریک ساتھیوں کی رائے کو درست و حتمی رائے قرار دیتے ہوئے، ایسے لوگوں پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے کہ جو محسود سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں یا کسی بھی لحاظ سے مرعوب و متاثر نظر آتے ہیں اور کبھی کبھی انہیں جاہل و بے وقوف و ناسمجھ کے القابات سے نوازنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

ایک اور علامت محسود کو فائدہ پہنچانے سے باز رہنا بھی ہے۔ چونکہ حاسد، محسود کی پریشانی ومصیبت پر راحت وخوشی محسوس کرتا ہے، چنانچہ اس کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ محسود، تاحیات مختلف قسم کی پے درپے وارد ہونے والی پریشان کن کیفیات سے دوچار رہے، حتی کہ اس کی جان ومال وعزت وآبرو وذہنی سکون وغیرہ سب کچھ تباہ وبرباد ہوجائے۔ اس ناپاک جذبے کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ یہ بھی اختیار کرتا ہے کہ اگر کبھی محسود کو کسی بھی معاملے میں اس کی مدد کی ضرورت پڑ جائے تو باوجودِ قدرت اس کی مدد سے کبھی تو بالکل صاف اور کبھی حیلوں بہانوں کے ذریعے انکار کردیتا ہے۔

بلکہ حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ خاندان کا کوئی دیگر فرد یا دوست احباب میں سے کوئی شخص اس کی کسی بھی قسم کی مدد نہ کرے، چنانچہ اگر کوئی محسود کی مدد کرنے کے سلسلے میں اس سے مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اس قسم کے جوابات دیتا ہے کہ جس کے باعث طالبِ مشورہ کے ذہن میں مدد کرنے کے نتیجے میں کسی بڑے نقصان وخطرے میں مبتلاء ہوجانے کا خوف پیدا ہوجائے اور پھر یہ خوف اسے مدد سے روک دے۔ مثال کے طور پر محسود کو کاروبار یا مکان کی خرید وفروخت ...یا... بچوں کی شادی بیاہ میں... یا... بیماری کے علاج وغیرہ کے لئے پیسوں کی ضرورت پڑی، اس نے کسی سے حاجت کا اظہار کیا، اب اگر یہ شخص اس معاملے میں حاسد سے مشورہ مانگے گا تو کچھ اس قسم کا مشورہ ملے گا کہ

بھئی دیکھ لیجئے، میں آپ کو مدد سے تو نہیں روکوں گا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ

پیسوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے آج کل لوگ لے تو لیتے ہیں، لیکن پھر لوٹانے کو دل نہیں چاہتا بعض اوقات تو ساری زندگی رونا پڑتا ہے۔

نتیجتاً جب امداد کے لئے تیار کوئی شخص خوفزدہ ہو کر مدد سے ہاتھ اٹھالیتا ہے، تو حاسد اسے اپنی بہت عظیم کامیابی تصور کر کے خوشی سے پھولے نہیں ساتا۔

دوسروں کو محسود کے نقصان پر ابھارنا بھی حسد کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے۔ چونکہ حاسد، محسود کی ترقی ونعمت کو دیکھ دیکھ کر رات دن جلتا کڑھتا رہتا ہے، اس جلن کڑھن کے باعث پیدا ہونے والی ناقابل برداشت تکلیف اس کے دل میں محسود کی نفرت کو شدید سے شدید تر کرتی چلی جاتی ہے، ساتھ ساتھ نفس وشیطان اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ

تیرے ذہنی وقلبی سکون کی تباہی کی واحد ذمہ داری اسی محسود کی ذات ہے، نہ یہ ہوتا نہ تجھے ان آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

نتیجتاً یہ قلبی تکلیف اور نفس وشیطان کا محسود کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا، حاسد کے دل میں محسود کے خلاف جذبۂ انتقام کو ابھارتا ہے اور پھر وہ ایسے مواقع تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے کہ جن سے فائدہ اٹھا کر محسود کو کسی بڑے نقصان میں گرفتار کروا کر اپنی تکلیف واذیتِ مسلسل کا کچھ نہ کچھ بدلہ لے سکے۔ لہذا جونہی اسے کوئی ایسا موقع میسر آتا ہے کہ جس کے باعث محسود کسی دینی یا دنیاوی نقصان کا شکار ہو سکتا ہو تو یہ عملی قدم اٹھانے میں لحہ بھر کی بھی دیر نہیں کرتا، بلکہ اگر کسی دوسرے کو ورغلا کر محسود کو نقصان وخسارے میں مبتلاء کروا سکتا ہو تو اس طریقے کو بھی ہرگز نظر انداز نہ کرے گا۔ اس کی

سینکڑوں مثالیں خاندان واسکول وکالج ویونیورسٹی ودارالعلوم اور خاص طور پر سیاسی پلیٹ فارم پر ''رسہ کشی'' میں مصروف حضرات میں دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں۔

محسود کی تعریف کرنے اور سننے سے بچنے کو بھی حسد کی علامات میں شمار کیا جاتا ہے۔چونکہ کسی کی تعریف، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ تعریف کرنے والا، تعریف کیے جانے والے سے قلبی لحاظ سے متاثر ہے، نیز جب تعریف کچھ لوگوں کی موجودگی میں کی جائے، تو اکثر سننے والے بھی غائبانہ طور پر اس سے مرعوب ومتاثر اور ملاقات وزیارت کے مشتاق ہوجاتے ہیں۔اب چونکہ حاسد، محسود سے سخت قلبی نفرت رکھتا ہے نیز اس کے فضائل وکمالات سے متاثر ہونے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوتا، چنانچہ یہی قلبی نفرت اس کی زبان کو محسود کے کمالات کا اقرار کرنے سے روک دیتی ہے بلکہ جب کوئی اس کے سامنے محسود کی تعریف کرتا ہے، تو اس کی خواہش کے برعکس، سامنے والے کا محسود سے متاثر ہونا، اس کے اشتعال کو مزید بڑھادیتا ہے اور وہ فوراً بات کا رخ کسی اور جانب پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو کسی حیلے بہانے سے اٹھ کر چلا جاتا ہے، لیکن اٹھ کر چلے جانے کی صورت میں بھی محسود کے لئے ادا کیے گئے تعریفی جملے، اس کے ذہن میں گردش کرکے جلن کڑھن میں مزید اضافے کا سبب بنتے رہتے ہیں اور اگر بے تکلف دوست وراز دار بیٹھے ہوں اور اس کی محسود کی دشمنی ونفرت پر آگاہ بھی ہوں، تو اب بالکل صاف الفاظ میں سامنے والوں کو خاموش کرواکر اظہارِ نفرت میں بالکل عار محسوس نہیں کرتا۔

اللہ ﷻ کی ذاتِ پاک سے امید قوی ہے کہ اسباب وعلاماتِ حسد کا

بغور مطالعہ فرمانے کی برکت سے اپنے باطن میں اس گندگی کی موجودگی اورعدم موجودگی کا اندازہ بلکہ یقین کامل حاصل کرلینا، سمجھ دار و سعادت مند مسلمان بھائیوں بہنوں کے لئے قطعاً دشوار نہ رہے گا، مزید یقین وشعور کے حصول کے لئے بغرض ذاتی محاسبہ درج ذیل سوالات کے جوابات حاصل کرلینا بے حد مفید رہے گا۔

﴿1﴾ آپ کے رشتہ داروں، محلے والوں، دوست احباب اور دیگر قریب رہنے والے حضرات میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ جس سے اس کی عزت وشہرت یا کمالات وفضائل کی وجہ سے ہاتھ ملانے اور اسکی طرف مسکرا کر دیکھنے کو بالکل دل نہیں کرتا، بلکہ اسے دیکھتے ہی دل میں نفرت وکراہیت کے جذبات نمایاں ہو جاتے ہیں اور اگر ملنا بھی پڑے، تو اوپری دل کے ساتھ ملتے ہیں؟....

﴿2﴾ ان مذکورہ اشخاص میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ جس کی کسی نعمت کے زوال کے لئے آپ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں بددعائیں کرتے ہوں؟....

﴿3﴾ ان مذکورہ لوگوں میں سے کوئی ایسا تو نہیں کہ جس کی عزت وشہرت کے زوال کے لئے آپ اس کے رازوں اور عیبوں کی تلاش وجستجو میں مصروف رہتے ہوں اور میسر آجانے پر لوگوں میں عام کرنے میں ذرہ برابر سستی سے کام نہ لیتے ہوں؟....نیز اس کی غیبت چغلی کرنے اور سننے سے بے حد سکون حاصل ہوتا ہو؟....

﴿4﴾ ان میں سے کوئی ایسا تو نہیں کہ جب اسے کوئی دینی یا دنیوی نقصان پہنچتا ہے تو آپ کا دل بے حد مطمئن وخوش ہو جاتا ہے اور جب اسے کوئی دینی دنیوی راحت ملتی ہے تو رنجیدہ وملول؟.... بلکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر نفرتِ قلبی میں شدت پیدا ہو جاتی ہو؟....

﴾5﴿ آپ ان میں سے کسی کو نگاہِ حقارت سے دیکھتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کا مختلف انداز میں مذاق تو نہیں اڑاتے؟.....

﴾6﴿ کیا ان میں سے کسی کو، آپ کی مدد کی ضرورت ہو تو باوجودِ قدرت انکار تو نہیں کر دیتے؟.....نیز یہ خواہش تو نہیں ہوتی کہ دوسرے بھی اس کی مدد نہ کریں، بلکہ دیگر حضرات کو امداد سے روکنے کے لئے عملی کوشش تو شروع نہیں کر دیتے؟.....

﴾7﴿ موقع ملنے پر ان میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کرتے؟.....

﴾8﴿ کیا ان حضرات کی تعریف آپ کی زبان پر بلا تکلف جاری ہو جاتی ہے؟.....

ان کی تعریف سن کر فوراً بات کا رخ بدلنے کی کوشش تو نہیں کرتے؟.....

ان کی تعریف سن کر دل تنگی تو محسوس نہیں کرتا؟.....

دوسروں کو ان کی تعریف سے روک تو نہیں دیتے؟.....

لوگوں کے سامنے ان کے کمالات کو بیان کرنے سے جان بوجھ کر رک تو نہیں جاتے؟.....

جس طرح جسمانی مرض چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، نیا ہو یا پرانا، بہرحال تکلیف و نقصان کا باعث ہوتا ہے اور ہر مریض کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو، اس سے دائمی نجات حاصل کرلے، بعینہ اسی طرح باطنی امراض کی

موجودگی پر مطلع ہونے والے "روحانی بیمار" کو چاہیئے کہ اسے ہمیشہ کے لئے دور کرنے کی خاطر فوراً سے پیشتر عملی اقدامات شروع کردے۔ اگر ماقبل میں ذکر کردہ اسباب و علامات ومحاسبے پر غور وتفکر کے نتیجے میں کسی کو محسوس ہو کہ وہ بدبختی کی بناء پر حسد جیسی قبیح بیماری میں مبتلاء ہو چکا ہے تو اسے چاہیئے کہ علاج میں بالکل دیر نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ سستی وغفلت ودیر والا پرواہی، اس کے ایمان کی بربادی کا سبب بن جائے۔

چنانچہ اب اللہ ﷻ کی توفیق سے ذیل میں حسد وکینہ کا علاج بیان کیا جاتا ہے، مبتلائے حسد کو چاہیئے کہ اسے بھی دقتِ نظر سے ملاحظہ فرمائے اور عمل کی سعادت حاصل کر کے دنیوی واخروی ذلت ورسوائی سے بچنے کی کوشش کرے۔

علاج کے سلسلے میں درج ذیل امور کا اختیار کرنا حسد میں مبتلاء ہر عاقل وبالغ مسلمان مرد وعورت پر واجب وضروری ہے۔

(i) اللہ ﷻ کی بارگاہ میں بکثرت رو رو کر نجات کے لئے دعائیں مانگے۔

(ii) حسد کی مذکورہ تباہ کاریوں کو اکثر وبیشتر ذہن میں حاضر کرتا رہے، تاکہ اس کے دل میں اللہ ﷻ کی ناراضگی، ایمان ونیک اعمال کی بربادی، ایمان کے بگاڑ، جہنم میں دخول اور توفیقِ الٰہی سے محرومی کا خوفِ حقیقی پیدا ہو جائے، کیونکہ جب تک کسی بڑے نقصان کے حصول کا صحیح خوف واندیشہ دل میں موجود نہ ہو تو گناہ سے بچنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہو جاتا ہے۔

(iii) جب موت کا یقین کامل حاصل ہو جائے تو فطرتاً دل دنیا کی نعمتوں سے بے رغبت واچاٹ اور آخرت کی جانب مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی اصول

کو پیشِ نظر رکھ کر حاسد کو چاہیئے کہ کثرت کے ساتھ اپنی موت کو یاد کرتا رہے، ان شاء اللہ ﷻ کچھ ہی عرصے میں اس کی قلبی توجہ محسود کی نعمتوں سے ہٹ کر اخروی امور کی بہتری کی جانب مائل ہو جائے گی۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے، اس کے حسد اور خوشی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ (مسندِ امام احمد)

(iv) حاسد کے حسد میں مبتلاء ہونے کی بڑی وجہ "محسود کے پاس موجودہ نعمتوں کے باعث احساسِ کمتری کا شکار" ہونا ہے۔ یہ احساسِ کمتری اس وجہ سے پیدا ہوا کہ حاسد نے ایسے لوگوں پر نگاہ رکھی کہ جنہیں اللہ ﷻ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے مقابلے میں زائد نعمتوں سے نوازا ہے، اگر حاسد درج ذیل حدیثِ پاک میں بیان کردہ اصول پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل کرتا تو اس صورتِ حال کا کبھی بھی سامنا نہ کرنا پڑتا۔

رحمتِ عالم ﷺ کا فرمان ہے،

اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کی جانب دیکھا کرو (اس کے برعکس) اوپر کے درجے کے لوگوں کو مت دیکھو، اگر تم ایسا کرو گے، تو اللہ ﷻ کی کسی نعمت کو حقیر نہ جانو گے۔ (ابنِ ماجہ)

لھذا حاسد کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کا بکثرت مشاہدہ کرے کہ جنہیں اللہ ﷻ نے اپنے عدل و انصاف سے بے شمار نعمتوں اور صلاحیتوں سے محروم فرمایا ہے۔ نیز

اپنے سے زیادہ نعمتیں رکھنے والوں کی طرف سے توجہ ہٹانے کی بھرپور کوشش کرے، ان شاء اللہ ﷻ اس مشاہدۂ مسلسل کی برکت سے کچھ ہی دنوں میں نمایاں فرق بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

(۷) اپنے قلب میں مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی کا جذبہ بڑھائے، انشاء اللہ ﷻ بدخواہی سے نجات ملے گی۔ اس کے لئے درج ذیل فوائد پر غور مفید ہے۔

یہ انبیاء (علیہم السلام) کی سنت ہے۔ چنانچہ

قرآن عظیم میں نوح علیہ السلام کا یہ قول منقول ہے،

وَاَنْصَحُ لَکُمْ یعنی میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔ (اعراف۔62)

اور حضرت ہود علیہ السلام کا یہ قول بھی درج ہے،

وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ یعنی میں تمہارے لئے خیرخواہ اور امین ہوں۔ (اعراف۔68)

خیرخواہی، رسول کریم ﷺ کو بے حد محبوب تھی، لھذا آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس عمل کا وعدہ لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیرخواہی کی بیعت کی۔ (بخاری و مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں

ہوسکتا، جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری مسلم)

(vi) حاسد، حسد کے باعث اپنے دل میں محسود کی شدید نفرت موجود پاتا ہے اور یہ نفرت اس کے جذبۂ انتقام کو مزید بھڑکاتی رہتی ہے۔ لٰہذا اگر حسد سے چھٹکارہ مقصود ہو، تو ایسے اعمال کا اختیار کرنا بے حد ضروری ہے کہ جن کے باعث یہ نفرت، محبت میں تبدیل ہو جائے اور محسود تاہل نفرت کے بجائے محبوب محسوس ہونے لگے۔

جب یہ کیفیات حاصل ہوں گی، تو حسد سے نجات بھی ممکن ہو جائے گی، کیونکہ کوئی بھی اپنے محبوب سے نعمتوں کا زوال پسند نہیں کرتا۔ اس کے لئے درج ذیل اعمال کو اختیار کرنا بے حد مفید ثابت ہوگا۔

(1) محسود کو سلام میں پہل کرے، نیز چاہے دل کتنا ہی انکار کرے، نفس و شیطان کیسا ہی زور لگائیں، خود آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرے اور محلِ فتنہ نہ ہو تو گلے بھی لگائے۔ مزید یہ کہ اسے تحفے اور غائبانہ سلام بھجواتا رہے۔

حضرتِ عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کرو، اس سے کینہ جاتا رہتا ہے اور ایک دوسرے کو تحفہ بھیجو، آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی جاتی رہے گی۔ (مشکوۃ المصابیح)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہدیہ دو کہ اس سے حسد دور ہو جاتا ہے۔

(ترمذی)

(2) محسود کی جس نعمت کے باعث حسد پیدا ہو، اگر شرعی طور پر ممنوع نہ ہو تو اس کی ترقی کے لئے بکثرت دعا کرے۔ مثلاً

اس کے حسن وجمال سے حسد ہے تو اللہ ﷻ سے اس کے حسن وجمال میں برکت واضافے کی دعا مانگے۔

اگر اس کی عزت وشہرت سے حسد ہے تو دعا کرے کہ یارب کریم! فلاں کو مزید عزت وشہرت عطا فرما مخلوق کے قلب میں اس کی محبت میں اضافہ فرما اور اس کی عزت کو ہر آفت ونقص سے محفوظ فرما دے۔

وعلی ھذا القیاس اسی طرح اسکی نعمتوں کی ترقی کے لئے دعا گو رہنے کی کوشش کرے۔

(3) اپنی زبان کو اس کے عیوب ونقائص کے بیان کرنے سے سختی کے ساتھ روکے، بلکہ اگر کوئی تیسرا آدمی، اس کے سامنے محسود کی برائی کرنے کی کوشش کرے، تو ہرگز نہ سنے اور وہاں سے اٹھ جائے اور اگر اٹھنا ممکن نہ ہو تو محسود کی جانب سے دفاع کرے۔

(4) اگر محسود کو کوئی غم لاحق ہو، تو ضرور بہ ضرور تعزیت کرے۔ بیمار ہو، تو عیادت کرے۔ اس کے برعکس اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہو تو صدق دل سے مبارکباد پیش کرے اور حتی الامکان مختلف طریقوں سے اس کی خوشی میں شریک ہونے کی کوشش کرے۔

(5) اگر محسود کو اس کی مدد کی ضرورت ہو تو ممکن ہونے پر ضرور مدد کرے۔ اگر خود نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے کے ذریعے اس کی حاجت پوری کروائے۔ نیز محسود کے طلب کئے بغیر ہی، دینی یا دنیوی لحاظ سے جتنا فائدہ پہنچا سکتا ہے، پہنچائے۔

(6) جو اوصاف وکمالات، محسود کی ذات میں موجود ہوں، اپنے دوستوں یا رشتہ داروں کے سامنے اس کا اعتراف کرے۔ نیز بکثرت اس کی جائز تعریف کرے اور اگر کوئی اس کے سامنے محسود کی تعریف کردے تو خوش دلی سے سنے اور صحیح بیان کردہ تعریف وفضائل کا اقرار کرے۔

آخر میں گزارش ہے کہ حسد کے سلسلے میں یہ پہلو بھی ضرور پیش نظر رہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ بذاتِ خود اللہ ﷻ کی نعمتوں سے مالامال ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان آپ سے حسد میں مبتلا ہو چکا ہو، کیونکہ

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے،

كُلُّ ذِىْ نِعْمَةٍ مَحْسُوْدٌ۔ یعنی ہر ذی نعمت حسد کیا جاتا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین)

اور اس کی یہ قلبی کیفیات، ظاہری علامات کے ذریعے آپ پر منکشف بھی ہو چکی ہوں۔ تو ایسی صورت میں بحیثیتِ مسلمان ہمیں چاہیئے کہ رسول کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ اپناتے ہوئے، اس شخص سے نفرت نہ کریں، نہ ہی قلب میں کسی قسم کی انتقامی کاروائی کا ارادہ پیدا ہونا چاہیئے۔ بلکہ اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر ایسی تدبیر عمل میں لائیں کہ جس کی بناء پر سامنے والے کے لئے اس آفت سے چھٹکارا پانا جلد از جلد ممکن

ہو سکے۔

چنانچہ اگر آپ، اپنے خاندان ومحلّہ وآفس واسکول وکالج ویونیورسٹی و دارالعلوم وغیرہ میں کسی کے بارے میں بذاتِ خود محسوس کریں۔ یا کوئی قابل اعتماد دوست، رشتہ دار اطلاع دے کہ فلاں آپ سے حسد میں مبتلاء ہو چکا ہے تو چاہیئے کہ درج ذیل اعمال اختیار کرنے میں بالکل دیر نہ کریں۔

- اسے سلام میں پہل کریں۔ نیز وقتاً فوقتاً کسی کے ذریعے بھی سلام بھجواتے رہیں۔
- حاسد چاہے کتنا ہی بچنے کی کوشش کرے، خود بڑھ کر مصافحہ کریں۔ اگر عید وغیرہ کا موقع ہو تو گلے ملنے میں بھی پہل کرنے کی کوشش کریں۔
- کبھی کبھار سلام کے ساتھ ساتھ کوئی تحفہ بھی بھیجا کریں۔
- اس مرضِ ناہنجار سے نجات کی خاطر، اس کے لئے پرخلوص دعائیں کریں۔
- جو فضائل وکمالات، حاسد کی ذات میں موجود پائیں، ان کے لئے دیگر رشتہ داروں یا دوست احباب کے سامنے تعریفی جملے بیان کیا کیجئے تاکہ جب اس کی اطلاع حاسد کو پہنچے تو اس کے قلب میں آپ کی محبت بیدار ہو اور یہ محبت حسد میں کمی کا سبب بن جائے۔
- اگر حاسد کی جانب سے کسی زیادتی کی خبر سنیں تو اس کے جواب میں بدلے کی سوچ بالکل فناء کر دیں، بلکہ سنتِ نبوی کے مطابق حتی الامکان اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہی کوشش کریں۔

خاص طور پر مطلع کرنے والے شخص کے سامنے حاسد کے لئے خوب دعائیں کریں، نیز اسی شخص کے ذریعے، حاسد کو کوئی تحفہ بھیجیں، ان شاء اللہ ﷻ اس کی برکات، اطلاع لانے والے اور حاسد، دونوں پر بخوبی ظاہر ہوں گی۔

- کبھی اس کو مدد کی ضرورت پڑے، تو براہ راست یا کسی کے ذریعے اس کی حاجت پوری کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔
- اس کو کوئی خوشی پہنچے، تو مبارکباد ضرور دیں اور کوئی غم لاحق ہو، تو اظہار ہمدردی کو لازم جانیں۔

اور یہ آخری عرض بھی ضرور پیش نظر رہے کہ اگر کوئی حاسد، تمام تر تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اس گناہ سے خود کو دور رکھنے میں ناکام رہے، تو اللہ ﷻ کی رحمت سے امید ہے کہ بروزِ قیامت اس کا مواخذہ نہ کیا جائے گا، کیوں کہ اس پر تدابیر کا اختیار کرنا فرض تھا، جو اس نے پورا کیا، اب اگر حسد دور نہیں ہوتا، تو یہ اس کے بس سے باہر ہونے کی علامت ہے اور جو چیز طاقت وقدرت سے باہر ہو، اللہ ﷻ نے انسان کو اس کا مکلف نہیں بنایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے،

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا یعنی اللہ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ آزمائش میں مبتلا فرماتا ہی نہیں۔ (بقرہ۔286)

اور امام غزالی (قدس سرہ) ارشاد فرماتے ہیں،

اگر حاسد، اپنی طبیعت کے تقاضے کے مطابق محسود کی برائی چاہے، لیکن اس

برا چاہنے کو اس کی عقل برا سمجھے اور اسے اپنے اوپر غصہ آئے اور وہ اس بات کا کوئی طریقہ و بہانہ تلاش کرے کہ جس کے باعث، یہ خواہش دل سے جاتی رہے (لیکن اس کے باوجود یہ خواہش دور نہ ہو) تو حسد کی یہ قسم یقیناً ''معاف'' ہے، اس لئے کہ انسان کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ (احیاء العلوم)

لیکن اس مواخذے سے محفوظ رہنے کی اطلاع دینے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ احتیاطی تدابیر کو ترک کر دیا جائے، بلکہ اس صورت میں بھی بطور علاج، بیان کردہ امور پر عمل کرنا فرض رہے گا، چاہے نتیجہ حسب توقع آئے یا نہ آئے۔ لہذا حاسد ہر ممکن کوشش جاری رکھے اور اللہ ﷻ سے توبہ و استغفار و امداد طلب کرتا رہے۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان کو حسد کی اس لعنت سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

تکبر کا بیان

باطنی گناہوں میں دوسرا بڑا گناہ تکبر ہے۔ زمین پر سب سے پہلا گناہ حسد تھا جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا گیا، لیکن اگر تمام گناہوں میں سے سب سے پہلا ہونے والا گناہ معلوم کیا جائے تو یقیناً بطور جواب، اسی گناہ کو ذکر کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اللہ ﷻ نے تمام فرشتوں کو بمع ابلیس، آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، تو یہی گناہ ابلیس اور سجدے کی راہ میں رکاوٹ اور اس کے کفر میں مبتلاء ہونے کا سبب بن گیا تھا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا،

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ۫ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۝ اس نے انکار کیا، تکبر کیا اور کفر کرنے والوں میں سے ہو گیا۔ (البقرہ۔34)

یہاں اس بات کا ذکر بہتر محسوس ہوتا ہے کہ شیطان ابتداء ہی سے سرکش و نافرمان نہ تھا، بلکہ یہ بہت بڑا عبادت گزار اور کثیر علوم کا حامل تھا۔ نیز اسے علمی حوالے سے فرشتوں پر فضیلت حاصل تھی، جس کی بناء اسے "معلم الملکوت" کہا جاتا تھا۔

چنانچہ غور طلب بات یہ ہے کہ جب گناہِ تکبر نے اس جیسے عبادت گزار کو ہلاک و برباد کر دیا، تو ہم جیسے عام لوگوں کے لئے کہ جن کی علمی قابلیت، انتہائی ناقص اور معاملہ عبادت قطعاً نا قابل اعتبار ہے، اس گناہ کی معرفت حاصل نہ کرنے اور بعد معرفت، علمی و عملی علاج سے بے پرواہ ہونے کی بناء پر ایمان کی حفاظت

کیونکر ممکن ہو سکے گی؟....

لیکن مندرجہ بالا کلام سے یہ ثابت کرنا ہرگز مقصود نہیں کہ جو گناہ تکبر کی معرفت وعلاج کی جانب سے غافل ہے، وہ ضرور ایمان سے ہاتھ سے دھو بیٹھے گا۔ بلکہ مقصد فقط اس گناہ کی قباحت سمجھانا اور اس کے ذریعے سے معرض وجود میں آنے والی ایک متوقع وجہ ہلاکت کو بیان کرنا ہے۔

لھذا سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے خود سے دور رکھا جائے اور اپنی ذات میں موجودگی کے احساس کی صورت میں اسے خود سے دور کرنے میں ہرگز دیر نہ کی جائے۔

اور ان دونوں امور کے لئے درج ذیل بیان کا سمجھنا اور پھر ذاتی محاسبہ اور علاج اختیار کرنا لازم ہے۔

حسد کی مثل یہاں بھی ہماری ترتیب درج ذیل ہوگی۔

(1) تکبر کی تعریف۔ (2) تکبر اور غرور میں باہم فرق۔

(3) اس کی مذمت پر قرآن وحدیث اور عقل سے دلائل

(4) مذمت کی وجوہات۔ (5) اس کی اقسام اور ہر قسم کا حکم۔

(6) اس کی علامات۔ (7) محاسبہ۔

(8) اس کا علاج۔ (9) اس کے اسباب۔

(10) تکبر کے سلسلے میں اپنا امتحان۔

آیئے اب مذکورہ ترتیب کے مطابق اس گناہ عظیم کے بارے میں بالتفصیل گفتگو کی جائے۔

تکبر کی شرعی تعریف کرتے ہوئے، امام راغب اصفہانی (رحمہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں،

یَرَی الْاِنْسَانُ نَفْسَہٗ اَکْبَرَمِنْ غَیْرِہٖ ۔یعنی انسان خود کو دوسروں سے افضل گمان کرے۔ (مفردات امام راغب۔697)

تعریف پر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ تکبر دراصل دو امور کے اجتماع کا نام ہے۔

(i) خود کو افضل گمان کرنا۔ (ii) دوسروں کو حقیر جاننا۔

اگر فقط خود کو افضل جانا جائے، مقابلے میں کسی کو حقیر سمجھنا نہ ہو تو یہ تکبر نہیں بلکہ اسے اردو میں خود پسندی اور عربی میں عُجب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور اس کے بارے میں، اسی کتاب میں علیحدہ مستقل کلام ہوگا۔

نیز یاد رکھیں کہ جس کے قلب میں تکبر پایا جائے، اسے ''**مُتَکَبِّر**'' کہتے ہیں۔

آپ نے ایک لفظ غرور بھی سنا ہوگا۔عموماً اسے بھی تکبر کے معنی میں ہی سمجھا جاتا ہے، اسی لئے اکثر تکبر کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے غرور و تکبر کہا جاتا ہے۔حالانکہ غرور کا مطلب، دھوکے میں مبتلاء ہونا ہے اور جو شخص دھوکے میں گرفتار ہو، اسے ''**مَغْرُوْر**'' کہا جاتا ہے۔چنانچہ اس لفظ کو ہر اس شخص کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، جو کسی بھی لحاظ سے دھوکے میں مبتلاء ہو چکا ہو، اب چاہے وہ شیطان و نفس کی جانب سے بہکائے میں آکر دھوکے میں مبتلاء ہونا ہو یا کاروبار وغیرہ میں کسی

کی طرف سے، ہر صورت میں اسے مغرور کہا جا سکتا ہے۔

جو گناہ، ایمان کی ہلاکت کا سبب بنے، یقیناً قابل نفرت اور لائق ملامت ہے۔ تکبر کے بارے میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو اکثر وبیشتر سوائے مذمت کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ درج ذیل آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے،

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ۝ یعنی بے شک وہ متکبرین کو پسند نہیں فرماتا۔ (النحل۔23)

مزید ارشاد فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ؑ یعنی بے شک جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (غافر۔60)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، کیا میں تمہیں دوزخی لوگوں کے بارے میں نہ

بتاؤں؟.... ہر سرکش، بدخلق اور تکبر کرنے والا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتا ہے، اللہ ﷻ قیامت کے روز اس کی جانب نظر رحمت نہ فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ﷜ ہی سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص ایسے ہیں کہ بروز قیامت، اللہ ﷻ نہ ان سے کلام فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، نہ ہی ان کی جانب نگاہ رحمت ہوگی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(i) بوڑھا زانی،

(ii) جھوٹا بادشاہ، اور

(iii) متکبر فقیر۔

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ فرماتا ہے، بڑائی میری تہبند اور کبریائی میری چادر ہے۔ پس جو شخص ان دو چیزوں میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔ (مسلم)

نیز اگر دلائل شرعیہ سے قطع نظر، فقط عقلی لحاظ سے بھی غور کیا جائے، تو ہر ذی شعور بخوبی فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس بری عادت کا کسی کی ذات میں ہونا انتہائی

نامناسب اور ہر لحاظ سے نقصان محرومی کا باعث ہے۔ جیسا کہ درج ذیل نقصانات سے بآسانی جانا جا سکتا ہے۔

- متکبر شخص، نصیحت قبول کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ نصیحت قبول کرنے کا مطلب سامنے والے کی فوقیت اور اپنی ذات میں کسی نہ کسی کوتاہی کو تسلیم کرنا ہے، حالانکہ متکبر کے لئے خود پر کسی کی فوقیت کو تسلیم کرنا اور اپنی ذات کو عیب دار تصور کرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی ذات عیوب ونقائص کا مجموعہ بنتی چلی جاتی ہے اور بالآخر بے شمار دینی ودنیوی نقصانات میں گرفتار ہونے کی بناء پر ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ تکبر عام لوگوں میں عموماً اور کسی بھی لحاظ سے شہرت پا جانے والے حضرات میں خصوصاً ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

- ایسا شخص خود کو بے حد ذہین گمان کرتا ہے، لامحالہ کسی سے مشورہ لینا، اپنی شان کے خلاف سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

اب یقیناً انسان کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو مختلف معاملات کے ہر ہر مثبت و منفی پہلوؤں پر نگاہ رکھنا، ایک مشکل ترین امر ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے کہ ذاتی طور پر کیے ہوئے کچھ فیصلوں کے درست ومتوقع نتیجے حاصل ہونے پر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ آئندہ بھی ہر فیصلہ بالکل سو فیصد درست اور نقصانات سے بالکل خالی نتیجہ فراہم کرے گا۔ لیکن بہت جلد یہ خیال فقط ایک خواب ثابت ہوتا ہے،

چنانچہ یہی حد سے بڑھی ہوئی خوداعتمادی بعض فیصلے ایسے بھی کروادیتی ہے، جس کے بعد سوائے ذلت ورسوائی کے کچھ اور ہاتھ نہیں آتا۔ اس تکبر کی جھلک عموماً رہنما و لیڈر حضرات میں زیادہ نظر آتی ہے۔

ایسا شخص اپنی رائے کو آخری، حتمی اور ہر لحاظ سے کامل و اکمل تصور کرتا ہے، جب کہ دوسرے کی بہترین سے بہترین رائے بھی نقائص وعیوب کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اس کی پیش کردہ رائے کو رد کر دے تو اسے اپنے لئے بہت بڑی ذلت تصور کر کے انتقامی کاروائیوں پر اتر آتا ہے۔ اس کا نقصان یہ سامنے آتا ہے کہ لوگ اس کی یہ عادت جان لینے کے بعد اس کی رائے کی کمزوری ظاہر کرنا چھوڑ دیتے ہیں، ہاں میں ہاں ملائی جاتی ہے اور یوں ایسا شخص دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہوتا ہے، لیکن لوگوں کی نگاہ میں اس کی وہ عزت واہمیت قائم نہیں رہ پاتی، جو ایک صائب رائے رکھنے والے کی ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں لوگوں کی زبانوں سے مثبت نہیں، بلکہ منفی جذبات پر مشتمل الفاظ ہی نکلتے ہیں۔

اس کا ایک نقصان لوگوں کی باربار دل آزاری کی صورت میں بھی نکلتا ہے۔ کیونکہ متکبر بات بات پر دوسروں کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کی نامناسب عادت میں سختی سے مبتلاء ہوتا ہے۔ وہ عام بات بھی کرتا ہے تو سخت لہجے میں، چنانچہ اس کے اطراف میں رہنے والے، چاہے اس کے ماتحت ہوں یا گھر والے، قلبی رنج وکوفت میں باربار مبتلاء ہوتے رہتے ہیں اور یوں اس کا نامہ اعمال گناہوں سے لبریز ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسی طرح متکبرین میں دوسروں کے مذاق اڑانے کی عادت بھی بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور شرعاً یہ بھی ممنوع اور باعثِ گناہ ہے۔

ذکر کردہ بری عادتوں کے باعث متکبر، لوگوں کے قلوب سے اپنی محبت نکلوا بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی شکل دیکھتے ہی، اپنے دلوں میں ناگواری محسوس کرتے ہیں، اب یہ الگ معاملہ ہے کہ مختلف مصلحتوں کی بناء پر چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہوتے دیتے۔ اس کا مزید نقصان یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کبھی اس پر برا وقت پڑ جائے تو اس کی مدد کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز یا فلاں فیصلے سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے مشورہ نہیں دیا جاتا، تاکہ اس کی بے چارگی سے حظِ نفس حاصل کیا جائے۔ گویا کہ تکبر، انسان کو دوسروں کی جانب سے اظہارِ ہمدردی سے بھی محروم کروادیتا ہے۔

جب تکبر مکمل طور پر قلبِ انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، تو احتیاط پسندی بالکل ختم ہو جاتی ہے یعنی متکبر انسان ہر ایک کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ لامحالہ قیمتی اور بوقتِ ضرورت انتہائی کام آنے والے مخلص دوست بھی اس لپیٹ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جب ہر طرح وفاداری کا ثبوت دینے والا، اپنے ساتھ یہ نامناسب رویہ دیکھتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور آخر کار وہ دور ہونے ہی میں عافیت محسوس کرتا ہے اور یوں متکبر، ان بیش قیمت دوستوں کی قیمتی آراء اور صحبت سے محروم ہو کر خوشامدی، مطلبی اور فقط اپنے ذاتی مفادات سے محبت رکھنے والوں کے گھیرے میں آ کر سب کچھ برباد کر بیٹھتا ہے۔

تکبر کا ایک نقصان، زبان سے کلماتِ کفر کے جاری ہونے کی صورت میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، جن میں سے ایک بہت بڑی وجہ، وصفِ تکبر کی بناء پر، کسی کی جانب سے ناصحانہ کلمات کو سخت ناپسند کرنا بھی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات کسی کی جانب سے قرآن وحدیث کی تعلیمات سے مزین بات کو صرف اس وجہ سے سختی سے رد، بلکہ معاذ اللہ غلط بھی ثابت کردیا جاتا ہے، جس کا تسلیم کرلینا، متکبر کی رائے یا عمل کو غلط ثابت کرتا اور اس کے متبعین یا ماتحتین کے سامنے بظاہر اس کی ذلت کا سبب بن رہا ہوتا ہے۔

جب انسان مسلسل تکبر میں مبتلا رہے، تو اس وصفِ فاسد میں کمی کے بجائے روز بروز ترقی ہی دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ پہلے عام لوگوں کے مقابلے میں اظہارِ تکبر دیکھا جاتا تھا، لیکن جب اس مرض کو دور کرنے کے لئے کوئی عملی کوشش نہ کی گئی، تو آہستہ آہستہ اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ، فرشتوں اور احکاماتِ الٰہیہ کے مقابلے میں بھی اس کا اظہار ہونے لگا اور یوں پہلے گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرا تھا اور اب بات کفر وبدعت تک پہنچ جاتی ہے۔

یہی تکبر، بڑوں سے بدتمیزی کے ارتکاب کی راہ بھی ہموار کردیتا ہے اور یہ عمل اللہ ﷻ کو سخت ناپسندیدہ ہے۔

بخوبی دیکھا جاسکتا ہے ہے کہ جس کے دل کو تکبر مکمل طور پر اپنے قبضے میں لے لے، وہ کبھی اپنے ماں باپ، کبھی اساتذہ اور کبھی علمائے دین سے سختی اور

نامناسب کلمات کے ساتھ کلام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

تکبر کی مذمت سے متعلقہ قرآن وحدیث کا حکم جاننے کے بعد، بارگاہِ رب العزت میں اس کے ناپسندیدہ ہونے کی وجوہات جاننا بھی بے حد مفید ثابت ہوگا۔ چنانچہ

جب تکبر کی مذمت اور اس کی وجوہات جان لی گئیں تو یقیناً یہ فیصلہ کرنا بالکل دشوار محسوس نہ ہوگا کہ اس موذی مرض سے محفوظ رہنا، نیز قلب میں موجودگی کی صورت میں اسے خود سے دور کرنا، بے حد ضروری ہے۔

اس کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہئے، اس کے بیان سے قبل تکبر کی اقسام اور ان میں سے ہر قسم کا حکم ذکر کرنا مناسب محسوس ہوتا ہے، تا کہ اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ اس مرض میں مبتلاء ہو تو اس کی قسم کے تعین اور پھر اس کا حکم جان کر توبہ کی توفیق حاصل کر سکے۔ چنانچہ

تکبر کی کم از کم نو (9) اقسام ہیں۔

﴿1﴾ اللہ عزوجل کے مقابلے میں تکبر۔

یعنی معاذ اللہ، اللہ عزوجل کو خود سے حقیر وکمتر اور خود کو اس سے برتر گمان کرنا۔

اس تکبر کا ارتکاب فرعون سے ہوا تھا۔ قرآن عظیم میں اس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے،

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿ۖ﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿ؕ﴾

یعنی میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں، تو اللہ نے اسے دنیا وآخرت

دونوں کے عذاب میں پکڑ لیا۔ (نازعات۔24)

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم کفر میں شامل ہے۔

﴿2﴾ اللہ کی آیات کے ساتھ تکبر۔

یعنی اللہ ﷻ کی آیات میں موجود احکامات وتعلیمات کو حقیر وکمتر گمان کرنا اور اسی حقارت کے پیش نظر، خود کو ان کی پابندیوں سے آزاد تصور کرنا یعنی معاذ اللہ یوں گمان کرنا کہ یہ آیات اس قابل نہیں کہ میں ان میں موجود احکام کی پابندی کروں۔

یہ تکبر موجودہ دور کے ماڈرن، دنیاوی علوم سے مزین اور مغربی تہذیب سے ضرورت سے زیادہ متاثر افراد میں اکثر پایا جاتا ہے۔

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم بھی کفر میں داخل ہے۔

لیکن یہاں دو چیزیں ضرور پیش نظر رہنی چاہئیں۔

ایک یہ کہ انسان کبھی بے عملی کا شکار ضرور ہوتا ہے، لیکن یہ بے عملی آیات کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ہوتی ہے یعنی نفس وشیطان کے بہکائے میں آکر گناہوں اور بے عملی کا ارتکاب ضرور ہوتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ آیات باعظمت، انتہائی اہمیت کی حامل اور ہر لحاظ سے قابل عمل ہیں۔

اور دوسری یہ کہ انسان کی بے عملی اور دینی پابندیوں سے راہ فرار کی وجہ، نفس وشیطان کی کارفرمائیوں کے ساتھ ساتھ اس بناء پر بھی ہوتی ہے کہ وہ ان آیات

کو نا قابل عمل، حقیر اور دقیانوسی و بیکار گمان کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی صورت کا نتیجہ گناہ کبیرہ اور دوسری کا کفر ہے۔

﴿3﴾ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تکبر۔

یعنی اللہ عزوجل کے نبیوں کو حقیر و کمتر اور خود کو ان سے بزرگ و برتر تصور کرنا۔

جیسے سابقہ اقوام انبیاء علیہم السلام سے متعلق تحقیری کلام کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں مذکور ہے،

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ۚ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۔یعنی پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سند کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر) غلبہ پائے ہوئے تھے۔ تو بولے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟.... حالانکہ ان کی قوم ہماری خدمت کر رہی ہے۔ پس انہیں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک کیے ہوئے لوگوں میں ہو گئے۔ (مومنون۔48)

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم بھی کفر میں داخل ہے۔

﴿4﴾ خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کے ساتھ تکبر۔

اس تکبر کا اظہار کفار و مشرکین کے ان سرداروں سے ہوا تھا، جو رسول کریم ﷺ کے زمانے میں پائے جاتے تھے۔ مثلاً ابوجہل و ابولھب وغیرھا۔

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم بھی کفر میں داخل ہے۔

﴾5﴿ آپ کے طریقوں کے مقابلے میں تکبر۔

یعنی رسول کریم ﷺ کی عادات واطوار و اخلاق کریمانہ کو نگاہ حقارت سے دیکھنا یا زبان سے ان کے بارے میں نازیبا کلمات نکالنا بھی تکبر کے باعث ہی ہوتا ہے۔

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم بعض صورتوں میں باعثِ گناہ اور کچھ صورتوں میں کفر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت کونین ﷺ کو اللہ ﷻ کی جانب سے جو بھی طریقے اور عادات عطا کی گئیں، یقیناً اللہ ﷻ کو محبوب اور اس کی بارگاہ میں محبوب بننے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں۔ اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کی عادات واطوار و اخلاق کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ یعنی بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہتر ہے۔ (احزاب۔21)

اب اگر کوئی آپ سے متعلق کسی بھی شے کو نگاہِ حقارت سے دیکھتا ہے، تو گویا وہ اللہ ﷻ کی پسندیدہ شے کو حقیر جان رہا ہے اور یہ امر یقیناً قابل گرفت

ہے۔بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہمارے کسی عمل کے بارے میں منفی رائے کا اظہار کرے،تو ہمیں اس کی یہ رائے سخت ناپسند محسوس ہوتی ہے،چاہے وہ صحیح ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو۔

چنانچہ اگر صرف سستی و دوست احباب کی مروت کی بناء پر عمل کی سعادت سے دور رہا جاتا،تو معاملہ اتنا سخت نہ تھا،لیکن جب کوئی مسلمان بے عملی کے ساتھ،ان عادات واطوار کو بیکار،حقیر اور ناقابل عمل سمجھے اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرے،تو اب ضرور قابل گرفت ہے اور اس کا یہ عمل اس کے ایمان کی بربادی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم بھی بعض صورتوں میں باعث ِ گناہ اور کچھ صورتوں میں کفر ہے۔

﴿6﴾ صحابہ کرام ، اولیائے عظام (رحمہم اللہ)، علمائے اسلام، ماں باپ، استاد اور دیگر عام مؤمنین کے ساتھ تکبر۔

یعنی ان نفوس قدسیہ اور مسلمانوں میں سے کسی کو عمل،قول یا دیگر اسباب کی بناء پر حقیر وکمتر جاننا اور خود کو ان سے افضل وبرتر تصور کرنا۔

اس قسم کا حکم:۔

تکبر کی یہ قسم گمراہی میں شمار کی جاتی ہے اور ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

تکبر کی مذمت اور اقسام جاننے کے بعد کسی بھی ذی شعور مسلمان کو اس

بارے میں ہرگز پس وپیش نہیں ہونا چاہیئے کہ اس وصفِ قبیح کو اپنی ذات میں تلاش کرنے اور خود سے دور کرنے میں دیر قطعاً غیر مناسب ہے۔

اور اس بری صفت کو اپنی ذات میں تلاش کرنے کے لئے اس کی علامات کا معلوم ہونا، بہت ضروری ہے۔ لھذا اب تکبر کی علامات کا ذکر ہوگا۔

جب **تکبر، قلب کو** اپنی گرفت میں لے لے، تو درج ذیل **علامات** ظہور پزیر ہوتی ہیں۔

{i} متکبر شخص کسی سے **ملاقات** کے لئے خود چل کر جانا، باعثِ ذلت سمجھتا ہے۔ لھذا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا مجھ سے آکر ملے۔

یہ صرف اسی وقت کسی سے **ملاقات** کے لئے خود جانا پسند کرے گا کہ جب اسے کسی وجہ سے خود سے برتر گمان کرے یا کسی قسم کے دنیاوی نفع کا حصول یا نقصان کے بچنے کا ارادہ، اسے مجبور کردے۔

{ii} ایسا شخص سلام میں پہل نہ کرے گا، بلکہ خواہش رکھے گا کہ میں جہاں سے گزروں، جس بھی محفل میں جاؤں، دوسرے مجھے سلام میں پہل کریں۔

{iii} اس مرض میں مبتلاء شخص کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سخت ناپسند رکھے گا، چاہے کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ آجائے۔ ہاں کبھی کبھی مجبوری یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے دل پر جبر کر کے کھڑا ہو جائے تو الگ بات ہے۔

{iv} متکبر کسی سے مصافحہ کرنا بھی پسند نہیں رکھتا۔ اسے دوسروں کے ہاتھ اس قابل ہی نظر نہیں آتے کہ یہ انہیں اپنے ہاتھوں میں لے۔ چنانچہ اکثر فقط ہائے

ہیلو پر ہی اکتفاء کرے گا اور اگر بامر مجبوری ہاتھ ملانا پڑ بھی جائے، اس کے انداز سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی طبیعت پر یہ مصافحہ گراں گزر رہا ہے۔

ہاں جسے نگاہِ تکبر سے نہ دیکھے، اس سے مصافحہ اسی گرم جوشی سے کرے گا، جیسی کسی سے ملاقات کے وقت ظاہر ہونی چاہیئے۔

{v} اس کا رکھ رکھاؤ اس قسم کا ہوگا کہ جس میں عاجزی کا بالکل دخل نہ ہو۔ ہر چیز چاہے اٹھنا بیٹھنا ہو یا گفتگو کرنا، متکبرانہ انداز میں کرے گا۔ اس کی گفتگو اکثر اپنے فضائل وکمالات کے بیان پر مشتمل ہوگی۔

{vi} ایسا شخص کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کے باوجود، معافی مانگنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور نہ ہی کبھی اپنی غلطی تسلیم کرے گا۔

{vii} جب کسی سے گفتگو کرے گا، اکثر جھڑک کر کرے گا۔

{viii} اسے کسی کی نصیحت قبول کرنا یا کسی سے مشورہ لینا، انتہائی گراں گزرے گا، بلکہ بسا اوقات اسے اپنے باعثِ ذلت وعار تصور کرے گا۔

{ix} اگر کبھی پیدل چلنا پڑ جائے، جیسے جنازے وغیرھا میں تو کوشش کرے گا کہ دوسروں سے آگے آگے رہے کسی کے پیچھے چلنا ناپسند رکھے گا۔ ہاں اگر ساتھ چلنا پڑ ہی جائے تو ایسے لوگوں سے قریب رہے گا، جنہیں لباس وغیرھا کی وجہ سے اپنے برابر تصور کرے۔

{x} اس کے چہرے پر اکثر کرختگی نظر آئے گی مسکراہٹ بہت کم دکھائی دے گی۔

{xi} اگر جماعت سے نماز پڑھے گا تو صف میں ایسے لوگوں کے ساتھ

کھڑا ہونا پسند کرے گا کہ جنہیں اپنے ساتھ کھڑے ہونے کے قابل سمجھے گا۔غریب اور معمولی لباس والوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑ ہی جائے تو دل میں کراہت محسوس کرے گا اور فراغت کے ساتھ ہی فوراً علیحدہ ہو جائے گا۔

{xii} ایسا شخص ہر ایک سے بحث کر کے غالب آنے کی کوشش کرے گا۔ دوسرے کی درست بات کو غلط اور اپنی غلط بات کو بھی سب سے بہتر تصور کرے گا۔

{xiii} ایسا شخص ہمہ وقت دوسروں کا مشاہدہ کر کے اپنی برتری کے پہلو تلاش کرتا رہتا ہے۔اب اگر کسی بھی لحاظ سے برتری محسوس ہو جائے تو دل میں لذت واطمینان محسوس ہوتا ہے، جب کہ برعکس صورت میں شدید بے چینی میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

پھر اس بے چینی کے خاتمے کے لئے جائز یا ناجائز ہر قسم کا عمل اختیار کرنے میں بالکل جھجک محسوس نہیں کرتا۔

ان علامات کو جان لینے کے بعد، اس مرض سے نجات کے متمنی کے لئے اپنا دیانت دارانہ محاسبہ بے حد ضروری ہے، کیونکہ اگر شہر بھر میں کوئی مرض عام ہو جائے تو اپنی ذات میں اس کی موجودگی فقط اسی وقت جانی جاسکتی ہے کہ جب اس کی ظاہری علامات کو سنجیدگی سے تلاش کیا جائے۔

چنانچہ غور کیجئے کہ

✿ آپ اپنے رشتہ داروں، دوستوں یا محلے والوں میں سے کسی کے پاس خود چل کر جانے میں شرم وجھجک اور دل پر بوجھ تو محسوس نہیں کرتے؟....

ان میں سے کسی کے بارے میں یہ خواہش تو نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس چل کر آئے؟....

❁ کیا آپ اپنی زوجہ، بچوں، نوکروں اور دیگر ملاقات کرنے والے غریب لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں؟.....

کیا ان میں سے کسی کو سلام کرنا طبیعت پر بوجھ تو محسوس نہیں ہوتا؟....

❁ کیا دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا آپ کو برا محسوس ہوتا ہے؟.... چاہے وہ کوئی دینی ومذہبی باعمل شخصیت ہی کیوں نہ ہو؟.... کیا یہ عمل نفس پر بے حد دشوار محسوس ہوتا ہے؟....

کیا آپ جن لوگوں کی آمد پر کھڑا ہونا پسند کرتے ہیں، وہ صرف وہی لوگ ہیں کہ جن سے دنیوی فائدوں کا حصول مقصود ہے یا کھڑے نہ ہونے کی صورت میں کسی دنیوی نقصان کا شکار ہونا ممکن ہے؟....

❁ کیا آپ بوقتِ ملاقات بعض افراد سے فقط اس لئے ہاتھ نہیں ملاتے کہ وہ آپ کے نفس کو بے حد حقیر و کمتر محسوس ہو رہے ہوتے ہیں؟....

کیا مسجد میں نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد آپ بعض مخصوص لوگوں سے ہی ہاتھ ملانا پسند کرتے ہیں اور بعض کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں؟....

❁ کیا آپ کی چال، بیٹھنے کا انداز، دوسروں سے گفتگو کا طریقہ، دوسروں کی جانب دیکھنے کا انداز ایسا ہے کہ جس سے بڑا پن جھلکتا ہے؟....

کیا آپ کی اکثر گفتگو اپنے فضائل وکمالات اور سابقہ زندگی میں کئے گئے کارناموں پر مشتمل ہوتی ہے؟....

❁ کیا خود کو زیادتی کا مرتکب تسلیم کرنے کے باوجود، آپ معافی مانگنا ہرگز پسند نہیں کرتے؟۔۔۔اگر کبھی ضرورت پڑ بھی جائے تو لہجہ انتہائی روکھا اور حقیقی احساس جرم سے خالی ہوتا ہے؟۔۔۔

کیا آپ غلطی کرنے کے بعد کبھی اسے تسلیم نہیں کرتے؟۔۔۔

❁ کیا آپ ملاقات کرنے والوں سے سخت لہجے اور جھڑکنے والے انداز سے گفتگو کرتے ہیں؟۔۔۔

❁ کیا آپ کو کسی کی درست نصیحت قبول کرنا یا کسی سے مشورہ لینا، انتہائی گراں گزرتا ہے؟۔۔۔

کیا آپ اسے اپنے لئے باعثِ ذلت و عار تصور کرتے ہیں؟۔۔۔

❁ کیا کبھی پیدل چلتے ہوئے دوسروں سے آگے رہنے کی کوشش کرتے ہیں؟۔۔۔

اگر کبھی پیچھے رہ جائیں تو نفس حقارت محسوس کرنے لگتا ہے؟۔۔۔

❁ کیا آپ کے چہرے پر اکثر کرختگی نظر آتی ہے؟۔۔۔

❁ کیا جماعت سے نماز ادا کرتے وقت آپ اپنے دائیں بائیں، غریب اور معمولی لباس والوں کا کھڑا ہونا سخت ناپسند کرتے ہیں؟۔۔۔

کیا بامر مجبوری ایسا ہو جانے کی صورت میں دل نفرت و کراہت محسوس کرتا ہے اور فراغت کے ساتھ ہی فوراً علیحدہ ہو جاتے ہیں؟۔۔۔

❁ کیا آپ ہر ایک سے بحث کر کے غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں؟۔۔۔

دوسروں کی درست بات کو غلط اور اپنی غلط بات بھی سب سے بہتر محسوس ہوتی ہے؟....

❁ کیا آپ دوسروں کا مشاہدہ کر کے اپنی برتری کے پہلو تلاش کرنے کی عادت میں مبتلاء ہیں؟....

کیا آپ کا نفس، خود کو دوسروں سے برتر محسوس کر کے مطمئن، جب کہ برعکس صورت میں شدید بے چینی میں مبتلا تو نہیں ہو جاتا؟....

کیا آپ اس بے چینی کے خاتمے کے لئے جائز یا ناجائز ہر قسم کا عمل اختیار کرنے میں بالکل جھجک محسوس نہیں کرتے؟....

اللہ ﷻ کی عطا سے امید قوی ہے کہ دیانت دارانہ محاسبے کے نتیجے میں یقیناً معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہماری ذات میں تکبر کی علامات موجود ہیں یا نہیں؟....

لیکن یاد رکھئے کہ عموماً، فقط غور کرنے سے بہت سے معاملات کے بارے میں مکمل آگاہی ممکن نہیں لہذا کچھ عرصہ اپنی عادات واطوار کا مذکورہ محاسبے کی روشنی میں، گہری نظر سے مشاہدہ بھی کرنا ہوگا، تاکہ مکمل طور پر اپنی کیفیاتِ قلب پر اطلاع اور عیاریِ نفس کی پہچان، ممکن ہو سکے۔

اگر خدانخواستہ محسوس ہو کہ قلب اس گناہِ عظیم میں مشغول ہے اور اس کی ظاہری علامات آپ کی شخصیت کو داغدار کر رہی ہیں، تو فوراً علاج کی جانب توجہ کرنا لازم ہے۔

اور اگر بعدِ محاسبہ اس سے محفوظ رہنے کا یقین حاصل ہو، تو پھر بھی احتیاطاً

درج ذیل امور کا اختیار کیا جانا، غیر مفید ہرگز نہ ہوگا۔

علاج کے سلسلے میں یاد رکھئے کہ کسی بھی باطنی مرض کا علاج دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

ایک علمی، جسے آپ نفسیاتی یا ذہنی علاج بھی کہہ سکتے ہیں۔

دوسرا عملی، جسے پریکٹکل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ہم بالترتیب ان دونوں طریقوں کو ذکر کریں گے۔

علمی علاج کے سلسلے میں سب سے پہلے اپنی ذات میں موجود تکبر کا سبب جاننے اور پھر اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ جب تک مرض کا سبب موجود ہو، عموماً کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔

چنانچہ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ عموماً درج ذیل اشیاء ہی تکبر کا سبب بنتی ہیں۔

﴿1﴾ علم، چاہے دینی ہو یا دنیاوی۔

﴿2﴾ عمل۔ جیسے ظاہر کو سنت کے مطابق کر لینا، عبادات کے ارتکاب اور گناہوں سے دور رہنے پر استقامت، تہجد و چاشت اشراق وغیرھا نوافل کی کثرت۔

﴿3﴾ حسن وجمال۔ جیسے جسم یا چہرے کا خوبصورت، قد کا مناسب اور رنگت کا گورا ہونا۔

﴿4﴾ مال و دولت۔

﴿5﴾ خاندانی وجاہت یعنی کسی اعلیٰ خاندان سے تعلق۔

﴿6﴾ لباس۔

﴿7﴾ ذہانت۔

علمی تکبر کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان بار بار سوچے کہ اگر میں اس وصف کی بناء پر دوسروں کو حقیر و کمتر گمان کروں گا تو خدانخواستہ میرا انجام بھی شیطان کی مثل ہوسکتا ہے۔کیونکہ جب اللہ ﷻ نے فرشتوں اور شیطان کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو اس نے انکار کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ تو نے مجھے آگ سے، جب کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔اور چونکہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے لھذا میں آدم سے افضل ہوں اور افضل، اپنے سے کمتر کو سجدہ نہیں کرتا۔

یقیناً غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر اس کے دل میں علمی تکبر نہ ہوتا تو کبھی اس قسم کی دلیل پیش کرنے کی حماقت نہ کرتا۔اس کے جواب میں اللہ ﷻ نے اسے کافر قرار دے کر ہمیشہ کے لئے مردود فرمادیا۔

نیز غور کیا جائے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کس علمی مقام پر فائز تھے، اس کے باوجود ان کی ذواتِ قدسیہ میں تکبر کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

کسی غریب و کم علم کو جھڑکنا، اس کے ساتھ سخت لہجے میں گفتگو کرنا، اسے بار بار اس کی کم علمی کا احساس دلا کر ذلیل کرنا، اس سے ملنے سے انکار کرنا، اس کو عزت نہ دینا، اسے جانور کی مثل سمجھنا وغیرھا میں سے کوئی بھی قابل اعتراض چیز، ان بزرگوں کی پوری زندگی میں نظر نہیں آتی۔

لھذا دنیا میں لوگوں کی زبان سے نازیبا کلمات کا نشانہ بننے اور آخرت کی

شرمندگی ورسوائی سے محفوظ رہنے کے لئے تکبر سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

صاحبِ علم حضرات، اس تکبر کی موجودگی کا اندازہ کرنے کے لئے محاسبے کی غرض سے پیچھے ذکر کردہ سوالات کے خود سے جوابات طلب کریں، اگر جوابات ہاں میں ہوں تو دل کو پاکیزہ کرنے میں دیر نہ کریں۔

عمل کی وجہ سے پیدا ہونے والے تکبر کو دور کرنے کے لئے ان عبادت گزاروں کے احوال پڑھیں کہ جنہیں تکبر نے نارِ جہنم کا مستحق بنا دیا۔ چنانچہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے، جو آپس میں بہت محبت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک عبادت گزار تھا جب کہ دوسرا گناہ گار مشہور تھا۔ ایک دن عابد نے اسے سمجھایا کہ جن کاموں میں تو پھنسا ہے ان سے باز آجا۔ دوسرے نے جواب دیا، میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑ دے۔

پھر کسی دن عابد نے اسے ایسا گناہ کرتے پایا، جسے اس نے بہت بڑا گمان کیا، چنانچہ اسے اس سے باز آنے کے لئے دوبارہ سمجھایا۔ لیکن دوسرے نے حسبِ سابق (جھنجھلا کر) جواب دیا، میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑ دے کیا تو میرا پہریدار مقرر ہوا ہے؟..... یہ سن کر عابد نے غصے میں کہا کہ اللہ عزوجل کی قسم! رب عزوجل نہ تو تجھے کبھی بخشے گا اور نہ جنت میں داخل کرے گا۔

اللہ عزوجل نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیجا، جس نے ان دونوں کی روح قبض کر لی۔ پھر ان دونوں کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر کیا گیا، تو اللہ عزوجل نے گناہ گار سے

فرمایا، تو میری جنت میں داخل ہو جا...اور...عابد سے فرمایا، کیا تو میرے بندے پر میری رحمت روکنے پر قادر ہو سکتا ہے؟...اس نے عرض کی، ہرگز نہیں۔.....پس اللہ عزوجل نے (فرشتوں کو) حکم فرمایا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

غور کیا جائے، تو اس عابد کی گرفت کا اصل سبب فقط اللہ عزوجل کی رحمت سے مایوس کرنا نہیں، بلکہ وہ تکبر بھی تھا، جس نے اسے اس قسم کا جملہ بولنے پر مجبور کیا۔

یونہی مروی ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار، بارگاہِ الٰہی میں اتنا قرب حاصل کر چکا تھا کہ جب وہ دھوپ میں عبادت کرتا، تو اللہ عزوجل کی جانب سے ایک بادل اس کے سر پر سایہ فگن ہو جاتا تھا۔

ایک دن وہ دھوپ میں عبادت کر رہا تھا، حسبِ معمول سر پر بادل موجود تھا۔ وہاں سے ایک بے حد گناہ گار شخص کا گزر ہوا۔ اس نے یہ منظر دیکھا، تو سوچا کہ اگر میں اس عبادت گزار کے پاس بیٹھ جاؤں، تو ہو سکتا ہے کہ اس کے قرب کی برکت سے اللہ عزوجل مجھے بھی بخش دے۔ چنانچہ وہ آیا اور عبادت گزار کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا قریب بیٹھنا عبادت گزار کو بے حد ناگوار گزرا اور اس نے غصے میں کہا، پرے ہٹ! تجھ جیسا بدکار میرے ساتھ بیٹھے گا؟...

اللہ عزوجل نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ ان دونوں سے جا کر کہہ دو کہ اپنے اعمال کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں، کیونکہ ہم نے عابد کے تکبر کی بناء پر اس کی تمام عبادات برباد فرما دیں، جب کہ گناہ گار کی عاجزی کی بناء پر اس کی

بخشش کردی گئی ہے۔ (احیاءعلوم الدین)

اس قسم کے واقعات کے مطالعے سے یقیناً یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ عبادت اسی وقت قابل نفع اور باعث نجات ہے کہ جب تکبر سے خالی ہو۔تکبر کی موجودگی، تمام تر محنت کو ضائع اور اللہ ﷻ کی ناراضگی کو لازم کروادیتی ہے۔

عمل کی دولت پانے والے حضرات بھی محاسبے کی غرض سے پیچھے ذکر کردہ سوالات کے جوابات طلب کریں، اگر جوابات ہاں میں ہوں تو دل کو پاکیزہ کرنے میں دیر نہ کریں۔نیز آگے ذکر کردہ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا گہری نظر سے مطالعہ بھی اس سلسلے میں بے حد معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

حسن وجمال کی بناء پر تکبر میں گرفتار خواتین وحضرات کو سوچنا چاہیئے کہ ایک ایسی چیز پر اپنے بڑے پن اور کمال کی بنیاد رکھنا کہ جو کسی بھی وقت چھن سکتی ہے، ہرگز مناسب نہیں۔

ایسے حضرات کو چاہیئے کہ کبھی کبھی اسپتال جاکر ان لوگوں کو بغور دیکھیں کہ جو کبھی بے حد حسین ہوا کرتے تھے، لیکن ناگہانی آفات نے انہیں جسم وچہرے کے حسن سے محروم کروادیا اور اب وہ اس حال میں ہیں کہ جو انہیں دیکھتا ہے نفرت سے چہرہ پھیر لیتا ہے۔

نیز کبھی کبھی قبرستان جائیں اور غور کریں کہ ان قبروں میں مدفون لوگوں میں بھی بہت سے حسین چہرے، خوبصورت بدن اور ظاہری جمال کی دولت سے مالا مال تھے، لیکن موت کا شکار ہو جانے کے بعد وہ تمام تکبر خاک میں مل گیا اور آج ان کا حال

پوچھنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ کل جو لوگ ان کے حسن وجمال کی تعریف کرتے ہوئے نہ تھکتے تھے، آج کسی اور کی جانب متوجہ ہو چکے ہیں۔

لھذا بہتر یہی ہے کہ انسان تکبر کے بجائے عاجزی اختیار کرے، تاکہ ان کی جانب سے محبت حاصل کرنے والے، ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مال ودولت اور لباس کے تکبر میں مبتلاء حضرات بھی ذکر کردہ الفاظ پر غور فرمائیں، تو بے حد نفع کی امید ہے۔

علمی علاج کے سلسلے میں دوسری قابل نفع چیز تکبر کی ضد یعنی عاجزی کے فضائل پر غور، نیز اس سلسلے میں اکابرین کی زندگی کا گہری نظر سے مشاہدہ کرنا ہے۔ چنانچہ نیچے ذکر کردہ احادیث، اقوال بزرگان دین اور اعمال اکابرین کو بے حد غور سے پڑھیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص اللہ عزوجل کی رضا کے لئے عاجزی اختیار فرماتا ہے، اللہ عزوجل اسے رفعت وبلندی عطا فرماتا ہے۔ (مسلم)

واقعی مشاہدہ کیا جائے، تو ظاہر ہو گا کہ عاجزی اختیار کرنے والا لوگوں کے قلوب میں اپنی جگہ بناتا ہے، جب کہ متکبر ان کی نگاہوں سے خود کو گرا لیتا ہے۔

حضرت عیاض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

بے شک اللہ عزوجل نے میری جانب وحی نازل فرمائی کہ تم لوگ عاجزی اختیار

کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی دوسرے پر فخر نہ کرے۔ (مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔تم میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے دین اور تقوی کے۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

کسی ذہین و فطین سے مروی ہے کہ

میں نے دس چیزوں کو دس مقامات پر تلاش کیا، لیکن وہ مجھے دس دیگر جگہوں پر ملیں۔

﴿1﴾ میں نے دل کی نورانیت کو وعظوں اور قرآنِ پاک کی تلاوت میں تلاش کیا، لیکن اسے اخروی امور میں غور و تفکر..اور..خوفِ خدا سے اشک باری کرنے میں پایا۔

﴿2﴾ میں نے بندگی کو (نفلی) نماز میں ڈھونڈا، لیکن وہ مجھے تقوی و پرہیز گاری میں ملی۔

﴿3﴾ میں نے راحت کو حرص میں تلاش کیا، لیکن وہ مجھے ترکِ دنیا میں حاصل ہوئی۔

﴿4﴾ میں نے نورِ قلب کو دن کی جہری نمازوں میں ڈھونڈنے کی کوشش کی، مگر میں نے انھیں رات کی سری نمازوں میں پایا۔

﴿5﴾ میں نے نورِ قیامت کو جود و سخاء میں تلاش کرنا چاہا، لیکن وہ مجھے

روزوں کی پیاس سے حاصل ہوا۔

﴿6﴾ میں نے پل صراط سے گزرنے کو قربانی میں تلاش کیا، لیکن اسے صدقہ میں پایا۔

﴿7﴾ میں نے جہنم سے نجات کو مباح و مستحب کاموں میں تلاش کیا، لیکن وہ مجھے نفسانی خواہشات کے ترک کرنے میں حاصل ہوئی۔

﴿8﴾ میں نے اللہ ﷻ کی محبت کو دنیا میں ڈھونڈنا چاہا، لیکن وہ مجھے اللہ ﷻ کے ذکر میں ملی۔

﴿9﴾ میں نے عافیت کو لوگوں کے درمیان رہ کر حاصل کرنا چاہا، لیکن میں نے اسے گوشہ نشینی میں پایا... اور...

﴿10﴾ میں نے بلندی کو تکبر میں تلاش کیا، لیکن وہ مجھے عاجزی میں ملی۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

دس چیزیں، دس چیزوں کے بغیر سنورنے سے محروم رہتی ہیں۔

(1) عقل بغیر تقویٰ کے۔

(2) فضیلت بغیر علم کے۔

(3) کامیابی بغیر خوف خدا کے۔

(4) حکمران بغیر عدل و انصاف کے۔

(5) خاندانی شرافت بغیر ادب کے۔

(6) خوشی بغیر امن کے۔

(7) مالداری بغیر سخاوت کے۔

(8) فقر بغیر قناعت کے۔

(9) جہاد بغیر توفیق کے۔۔۔اور۔۔۔

(10) بلندی و برتری بغیر عاجزی کے۔"

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد)

حضرت علی ﷜ فرماتے ہیں کہ

ایک یہودی کا رسول اللہ ﷺ پر (ایک مدت معلومہ تک کے لئے) کچھ قرض تھا۔ اس نے (مدت تمام ہونے سے قبل ہی) آپ ﷺ سے رقم کا تقاضا کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فی الحال میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو تجھے دوں۔ وہ کہنے لگا، اگر ایسا ہے، تو پھر میں اس وقت تک آپ کو نہیں جانے دوں گا، جب تک آپ میرا قرض ادا نہ کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا، اگر یہ بات ہے تو میں تیرے ساتھ ہی رہوں گا۔

پھر آپ ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن کی فجر وہیں ادا فرمائی۔

جب سورج کچھ بلند ہو گیا تو وہ یہودی آیا اور اللہ ﷻ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے بولا،

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں

پھر عرض گزار ہوا، میں نے اپنا آدھا مال اللہ ﷻ کی راہ میں دیا۔ میں نے جو کچھ آپ ﷺ سے سلوک کیا، یہ صرف اس لئے تھا کہ میں آپ ﷺ میں وہ صفات دیکھ

لوں جو توریت میں مذکور ہیں ۔وہ صفات یہ ہیں کہ

محمد ﷺ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ، ان کی جائے ولادت مکہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ ہے اور ان کی سلطنت شام میں ہے ۔نہ سخت دل ہیں ، نہ سخت زبان ، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ، نہ بری باتوں سے متصف ہیں اور نہ ہی سخت برے کلام سے ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ عزوجل کے رسول ﷺ ہیں ۔یہ میرا مال ہے ، آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمائیں جو رب عزوجل نے آپ کو ارشاد فرمایا ۔(راوی فرماتے ہیں کہ)وہ یہودی بڑا مالدار تھا ۔(بیہقی)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں لوگوں کو اپنی مزاحیہ باتوں سے ہنسا رہا تھا ۔رسول اللہ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو میرے پہلو میں ایک لکڑی چبھو دی ۔میں نے عرض کی مجھے اس کا بدلہ دیجئے ۔فرمایا ، ٹھیک ہے ، لے لو ۔میں نے عرض کی ، آپ ﷺ نے قمیص پہنی ہوئی ہے ، جب کہ میں نے اس وقت قمیص اتاری ہوئی تھی ۔آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنی قمیص مبارک اٹھا دی ۔میں فوراً آپ ﷺ سے لپٹ گیا اور پہلوئے مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میرا صرف یہی ارادہ تھا ۔ (ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن ابو الحمساء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

اعلانِ نبوت سے قبل میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سودا کیا تھا ۔میری طرف کچھ پیسے باقی تھے ۔آپ ﷺ راستے میں ملے تو میں نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں ٹھہریے ، میں ابھی آتا ہوں ۔پھر میں یہ وعدہ بھول گیا اور تین دن بعد

جب یاد آیا اور میں اسی مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ وہیں تشریف فرما ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا تم نے مجھے مشقت میں مبتلاء کر دیا تھا، میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک روز میں اپنے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا تو (میرے بوڑھے والد کو دیکھ کر) رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اپنے ضعیف والد کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس آ جاتا۔ اس پر میں نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو زحمت دینے کی بجائے ان کا یہاں آنا ٹھیک ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ ہمیں ان کے بیٹے (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے احسانات یاد ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

سبحان اللہ! پوری کائنات پر اللہ عزوجل کے احسانات کے نزول کا سبب بننے والے رسول کریم ﷺ کے یہ عاجزانہ کلمات، متکبر قلوب کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ سفر کے دوران جب پڑاؤ کرتے ہو تو کوئی خیمہ... یا... شامیانہ نہیں لگواتے تھے، بلکہ یونہی کسی درخت کے نیچے کمبل یا کپڑے وغیرہ کا سائبان ڈال لیا کرتے اور اسی کے سایہ میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر اون کا موٹا لباس پہنتے تھے، جس میں چمڑے کا پیوند لگا

ہوتا، حالانکہ آپ خلیفہ (امیر المؤمنین) تھے اور اسی لباس میں درہ لئے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہلِ بازار کو ادب و تنبیہ فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

غور کیجئے کہ پوری سلطنتِ اسلامیہ کے حکمران ہونے کے باوجود یہ عاجزانہ انداز، مال و دولت اور منصب کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر تکبر کی لعنت میں گرفتار ہو جانے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

میں نے جب کبھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہے، مجھے یہی ثابت ہوا ہے کہ میں نرا ریاکار ہوں۔ (تنبیہ المغترین)

حضرتِ فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے تھے کہ

جب سچوں سے بھی ان کے صدق کے متعلق سوال ہوگا، حضرت اسماعیل و عیسیٰ (علیہما السلام) اور ان کے صدق وخلوص کی بھی جانچ پڑتال ہوگی، تو ہم جیسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا، جہاں خلوص کا نام بھی نہیں۔ (تنبیہ المغترین)

حضرت سفیان ثوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں کہ

میں نے جس قدر اعمال، ظاہر کر کے کیے ہیں، میں انہیں بیکار سمجھتا ہوں، کیونکہ جب لوگ دیکھ رہے ہوں، اس وقت اخلاص کا باقی رکھنا، ہم جیسوں کی قدرت سے باہر ہے۔ (تنبیہ المغترین)

مروی ہے کہ

حضرت سفیان ثوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنے پاس تین آدمیوں سے زیادہ نہ

بیٹھنے دیتے تھے۔ ایک روز درس شروع کیا تو دیکھا کہ حلقہ بہت بڑا ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا،

ہم بے خبری میں پکڑے گئے، واللہ! اگر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ﷺ مجھ سے شخص کو اس عظیم الشان مجمع میں مسند درس پر بیٹھا ہوا دیکھتے ہو تو فوراً اٹھا دیتے اور فرماتے کہ تجھ سا شخص اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

نیز ان کی عادت تھی کہ جب احادیث لکھنے بیٹھتے، تو مرعوب اور خائف ہوتے۔ اور جب بادل ان پر سے گزرتے، تو خاموش ہو جاتے، یہاں تک کہ وہ گزر جاتے، پھر فرماتے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں پتھر ہوں جن کو وہ ہم پر برسائے۔

(تنبیہ المغترین)

حضرت فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے تھے کہ

جو شخص ریاکار کو دیکھنا چاہے، وہ مجھے دیکھ لے۔ (تنبیہ المغترین)

ان تمام اقوال بزرگان دین سے، علم وعمل کے تکبر میں مبتلاء حضرات خصوصاً اور تمام مسلمان عموماً، بے حد عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

عملی علاج کے سلسلے میں درج ذیل اعمال کا اختیار کیا جانا، ان شاء اللہ ﷻ تکبر کو مکمل نہیں تو بہت حد تک دور ضرور کرے گا۔ چنانچہ متکبر کو چاہیئے کہ

(1) ہر ایک سے مسکرا کر ملے۔

(2) سلام میں پہل کرے۔

☆ حضرت انس ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ بچوں کے پاس سے گزرے، تو انہیں سلام کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

(3) ہر ایک سے ہاتھ ملائے، بلکہ باعثِ فتنہ نہ ہو تو گلے ملے۔

(4) جب کسی سے ہاتھ ملائے تو چھڑانے میں پہل نہ کرے۔

(5) صف میں غریبوں کے ساتھ کھڑا ہو۔

(6) کبھی کبھی پچھلی صف میں بھی نماز ادا کرے۔

(7) کبھی کبھی ننگے پیر بھی رہا کرے۔

(8) اپنے ہاتھ سے گھر کا کام کاج کرے۔

(9) بہت زیادہ قیمتی لباس زیبِ تن نہ کرے۔

(10) حتی الامکان زمین پر بیٹھنے کی عادت ڈالے۔

(11) کبھی کبھی زمین پر بھی سوئے۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان بھائی اور بہن کو تکبر کے گناہ سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁❁

ریاء کا بیان

باطنی گناہوں میں سے سب سے زیادہ پوشیدہ گناہ ''ریاء میں مبتلاء ہونا''

ہے۔

یہ وہ گناہ ہے، جسے نبی اکرم ﷺ نے شرکِ اصغر (یعنی چھوٹے شرک) سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف شرکِ اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرکِ اصغر کیا ہے؟....آپ ﷺ نے فرمایا، دکھاوے کے لئے عمل کرنا۔ بروزِ قیامت جب اللہ ﷻ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا،تو ارشاد فرمائے گا، ان لوگوں کی طرف جاؤ، جن کے لئے تم دنیا میں عمل کیا کرتے تھے، پس دیکھو کہ تمہیں ان کے پاس کیا اجر ملتا ہے۔ (شعب الایمان)

جس طرح ایک مشرک، عبادت میں اللہ ﷻ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرتا ہے، اسی طرح اس گناہ میں مبتلاء شخص، اپنے نیک اعمال سے خدائے مخلوق نہیں، بلکہ مخلوق خدا کی رضا کا طالب ہوتا ہے، چنانچہ اس مماثلت کی بناء پر عمل ریاء کو شرکِ اصغر قرار دیا گیا۔

نیز حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روتے ہوئے دیکھا، وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بے شک مجھے اپنی امت پر شرک کا خوف ہے، لیکن وہ بتوں، چاند، سورج اور پتھروں کی پوجا نہیں کریں گے، بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

اس گناہ کی کامل معرفت کو اللہ ﷻ کا بہت بڑا انعام تصور کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس معاملے میں کم علمی و غفلت کے باعث، نیک اعمال سے سوائے مشقت کے کچھ اور حاصل نہیں ہوسکتا اور یوں کثیر محنت کے باوجود، بجائے انعام کے، عذاب کا مستحق بننا پڑتا ہے۔

دیگر باطنی امراض کی مثل اس گناہ کی معرفت کے سلسلے میں بھی سب سے پہلے اس کی تعریف، پھر ممانعت و نقصانات کا بیان، اس کے بعد علامات، پھر محاسبہ اور آخر میں علاج ذکر کیا جائے گا۔

اب ہم اللہ ﷻ کی توفیق سے، ان امور کو بالترتیب بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ

علامہ سید شریف جرجانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اَلرِّیَاءُ تَرْکُ الْاِخْلَاصِ فِی الْعَمَلِ بِمُلَاحَظَةِ غَیْرِ اللّٰہِ فِیْہِ ۔ عمل میں، اللہ ﷻ کے بجائے کسی مخلوق کا لحاظ رکھتے ہوئے اخلاص کو ترک کر دینا، ریاء کہلاتا ہے۔ (کتاب التعریفات۔82)

یعنی ہر وہ عمل جس سے اللہ ﷻ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہو، اسے رضائے الٰہی کے بجائے کسی مخلوق کو راضی کرنے یا دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے اختیار کرنا۔

پھر اس کی دو اقسام ہیں۔

[1] ریائے مخلوط۔[2] ریائے غیر مخلوط۔

ریائے مخلوط سے مراد عمل اختیار کرتے ہوئے مخلوق کی رضا کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کی رضا کو بھی ملحوظ رکھنا۔مثلاً

ایک شخص نماز کا عادی ہے۔اگر کوئی پاس موجود نہ ہو،تب بھی اس نے نماز کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنی تھی۔لیکن تنہا ادا کرتے ہوئے تیزی اور لاپرواہی سے ادائیگی کرتا ہے،جب کہ کسی دوسرے شخص کی موجودگی میں،متاثر کرنے کے لئے،تکلف و بناوٹ سے کام لیتا ہے۔

اس صورت میں،اخلاص جتنا کم ہوتا جائے گا،ثواب میں اتنی ہی کمی ہوتی جائے گی۔گویا کہ اس قسم میں ثواب کی کچھ نہ کچھ امید قائم رہتی ہے۔کیونکہ

اللہ عزوجل کا فرمان ہے،

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ○ بے شک ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے،جو نیک عمل کرتا ہے۔ (کہف۔30)

چونکہ اس میں نیک عمل کا ارتکاب کیا جاتا ہے،اگرچہ فسادِ نیت بھی شامل حال رہتا ہے،چنانچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کل ثواب ہی ضائع ہو گیا،لیکن بہر حال یہ بھی حرام ہے اور اس پر توبہ کرنا واجب ہے۔اور بعض اکابرین سے اس قسم کی ریاکاری پر بھی مکمل گرفت کے کلمات منقول ہیں۔جیسا کہ

مروی ہے کہ

ایک شخص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں اللہ عزوجل کی راہ میں لڑوں اور اللہ عزوجل کی رضا کے ساتھ ساتھ مخلوق کی جانب سے تعریف کا بھی ارادہ کروں، تو میرا یہ عمل کیسا ہے؟... فرمایا تجھے کچھ بھی ثواب نہ ملے گا۔ اس شخص نے یہی بات تین مرتبہ دریافت کی۔ آپ نے ہر بار یہی جواب دیا، آخر میں فرمایا، اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ (احیاء العلوم الدین)

یونہی بیان کیا جاتا ہے کہ

ایک شخص نے حضرت سعید بن مسیّب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ ہم میں سے ایک شخص نیکی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی تعریف بھی کی جائے اور ثواب بھی حاصل ہو؟... آپ نے دریافت فرمایا، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم پر اللہ عزوجل کا غضب ہو؟... اس نے عرض کی، جی نہیں۔ فرمایا، تو جب بھی عمل کرو، فقط اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر کرو۔ (احیاء العلوم الدین)

اور ریائے غیر مخلوط سے مراد عمل کو فقط مخلوق کی رضا کی خاطر اختیار کرنا، اس میں اللہ عزوجل کی رضا کے حصول کا بالکل ارادہ نہ ہو۔ مثلاً

ایک شخص نماز بالکل نہیں پڑھتا، لیکن کسی دن، کسی کے ہاں بطور مہمان گیا۔ نماز کا وقت ہوا، تو سب نماز کی ادائیگی کے لئے چلے، یہ بھی شرمندگی سے بچنے کے لئے ساتھ ہو لیا۔

اس صورت میں چونکہ رضائے الٰہی بالکل مقصود نہیں ہوتی، لھذا ثواب کی امید رکھنا فضول ہے۔ یہ بھی حرام ہے اور اس پر توبہ کرنا واجب۔

لیکن یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اگر کسی عمل کو مخلوق کے لئے شرعی اجازت کے ساتھ اختیار کیا گیا تو اب اس میں کوئی گرفت نہیں۔ کیونکہ اس معاملے میں شریعت کی اجازت ہی جواز کی دلیل ہے۔

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ

ایک مرتبہ سید عالم ﷺ، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے پاس جانے کے ارادے سے گھر سے نکلنے لگے تو ایک مٹکے میں دیکھ کر اپنا عمامہ مبارک اور بالوں کو درست فرمایا۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ایسا کر رہے ہیں؟....

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **نَعَمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُحِبُّ مِنَ الْعَبْدِ اَنْ یَّتَزَیَّنَ لِاِخْوَانِهٖ اِذَا خَرَجَ اِلَیْهِمْ**۔ ہاں، بے شک اللہ ﷻ اپنے اس بندے کو محبوب رکھتا ہے، جو اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس ملنے کے لئے جائے، تو زینت اختیار کرے۔ (احیاء العلوم بحوالہ الکامل لابن عدی)

تعریفات واقسام جاننے کے بعد اس کے اخروی و دنیوی نقصانات کا جاننا بھی بے حد ضروری ہے، کیونکہ فطرت انسانی، خطرہ محسوس ہونے کی صورت میں بے حد محتاط ہونے کا مشورہ دیتی ہے اور نفس بھی، خوف کے احساس کی بناء پر اطاعت کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔

اخروی لحاظ سے، ریاء کی بناء، پر درج ذیل نقصانات کا شکار ہونا متوقع ہے۔

۞ **اس مرض میں مبتلاء لوگوں کے لئے ہلاکت کی وعید ہے۔**

جیسا کہ

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ پس ان نمازیوں کے ہلاکت ہے، جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ جو دکھاوے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ (ماعون۔6،5)

یہ آیت کریمہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگوں کے سامنے تو نمازیں ادا کرتے، لیکن تنہائی میں غفلت و سستی کا شکار رہتے تھے، نیز اعمال میں ریاکاری سے کام لیتے تھے۔

۞ اعمال نامقبول رہتے ہیں۔ چنانچہ

منقول ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے لئے عمل کرتے ہوئے، اس میں میرے غیر کو شریک کرے، تو وہ تمام عمل میرے غیر کے لئے ہے اور میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ (الترغیب والترہیب)

یونہی مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا، جس میں ذرہ برابر بھی دکھاوا ہو۔ (الترغیب والترہیب)

۞ اس کی بناء پر اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ ۔احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات، اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو، جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (بقرہ۔264)

✿ **ایسے لوگوں کا مقام مذمت میں تذکرہ** کیا گیا ہے۔جیسا کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرتے ہیں۔

(نساء۔142)

یہ آیت کریمہ بھی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے،

جب بندہ ریا کاری کرتا ہے تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، میرے بندے کو دیکھو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ (احیاء علوم الدین)

✿ **ریاءکار کے لئے اللہ** عزوجل **کی جانب سے بیزاری کا اظہار** کیا گیا ہے۔جیسا کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، میں شرک کرنے

والوں کے شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، میں نے اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیا۔ (مسلم)

✿ بروزِ قیامت ذلت اور جہنم میں داخلہ مقدر بنے گا۔ جیسا کہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بے شک قیامت کے دن لوگوں میں سے جس کے خلاف سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شخص ہوگا کہ جسے (راہِ خدا عزوجل میں) شہید کیا گیا ہوگا، پس اسے (اللہ عزوجل کی بارگاہ میں) حاضر کیا جائے گا، اللہ عزوجل اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان کا اقرار کرے گا۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا، تو نے ان نعمتوں کے شکر کے طور پر کیا عمل کیا؟.... وہ عرض کرے گا، یا رب! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا،

تو نے جھوٹ کہا، کیونکہ تو نے تو جہاد اس لئے کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ کہہ لیا گیا۔

پھر اس کے بارے میں (جہنم میں ڈالے جانے کا) حکم دیا جائے گا، تو اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، یہاں تک کہ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

(پھر) وہ شخص (حاضر کیا جائے گا کہ) جس نے علم سیکھا، سکھایا اور قرآن پاک پڑھا۔ اللہ عزوجل اسے (بھی) اپنی نعمتوں کی پہچان کروائے گا، وہ ان کا اقرار کرے گا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا، تو نے ان کے شکرے میں کیا عمل کیا؟.... وہ عرض کرے گا، میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری رضا کی خاطر قرآن پڑھا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا،

تو نے جھوٹ کہا، تو نے علم اس لئے حاصل کیا، تا کہ تجھے عالم کہا جائے اور

قرآن اس لئے پڑھا، تاکہ تجھے قاری کہا جائے، سو وہ کہہ لیا گیا۔

پھر اس کے بارے میں (بھی دوزخ میں ڈالے جانے کا) حکم دیا جائے گا، پس اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، یہاں تک کہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(پھر) اس شخص کو (لایا جائے گا کہ) جسے اللہ ﷻ نے وسعت بخشی اور اسے ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اللہ ﷻ اسے (بھی) اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ ان کا اقرار کرے گا۔ اللہ ﷻ فرمائے گا، تو نے ان کے بدلے میں کیا عمل کیا؟..... وہ عرض کرے گا، میں نے ہر اس راہ میں تیری رضا کی خاطر مال خرچ کیا، جس میں خرچ کرنا تجھے محبوب تھا۔ اللہ ﷻ ارشاد فرمائے گا،

تو نے جھوٹ کہا، کیونکہ تو نے یہ سب اس لئے کیا تھا تاکہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ کہہ لیا گیا۔

پھر اس کے بارے میں (بھی جہنم کا) حکم دیا جائے گا، چنانچہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، یہاں تک کہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

☆ **نیز ابن ماجہ کی روایت ہے** کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، غم کے کنویں سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگو۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کیا ہے؟..... فرمایا، وہ جہنم میں ایک وادی ہے، جو ریاکار لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۞ **ایسا شخص میدان محشر میں ذلت ورسوائی کا شکار ہوگا۔** جیسا کہ **رسول اللہ ﷺ** کا فرمان ہے،

بروز قیامت، ریاکار کو ندا دی جائے گی کہ اے فاجر! اے دھوکے باز! اے ریاکار! تیرا عمل ضائع ہوا اور ثواب جاتا رہا، اپنا اجر اس سے لے، جس کے لئے عمل

کرتا تھا۔ (الدر المنثور)

اور دنیوی لحاظ سے درج ذیل نقصانات کا متوجہ ہونا ممکن ہے۔

✿ **انسان، عبادات کی حقیقی لذت سے محروم رہ جاتا ہے**۔کیونکہ۔
جب قلب و ذہن، ہر عمل پر تعریف سننے کے عادی ہو جائیں ،تو اس کے بعد عبادات کی لذت اس وقت تک محسوس نہ ہوگی، جب تک کسی کی جانب سے ایک دو تعریفی جملوں کا تحفہ حاصل نہ ہو جائے۔ بصورتِ دیگر لذت مفقود اور قلب ،نورِ عبادت سے محروم رہے گا اور پھر بسا اوقات نفس و شیطان، اس بے مزہ عبادت سے بھی دور کروا دیتے ہیں۔

✿ **بے جا غم و پریشانی میں گرفتاری کا سامنا** کرنا پڑتا ہے۔کیونکہ ریاء کار آخرت میں ملنے والے انعامات کی وقتی طوالت کو نفس پر گراں محسوس کر کے، کسی فوری حاصل ہونے والے انعام کا متلاشی رہتا ہے۔چنانچہ ہر عمل کے بعد، اس کے کان مخلوق کی جانب سے حوصلہ افزائی کے چند جملے سننے کے منتظر نظر آتے ہیں۔

لیکن جب مخلوق کی جانب سے اس قسم کا متوقع طرزِ عمل نظر نہ آئے ،تو بے حد مایوسی، سخت رنج و غم اور شدید حوصلہ شکنی، اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب مخلوق کی جانب سے بے رخی کا یہ عمل دائمی ہو جائے ،تو اس کا غم بھی دائمی ہو جاتا ہے۔یوں اس کی اکثر عبادات ،نور اور قلبی سکون میں نہیں ، بلکہ اس کی نیتِ فاسدہ کی بناء پر رنج وغم میں اضافے کا سبب ہی بنتی ہیں۔آخر کار نتیجہ وہی عبادت سے محرومی کی صورت میں نکلتا ہے۔

ایسے انسان پر نفس وشیطان کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔کیونکہ پُر اخلاص عبادت، روحانی قوت کا سبب بنتی ہے، جس کی برکت سے نفس وشیطان کی چالیں کمزور پڑ جاتی ہیں،

لیکن جب اخلاص کی نعمت سے محروم ہو جایا جائے ،تو یہی عبادات ودیگر نیک اعمال، روحانی تقویت کا سبب بننے کے بجائے باطنی کمزوری کا باعث بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے نفس وشیطان کی راہ میں بہت بڑی قوت مزاحمت ، اپنا مثبت کردار ادا کرنے سے عاجز آجاتی ہے اور پھر انہیں اپنا کام کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ایسا شخص تنہائی میں عبادات کے سلسلے میں سستی وغفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔چونکہ ریاء کار کا مقصود رضائے رب نہیں ، بلکہ مخلوق کی جانب سے حاصل ہونے والی حوصلہ افزائی ہوتی ہے لہذا اس کی تمام تر چستی بھی مخلوق کے سامنے ہی ہوتی ہے۔ایسا شخص تنہائی میں یا تو بالکل عبادت نہیں کرتا، یا کرتا ہے ،تو اس میں وہ لذت نہیں پاتا، جو مخلوق کے سامنے عبادت اختیار کرتے ہوئے حاصل ہوتی ہے۔

ایسے شخص کی نیتِ فاسدہ ظاہر ہو جانے پر وہ عزت باقی نہیں رہتی، جو اس نے کثیر عبادات سے دھوکہ دے کر حاصل کی تھی۔ چنانچہ زوالِ عزت کا یہ صدمہ بھی اس کے لئے شدید رنج کا سبب بنتا ہے۔

ریاء کے نقصانات کی معرفت کے بعد، اس کی موجودگی کو جاننے کے

لئے ضروری ہوگا کہ اس کی علامات کو جانیں اور اپنی ذات میں ان کی تلاش کی کوشش ہمیشہ جاری رکھی جائے۔ چنانچہ

✿ ریاء کی سب سے عظیم علامت یہ ہے کہ اس میں مبتلا شخص، لوگوں کے درمیان بدن میں چستی اور عبادت میں لگن وشوق محسوس کرے گا، لیکن تنہائی میں یا ایسے لوگوں کے درمیان کہ جن سے حوصلہ افزائی کی بالکل امید نہ ہو، بے حد سستی اور عبادت سے بے رغبتی پائے گا۔

✿ جب کسی نیک عمل یا کسی اچھی بات پر حوصلہ افزائی کی جائے گی، تو کام میں اضافہ کرے گا، اس کے برعکس عمل میں کمی پیدا ہوگی یا بالکل ہی ترک کر دیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے،

ریا کار کی تین علامات ہیں۔ جب تنہا ہوتا ہے تو سستی کا مظاہرہ کرتا ہے اور جب لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو خوش خوش رہتا ہے۔ جب اس کی تعریف کی جائے تو عمل میں اضافہ کر دیتا ہے اور جب اس کی مذمت کی جائے تو عمل میں کمی کر دیتا ہے۔ (احیاء علوم الدین)

✿ نیز مخلوق کے سامنے عبادات کی ادائیگی میں بے حد احتیاط اور تنہائی میں بے پرواہی غالب رہے گی۔

علامات کی معرفت کے بعد، اس وصف بد کی اپنی ذات میں موجودگی یا عدم موجودگی جاننے کے لئے ذاتی محاسبہ بے حد ضروری ہے۔ چنانچہ

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرے کہ

- تنہائی میں عبادت کے معاملے میں سستی و غفلت اور لوگوں کے سامنے چستی کا مظاہرہ تو نہیں ہوتا؟.....
- اگر کوئی عمل پر تعریف نہ کرے، تو شدید افسوس تو نہیں ہوتا؟.....
- کسی کی جانب سے نیک عمل پر حوصلہ افزائی نہ ہونے کی صورت میں، ترکِ عمل کا جذبہ تو پیدا نہیں ہوتا؟.....
- لوگوں کے سامنے عبادات کی ادائیگی میں بے حد احتیاط اور تنہائی میں بے پرواہی تو غالب نہیں رہتی؟.....
- کسی عمل کو لوگوں سے پوشیدہ طور پر کرنے کے ارادے کی راہ میں، باطن سے شدید رکاوٹ و مزاحمت تو پیدا نہیں ہوتی؟.....
- لوگوں کے سامنے عمل میں بے حد لذت اور تنہائی میں وہی عمل بے مزہ تو محسوس نہیں ہوتا؟.....

اگر بعدِ محاسبہ مرض ریاء کی موجودگی ظاہر ہو تو علاج کی جانب متوجہ ہونے میں بالکل دیر نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کیلئے درج ذیل امور پر عمل کرنا مفید ثابت ہوگا۔

{1} اس پہلو پر بار بار غور کیا جائے کہ جس شے کی قیمت کئی لاکھ مل سکتی ہو، اسے تھوڑی سی وقتی خوشی کی خاطر، کوڑیوں کے مول بیچ کر، شدید پچھتاوے میں مبتلاء ہونے کو دانشمندی قرار دیا جا سکتا ہے؟.....

بالکل، اسی طرح نیک عمل جیسی عظیم دولت، جس کی بااخلاص ادائیگی کے ذریعے، اللہ ﷻ کی عظیم رضا حاصل کی جاسکتی ہو، فقط چند تعریفی جملوں کی خاطر ضائع کردی جائے تو کیا اسے سمجھداری قرار دیا جاسکتا ہے؟.....

{2} اس سلسلے میں اللہ ﷻ سے طلبِ امداد کی جائے اور کثرت سے استغفار کرتے رہیں۔

{3} اس کے دنیوی واخروی نقصانات پر بار بار غور کریں۔

{4} ایسے شخص کی صحبت اختیار کی جائے، جو اپنے ہر کام میں اخلاص ملحوظ رکھتا ہے، تاکہ اس اچھی عادت کی برکات حاصل کی جاسکیں۔

{5} ہر کام کے شروع، درمیان اور آخر میں اپنی نیت اور عمل کی سختی کے ساتھ حفاظت فرمائیں۔

مثلاً کوئی بھی نیک عمل شروع کرنے سے قبل خوب اچھی طرح غور کریں کہ میں اس عمل کو کیوں اختیار کررہا ہوں؟....اللہ ﷻ کے لئے یا مخلوق کی جانب سے تعریفی جملوں کے حصول یا ان کے قلوب کو متاثر کرنے کے لئے۔اگر اللہ ﷻ کی رضا کا حصول، مقصودِ اصلی نظر آئے تو ضرور عمل کی سعادت حاصل کریں..اور..نیت میں فساد ظاہر ہو تو جب تک نیت درست نہ ہو جائے، عبادت اختیار نہ کریں۔

ہاں اگر انتظار درستگی میں کسی عبادت کے قضاء ہو جانے کا خوف ہو تو قضاء ہونے سے پہلے پہلے کسی اور تدبیر مثلاً مقام کی تبدیلی وغیرہ کے ذریعے نیت کو درست کرنا لازم ہے۔مثلاً کسی جگہ نماز ادا کرنا چاہتے ہیں، لیکن کسی شخص کی موجودگی کی بناء پر اخلاص قائم ہوتا نظر نہ آئے اور دیر کرنے کی صورت میں قضاء کا خوف ہو تو ایسے

حالات میں کسی دوسرے مقام پر نماز ادا کی جائے بقضاء کی اجازت نہیں۔

یونہی دوران عبادت، قلب پر مسلسل توجہ رکھیں کہ کسی مخلوق کی توجہ کا ارادہ تو شامل نہیں ہوگیا۔

اسی طرح اختتام عبادت پر حتی الامکان عبادت چھپائیں، کسی کو سنانے یا تعریفی کلمات سننے کی خواہش کو سختی سے دبائیں۔

{6} کوئی تعریف کرے، تو نرمی وحکمت سے منع کردیں اور منع کرنا ممکن نہ ہو تو دل میں استغفار پڑھتے ہوئے، اللہ عزوجل سے طلب امداد کریں۔

{7} حتی الامکان اپنے عمل کو چھپائیں، کیونکہ یہ عادت، اللہ عزوجل کو بے حد محبوب اور ریاء سے دور کرنے والی ہے۔ جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

وہ شخص عرش کے سائے میں ہوگا، جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا، جس نے اس دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دیا کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی۔ (بخاری)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب اللہ عزوجل نے زمین کو پیدا فرمایا تو وہ کانپنے لگی۔ پھر اللہ عزوجل نے پہاڑوں کو پیدا فرما کر، انہیں زمین کے لئے میخیں بنادیا۔ فرشتے آپس میں کہنے لگے، شائد اللہ عزوجل نے پہاڑوں سے زیادہ سخت کوئی شے پیدا نہیں فرمائی۔ پھر اللہ عزوجل نے لوہا پیدا فرمایا، اس نے پہاڑوں کو کاٹ ڈالا۔ پھر آگ پیدا فرمائی، اس نے لوہے کو پگھلا دیا۔ پھر اللہ عزوجل نے پانی کو حکم دیا، اس نے آگ کو

بجھادیا۔پھر ہوا کو حکم دیا، تو اس نے پانی کو گدلا کردیا۔اب فرشتوں میں اختلاف پیدا ہوا کہ سب سے زیادہ سخت کون سی شے ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں اللہ ﷻ سے استفسار کیا گیا۔اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا، میں نے انسان کے قلب سے زیادہ سخت کسی شے کو پیدا نہیں کیا، جس وقت کہ وہ سیدھے ہاتھ سے صدقہ کرتے ہوئے، بائیں ہاتھ سے بھی اسے چھپاتا ہے، پس وہ میری مخلوق میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ (ترمذی)

{8} اخلاص کی فضیلت ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔اس سلسلے میں درج ذیل آیات واحادیث ضرور زیرِ غور لائیں۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ ۔اور ان لوگوں کو تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ باطل سے اعراض کرتے ہوئے، دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ (البینہ۔5)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا،

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط اللہ تک نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں، نہ خون، بلکہ صرف تمہارا تقوٰی پہنچتا ہے۔ (حج۔37)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اعمال کے (ثواب کا) دارومدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے، جو اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب ہجرت کی، اس نے اللہ و رسول ﷺ کی جانب ہی ہجرت کی اور جس نے دنیا یا کسی عورت کے حصول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کی جانب شمار ہوگی، جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں،

ہم ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ نے دوران سفر ارشاد فرمایا، بے شک مدینۂ منورہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو ہر مقام و وادی میں (بلحاظ ثواب) تمہارے ساتھ ہیں، انہیں بیماری نے روک رکھا ہے۔ (مسلم)

یعنی اپنی نیت میں اخلاص کی بناء پر جہاد کے ثواب میں انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ تمہارے جسموں یا صورتوں کو پیش نظر نہیں رکھتا، بلکہ تمہارے قلوب پر نظر فرماتا ہے (یعنی اخلاص کو پیش نظر رکھتا ہے)۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں،

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے، لیکن اس پر عمل پیرا نہ ہو، اللہ ﷻ اس کے نامۂ اعمال میں پوری ایک نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اگر ارادے کے ساتھ ساتھ عمل پیرا بھی ہو جائے، تو دس سے سات سو، بلکہ (اخلاص

میں زیادتی ہوتو) اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیوں کا ثواب لکھتا ہے۔ اور اگر وہ کسی برائی کا ارادہ کرے، لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اللہ ﷻ اس پر بھی اسے ایک کامل نیکی کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اگر ارادے کے بعد عمل بھی کرلے تو اللہ ﷻ فقط ایک گناہ تحریر فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، گزشتہ زمانے میں تین آدمی کہیں جا رہے تھے، رات گزارنے کے لئے انھیں ایک غار کا سہارا لینا پڑا۔ وہ غار میں داخل ہوئے تو پہاڑ سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ پر آ گئی، جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ انھوں نے باہم طے کیا کہ اس چٹان سے نجات کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کر کے دعا مانگیں۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے عرض کی،

یا الٰہی! میرے ماں باپ بوڑھے ہو گئے تھے۔ میری عادت تھی کہ میں ان سے پہلے اپنے بچوں اور خدام کو دودھ نہیں دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں لکڑیوں کی تلاش میں دور نکل گیا۔ جب لکڑیوں اور دودھ کے ساتھ واپس لوٹا تو دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں، میں نے انھیں جگانا مناسب نہ سمجھا، نہ ہی ان سے پہلے اہل و عیال کو دودھ پلانا پسند آیا۔ بچے میرے پاؤں میں بلکتے رہے، لیکن میں تمام رات دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ والدین جاگے، تب انہوں نے اور ان کے بعد میرے بچوں اور خدام نے دودھ پیا۔ اے اللہ ﷻ! اگر میں نے یہ عمل

تیری رضا کی خاطر کیا ہو تو ہم سے اس چٹان کی مصیبت کو دور فرمادے۔

چٹان تھوڑی سی سرک گئی لیکن وہ ابھی باہر نہ نکل سکتے تھے۔

پھر دوسرے نے عرض کی،

یا الٰہی! مجھے اپنی چچا زاد بہن سے بہت محبت تھی۔ایک دفعہ خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہوکر اس سے بری خواہش کا اظہار کیا، لیکن اس نے انکار کردیا۔ کچھ عرصے بعد وہ قحط سالی کا شکار ہو کر میرے پاس طلب امداد کے لئے آئی، میں نے اسے سو دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرے ساتھ تنہائی میں جائے۔وہ رضامند ہوگئی۔ جب ہم تنہائی میں پہنچے تو اس نے کہا، اللہ ﷻ سے ڈراور ناحق یہ گناہ مت کر۔یہ سن کر میں اس گناہ سے باز آ گیا اور وہ دینار بھی اسے دے دیئے۔اے اللہ ﷻ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا کی خاطر تھا تو ہم سے یہ مصیبت دور کردے۔

چٹان کچھ اور سرک گئی، لیکن ابھی بھی باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔

اب تیسرے نے عرض کی،

یا الٰہی! میں نے کچھ آدمیوں کو مزدوری پر لگایا، کام ختم ہونے پر ایک کے سوا سب اپنی مزدوری لے گئے۔میں نے اس کی مزدوری کو کاروبار میں لگا دیا، یہاں تک کہ اس کا مال بہت زیادہ ہوگیا۔پھر کچھ عرصے کے بعد وہ میرے پاس آیا اور اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا، یہ جتنے اونٹ، گائے، بکری اور غلام وغیرہ دیکھ رہا ہے، یہ سب تیرے ہیں۔اس نے کہا، آپ میرے ساتھ مذاق کررہے ہیں؟.....میں نے کہا نہیں، میں مذاق نہیں کررہا ہوں (بلکہ یہ حقیقت ہے)۔یہ سن کر وہ تمام مال لے کر

چلا گیا اور اس میں سے کچھ نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل محض تیری رضا کی خاطر تھا، تو ہمیں اس پریشانی سے نجات دلادے۔

اس کی دعا کے ساتھ ہی چٹان مکمل طور پر ہٹ گئی اور وہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ (مسلم)

مروی ہے کہ

حضرت شفیق بلخی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت سفیان ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو ایک کپڑا بطورِ تحفہ دیا، لیکن آپ نے انہیں واپس کر دیا۔ حضرت شفیق (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کہا، حضرت! میں آپ سے حدیث پڑھنے والوں میں سے تو نہیں کہ تحفہ واپس کر رہے ہیں؟... فرمایا، مجھے معلوم ہے، لیکن تمہارے بھائی نے تو ہم سے حدیث سنی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس تحفے کی وجہ سے میرا دل تمہارے بھائی کے لئے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نرم نہ ہو جائے۔ (احیاء علوم الدین)

آخر میں درج ذیل چند معروضات بھی ضرور یاد رکھی جائیں۔

❁ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ عبادت خالصتاً اللہ ﷻ کی رضا کے لئے شروع کی گئی، پھر کسی کے عبادت کرتا دیکھ لینے ... یا... اور کردہ عبادت پر مطلع ہو کر بغیر خواہش نفس تعریف کر دینے کی بناء پر، قلب میں خوشی پیدا ہوتی ہے، یہ خوشی کی کیفیت اپنے قدرت واختیار میں نہیں اور نہ ہی اس کے لئے قصداً عمل اختیار کیا گیا تھا، لھذا اس پر کسی قسم کی گرفت نہیں، بلکہ اسے من جانب اللہ ایک انعام ہی تصور کرنا چاہیئے۔

✿ بعض اوقات انسان، اعمال صالحہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں، بلکہ دنیوی نفع کی غرض سے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً روزہ اس لئے رکھتا ہے کہ صحت حاصل ہو جائے۔ نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ معاذ اللہ کچھ ورزش ہو جائے۔ یہ اگرچہ ریاء میں داخل نہیں، لیکن چونکہ اس صورت میں بھی نیک عمل، دولتِ خلاص سے مکمل یا تھوڑا بہت ضرور خالی رہتا ہے، لھذا جتنی محرومی زیادہ ہوگی، ثواب اتنا ہی کم ہوتا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ اخلاص بالکلیہ مفقود ہونے کی صورت میں بالکل بھی ثواب حاصل نہ ہو۔ جیسا کہ درج ذیل روایات سے ظاہر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص اللہ عزوجل کی رضا کے حصول کا سبب بننے والے علم کو، دنیا کا سامان حاصل کرنے کی نیت سے سیکھے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکتا۔ (ابو داؤد)

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص جہاد سے صرف اونٹ کی رسی کا ارادہ کرتا ہے (یعنی مالِ غنیمت حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے)، تو اس کے لئے وہی ہے، جس کی اس نے نیت کی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

ہاں اگر اس یعنی دنیوی نفع کے حصول کے ارادے کی صورت میں، کسی کو عمل دکھانے کا ارادہ بھی کارفرما ہو جائے، مثلاً کسی مقام پر پرہیز گاری کا اظہار اس لئے کرتا ہے کہ کچھ دنیوی سہولتیں حاصل ہو جائیں، تو یقیناً یہ ریاکاری میں شامل اور عذاب کی

وعیدوں کے تحت داخل ہوگا۔

لیکن اگر اظہارِ عبادت سے، دوسروں کو عمل کی ترغیب دینا یا نعمتِ الٰہی کا اظہار مقصود ہو تو اب شرعاً اس میں کوئی گرفت نہیں۔ اس طرح کا اظہار، اکابرین اسلام سے بکثرت ثابت ہے۔ نیز قرآن میں بھی اظہارِ عمل کو جائز رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط یعنی اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کرو، تو یہ کیا ہی اچھا ہے اور اگر پوشیدہ رکھتے ہوئے فقراء کو دو، تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ (بقرہ۔271)

عبادت کو ظاہر کرنے خصوصاً مال خرچ کرنے کے سلسلے میں اظہار کو اپنانا، بلا نیتِ ترغیب بھی عموماً دوسروں کے لئے عمل کا جذبہ ابھارنے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح نیک اعمال کی کثرت کے ساتھ ساتھ ابتداء کرنے والے کے لئے ثوابِ جاریہ کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے راہِ خدا میں خرچ کی ترغیب دی۔ ایک صحابی گئے اور ایک بھاری سی تھیلی اٹھا کر لائے۔ انہیں دیکھ کر دیگر صحابہ بھی جوق در جوق مال لانے لگے۔ یہ ملاحظہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

جو کوئی اچھا طریقہ جاری کر کے اس پر عمل پیرا ہو تو اس کو، اس کا اور جو اس کی پیروی کریں گے، ان کا ثواب بھی ملے گا۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

تحدیثِ نعمت کے طور پر اظہارِ نعمت کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

- **حضرت عبد اللہ بن مسعود** رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے،

میں جس حالت پر صبح کرتا ہوں، اس کے علاوہ کی تمنا نہیں کرتا (اپنی اس حالت پر راضی رہتا ہوں)۔ (احیاء علوم الدین)

- **حضرت عثمان غنی** رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،

جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے، نہ تو کبھی گانا گایا، نہ کسی قسم کی تمنا کی اور نہ ہی سیدھے ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا۔ (ایضاً)

- **حضرت شداد بن اوس** رضی اللہ عنہ کہتے تھے،

جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، سوچے سمجھے بغیر کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔ (ایضاً)

- **مروی ہے کہ**

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے گھر والوں سے فرمایا، مجھ پر مت رونا، کیونکہ میں نے اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نہیں کیا۔ (ایضاً)

لیکن عوام الناس اس سلسلے میں عملی قدم اٹھانے میں بے حد احتیاط اختیار کریں، کیونکہ ان کے لئے حفاظتِ نیت بے حد دشوار ہے، چنانچہ ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو ترغیب دینے یا تحدیثِ نعمت کی یہ کوشش، مداخلتِ نفس کی بناء پر، اعمال کی تباہی کا

سبب بن جائے۔

✿ یہ بھی یاد رہے کہ ریا کے خوف کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا مناسب نہیں، بلکہ شیطان کی بہت بڑی خواہش کو پورا کرنا ہے۔لھذا خوب ہمت کے ساتھ ریاء کا علاج اختیار کرنا چاہئیے ،عمل کا ترک نہیں۔

آخر میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی یہ دعا ہمیشہ یاد رکھیں اور ہو سکے، تو اکثر مانگتے رہنے کی کوشش کریں۔

آپ عرض کیا کرتے تھے، اے اللہ عزوجل! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کی نگاہ میں میرا معاملہ اچھا ہو، لیکن جب میں ان سے علیحدہ ہوں، تو میرا باطن تیرے لئے برا ہو۔ میں لوگوں کو دکھانے کے لئے تو اپنے نفس کی حفاظت کروں، لیکن جس بات پر صرف تو مطلع ہے، اسے ضائع کردوں۔لوگوں کے سامنے تو اپنے معاملے کو اچھا کروں ،لیکن تیری طرف بہت برے عمل کے ساتھ جاؤں۔نیکیوں کے ذریعے لوگوں کا قرب حاصل کروں اور ان سے فرار اختیار کرکے تیری جانب گناہوں کے ساتھ آؤں اور یوں تیرے غضب اور عذاب کا مستحق بنوں۔

اے تمام جہانوں کے رب! مجھے اس آفت سے بچالے۔آمین

✿✿✿✿✿

بخل کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ''بخل'' بھی ہے۔ یہ گناہِ قبیح جب قلب کو مکمل طور پر گھیر لے تو ایسا انسان نہ صرف دوسروں، بلکہ خود اپنی ذات کا بھی دشمن بن جاتا ہے، چنانچہ دوسرے تو اس کی بناء پر ہلاک ہوتے ہی ہیں، لیکن بسا اوقات یہ خود اپنی بربادی کا سامان کر بیٹھتا ہے، جیسا کہ آگے ذکر کردہ تفصیل سے بخوبی واضح ہوگا، نیز درج ذیل حدیث مبارکہ میں بھی اس کے بارے میں واضح اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے،

بخل سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ بخل سے ہی ہلاک ہوئے اور بخل نے ہی انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کو قتل کریں اور حرام کو حلال سمجھیں۔

(مسلم)

لھذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ بخل کی تعریف، اس کی اقسام، اس کے اسباب، اس کی دینی و دنیوی تباہ کاریاں، قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت کا بیان اور اس سے نجات یا محفوظ رہنے کے طریقے جانے، نیز ساتھ ہی سختی سے اپنا محاسبہ بھی کرتا جائے، تا کہ ان تمام نقصانات سے محفوظ رہ سکے، جو اس موذی مرض کی موجودگی کی صورت میں انسان کو اپنا شکار کر سکتے ہیں۔

اب اگلے صفحات میں انہیں مضامین کو بالترتیب و بالتفصیل عرض کیا جائے گا۔

اکابرین نے بخل کی تعریف ان الفاظ میں ذکر کی ہے،

اَلْبُخْلُ اِمْسَاکُ الْمُقْتَنَیَاتِ عَمَّا لَا یَحِقُّ حَبْسُهَا عَنْهُ

بخل، ضرورت کی اشیاء کو اس مقام پر استعمال وخرچ کرنے سے روک لینے کا نام ہے، جس سے ان کا روکنا ناجائز ہے۔ (مفردات امام راغب)

جیسے باوجودِ قدرت، فقط مال کی محبت کی بناء پر، زکوۃ وفطرہ وحج وقربانی کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا.. یا.. بیوی بچوں یا اپنی جان پر ضرورت کے مقام مثلاً علاج معالجے، تعلیم اور تربیت وغیرھا پر بھی خرچ نہ کرنا۔

یادرہے کہ جس شخص میں بخل پایا جائے، اسے ''**بَخِیل**'' کہتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں اس صفت اور اس کے حامل افراد کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ

اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے،

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ط بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ط سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط اور جو ان چیزوں میں بخل کرتے ہیں، جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا فرمائیں، وہ ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان

کے لئے برا ہے، عنقریب وہ چیز جس کے بارے میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔ (آل عمران۔180)

رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،

کیا تم سمجھتے ہو کہ بخیل کا گناہ معاف کر دیا جائے گا اور ظالم کا گناہ معاف نہ ہوگا؟.... حق ﷻ اپنی عزت وجلال کی قسم فرماتا ہے کہ کسی بخیل کو جنت میں نہیں جانے دوں گا۔ (احیاء العلوم)

رسول کریم ﷺ مزید ارشاد فرماتے ہیں،

جنت میں کوئی بخیل، دغاباز اور امانت میں خیانت کرنے والا داخل نہ ہوگا۔

(ترمذی)

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے،

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ بخل، جس کی اطاعت کی جائے، خواہش نفس، جس کی پیروی کی جائے اور انسان کا خود کو با کمال سمجھنا۔ (احیاء العلوم)

رسول اللہ ﷺ مزید ارشاد فرماتے ہیں،

اللہ ﷻ تین قسم کے اشخاص کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ بوڑھا زانی، احسان جتانے والا بخیل اور متکبر فقیر۔ (ترمذی)

نبی اکرم ﷺ مزید فرماتے ہیں،

مؤمن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایک بخل اور دوسرے بداخلاقی۔ (ترمذی)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ ﷻ! میں بخل، بزدلی اور عمر کے سب سے کمزور ترین درجے (یعنی سخت بڑھاپے) سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بخاری)

روایت کیا گیا ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، سخی شخص، اللہ ﷻ کے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے جب کہ بخیل، اللہ ﷻ سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔ (ترمذی)

بخل سے رسول اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بنولحیان کے وفد سے دریافت فرمایا، تمہارا سردار کون ہے؟..... انہوں نے عرض کی، جد بن قیس۔ لیکن وہ ایک بخیل شخص ہے۔ آپ نے فرمایا، بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہوگی؟..... تمہارے سردار عمرو بن جموح ہیں۔
(حاکم)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ ﷻ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اللہ ﷻ انہیں اپنے بندے کے فائدے کی خاطر انعامات عطا فرماتا ہے، جو ان انعامات میں بندوں پر بخل سے کام لے، تو اللہ ﷻ ان انعامات کو بدل کر یعنی اس سے چھین کر دوسرے کو عطا فرما دے گا۔ (حلیۃ الاولیاء)

بیان کیا جاتا ہے کہ،

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، سخاوت جنت میں ایک درخت ہے، جو سخی ہوا، اس نے اس درخت کی شاخ پکڑ لی، وہ شاخ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کردے گی اور بخل آگ میں ایک درخت ہے، جو بخیل ہوا، اس نے اس کی شاخ پکڑی، وہ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ آگ میں داخل کرے گی۔ (کنز العمال)

مذکورہ بیان کردہ تقریباً تمام مذمتیں، اس بخل اور بخیل کی ہیں، جن کا تعلق مال سے ہے۔

لیکن بخل کی ایک اور قسم بھی ہے، جس کا تعلق علم سے ہے۔ علمی بخل بھی انسان کی پستی و ذلت کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سید الانبیاء ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،

جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے نہ بتائی تو بروز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام چڑھادی جائے گی۔ (ابوداؤد۔ترمذی۔ابن ماجہ)

موجودہ معاشرے کا سرسری طور پر بھی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی اکثریت چاہے وہ مرد ہوں یا خواتین، عوام ہوں یا خواص، ان دونوں قسم کے بخل میں سختی سے مبتلا ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے علاج کی جانب سے بے پرواہی، یقیناً بے شمار نقصانات کا شکار کرواسکتی ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے اس صفتِ مذمومہ کی دونوں اقسام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی موجودگی کی علامات اور پھر اپنی ذات میں اس کے موجود ہونے یا نہ ہونے کو جاننے کے لئے دیانت دارانہ ذاتی محاسبہ بے حد ضروری ہے۔

ویسے مناسب تو یہی تھا کہ ان دونوں امور پر کلام کیا جاتا، لیکن چونکہ مالی بخل میں ابتلاء کثیر ہے، لھذا یہاں فقط اسی کے بارے میں تفصیل ذکر کی جائے گی۔

درج ذیل امور کو مالی بخل کی علامات قرار دیا جاسکتا ہے۔

{1} انسان پیسے کو سب سے زیادہ محبوب رکھے گا، حتی کہ بیوی بچوں سے بھی زیادہ۔

{2} ضرورت کے مقامات مثلاً علاج معالجے، اللہ عزوجل کی فرض وواجب کردہ عبادات، غریبوں کی امداد وغیرھا میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا۔

{3} ان مقامات پر خرچ کیا ہوا پیسہ ضائع ہوتا محسوس ہوگا۔ نیز ان عبادات کو معاذ اللہ بے جا، ضرورت سے زائد اور جبری ٹیکس محسوس کرے گا۔

{4} ایسے مقامات پر خرچ کے بعد شدید پچھتاوا، بسا اوقات قلب کو طویل عرصے تک رنج وغم میں مبتلاء رکھے گا۔

{5} ایسا شخص ان مسائل کو سیکھنے کی کوشش ہی نہ کرے گا کہ جن کی معرفت کے بعد کچھ خرچ کرنا پڑجائے۔ جیسے کفارے، زکوۃ اور دم وغیرہ کے مسائل۔

{6} اگر کسی سبب سے ان کا علم ہو بھی جائے، تو کوشش کرے گا کہ کسی طرح خود کو ان سے آزاد ثابت کردے۔

{7} ان مقامات پر خرچ کے بارے میں نصیحت وسمجھانا، انتہائی برا محسوس ہوگا۔

{8} خود کو ضمیر کی ملامت سے بچانے اور بخیل کے لقب سے بچنے کے لئے ان مواقع کو بار بار یاد کرے گا کہ جن میں کچھ خرچ کیا گیا تھا۔ (حالانکہ ان میں سے اکثر فقط نام ونمائش یا دنیوی تقریبات وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہوتا ہے۔)

{9} ان آیات واحادیث کا جاننا سخت ناپسند رکھے گا کہ جن میں بخل وبخیل کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ نیز مذمتِ بخل بیان کرنے والا برا محسوس ہوگا۔

{10} سخاوت وایثار کا مظاہرہ کرنے والوں کو ناپسند رکھے گا اور اشاروں، کنایوں میں اور کبھی واضح طور پر انہیں بیوقوف اور پیسہ ضائع کرنے والا قرار دے گا۔

{11} اولاد یا زوجہ وغیرہ کی جانب سے سخاوت کا مظاہرہ دیکھ کر برہمی کا اظہار کرے گا اور انہیں بذریعہ دلائل، اس قسم کے خرچ سے روکنے کی کوشش کرے گا۔

{12} پیسہ جمع رکھنا اور اسے بار بار دیکھ کر دل کو مسرت میں مبتلاء کرنا، بے حد اچھا لگے گا۔

ان علامات کی روشنی میں، ذاتی محاسبے کی غرض سے خود سے درج ذیل سوالات کے جوابات طلب کیجئے۔

{1} کیا آپ پیسے کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں؟.....

{2} کیا ضرورت کے مقامات مثلاً علاج معالجے، اللہ ﷻ کی فرض وواجب کردہ عبادات، غریبوں کی امداد وغیرہ میں خرچ کرتے ہوئے آپ کا دل تنگی محسوس کرتا ہے؟.....

{3} کیا ان مقامات پر خرچ کیا ہوا پیسہ ضائع ہوتا محسوس ہوتا ہے؟.....

نیز کیا آپ ان عبادات کو معاذ اللہ بے جا ضرورت سے زائد اور جبری ٹیکس محسوس کرتے ہیں؟.....

{4} کیا ایسے مقامات پر خرچ کے بعد شدید پچھتاوا، قلب کو طویل عرصے تک رنج وغم میں مبتلاء رکھتا ہے؟...یا کبھی ماضی میں ایسا محسوس ہوا؟.....

{5} کیا آپ مال کی جدائی کے خوف کی وجہ سے ایسے مسائل سیکھنے سے گریز کرتے ہیں کہ جن کی معرفت کے بعد کچھ خرچ کرنا پڑ جائے۔ جیسے کفارے، زکوٰۃ اور دم وغیرہ کے مسائل؟....

{6} اگر کسی سبب سے ان کا علم ہو بھی جائے تو کیا آپ دل ہی دل میں خود کو ان سے آزاد ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں؟....

{7} کیا ان مقامات پر خرچ کے بارے میں نصیحت وسمجھانا، آپ کو انتہائی برا محسوس ہوتا ہے؟....

{8} کیا اس معاملے میں ضمیر کی ملامت سے بچنے کے لئے ان مواقع کو بار بار یاد کر کے دل کو ڈھارس دیتے رہتے ہیں کہ جن میں کچھ خرچ کرنے کی توفیق حاصل ہوئی تھی؟....

{9} کیا آپ کا قلب، ان آیات واحادیث کا جاننا سخت ناپسند محسوس کرتا ہے کہ جن میں بخل وبخیل کی مذمت بیان کی گئی ہے؟....

{10} کیا آپ سخاوت وایثار کا مظاہرہ کرنے والوں کو ناپسند رکھتے ہیں؟...اور کیا اشاروں، کنایوں میں اور کبھی واضح طور پر انہیں بیوقوف اور پیسہ ضائع

کرنے والا قرار دیتے ہیں؟.....

{11} کیا اولاد یا زوجہ وغیرہ کی جانب سے سخاوت کا مظاہرہ، آپ کو برہمی میں مبتلاء کر دیتا ہے؟....اور کیا ان کی جانب سے اس قسم کی کسی حرکت کو دیکھ کر آپ انہیں بذریعۂ دلائل خرچ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں؟....

{12} کیا آپ کو پیسہ جمع رکھنا اور اسے بار بار دیکھ کر دل کو مسرت میں مبتلاء کرنا، بہت اچھا لگتا ہے؟....

اگر مذکورہ محاسبے کے نتیجے میں محسوس ہو کہ قلب بخل کی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے، تو فوراً **علاج کی جانب توجہ** کرنی چاہیے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے بخل کے اسباب معلوم کیے جائیں۔ پھر اپنے قلب میں موجود بخل کے سبب کی تعیین اور اس کے بعد اسے ختم کرنے کی کوشش کو لازم سمجھنا چاہیے۔

چنانچہ اگر غور کیا جائے تو اکثر درج ذیل پانچ (5) امور ہی بخل کا سبب بنتے نظر آتے ہیں۔

1۔ تنگ دستی کا خوف۔.... **2۔ مال سے محبت۔....**

3۔ نفسانی خواہشات کا غلبہ۔.... **4۔ اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی تمنا.... 5۔ آخرت کی جانب سے غفلت یا اس کا کامل یقین حاصل نہ ہونا۔....**

پہلا سبب یعنی تنگ دستی کا خوف، بخل کا سببِ عظیم ہے ۔ کیونکہ جب شیطان کسی انسان کو اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر کچھ خرچ کرتا دیکھتا ہے تو فوراً اسے

مستقبل میں پیسے کی کمی اور خود کسی کے محتاج ہو جانے کے بارے میں وسوسے ڈالتا ہے۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ج یعنی شیطان تمہیں (اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کرنے کی صورت میں) محتاجی کا وسوسہ ڈالتا ہے اور تمہیں بری بات کا حکم دیتا ہے۔ (بقرہ۔268)

نتیجتاً مستقبل کے بارے میں تنگ دستی کا خوف، ایک ضعیف الاعتقاد مسلمان کو مال خرچ کرنے کے بجائے، جمع کرنے اور خود سے جدا نہ کرنے کی جانب مائل کر دیتا ہے۔

اس وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ، اس وعدۂ خداوندی پر کامل یقین ہے کہ خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہی ہوتا ہے، کمی نہیں۔ چنانچہ

اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے،

وَاللّٰہُ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا ط یعنی اور اللہ تم سے (رضائے الٰہی کی خاطر خرچ کرنے کی صورت میں) بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ (بقرہ۔268)

مزید ارشاد ہوتا ہے،

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ

حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ یعنی ان لوگوں کی مثال جو اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی مثل ہے کہ جس نے ایسی سو بالیں اگائیں، جن میں سے ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، اس سے بھی زیادہ بڑھاتا ہے۔ (بقرہ۔261)

معلوم ہوا کہ بارگاہِ الٰہی میں مال کا بھیجنا نقصان نہیں، بلکہ بشرطِ اخلاص سو گنا اور زیادتیٔ اخلاص کی بناء پر اس سے بھی زیادہ بدلے کا مستحق بنوا دیتا ہے۔ لھذا تنگدستی کا خوف، وسوسۂ شیطانی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

نیز اس آیت کریمہ میں بیان کردہ وعدۂ خداوندی کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا جائے تو دل کو خرچ کی جانب مائل کرنا مزید آسان محسوس ہوگا اور اس سلسلے میں تنگ دلی، نادانی محسوس ہوگی۔ چنانچہ

اگر کوئی ہمیشہ سچ بولنے والا اور بے حد سخی شخص پیشکش کرے کہ مجھ سے ایک لاکھ روپے لو، پھر اس میں سے پچاس ہزار خرچ کردو، تو میں تمہیں پچاس لاکھ روپے مزید دوں گا، تو بتائیے کہ اس سے پیسے لے کر خرچ کرنا سمجھداری ہوگی یا بے وقوفی؟

اور اگر کوئی ایک لاکھ تو لے لے، لیکن اس میں پچاس ہزار کے معاملے میں تنگ دلی محسوس کرتے ہوئے خرچ سے گریز کرے تو اس کا یہ عمل لائقِ تحسین ہے یا قابلِ مذمت؟.....

پس اس مثال مذکورہ کی روشنی میں بخل کے سلسلے میں اپنی کم عقلی کا بخوبی

اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسرا سبب یعنی مال سے محبت بھی انسان کو بخل میں مبتلاء کروانے میں بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے۔کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی محبوب شے کو خود سے جدا کرنا محبوب نہیں رکھتا۔چنانچہ یہی محبت اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کا ارادہ کرتے ہی ہاتھ کو روک لیتی ہے،دل تنگ ہونے لگتا ہے اورمال کی جدائی کا یہ عمل ایک بہت بھاری بوجھ محسوس ہوتا ہے۔

ہاں بسا اوقات دکھانے اورتعریف وعزت کے حصول کے لئے خوب دل کھول کرخرچ بھی کردیا جاتا ہے۔لیکن اس عمل کوبخل نہ ہونے کی علامت قرار نہیں دیا جاسکتا،کیونکہ عزت وتعریف کی خواہش مال کی محبت سے قوی ہوتی ہے،چنانچہ خرچ کرنا بھی اتنا گراں نہیں گزرتا۔

اس صورت میں گرانی فقط اس وقت محسوس ہوگی کہ جب متوقع تعریف وعزت حاصل نہ ہوسکے۔

اس سبب کوجڑ سے اکھیڑنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان آخرت کے بارے میں اپنی فکر طویل کرے۔

چنانچہ قبر کے اکیلے پن....

زندہ لوگوں کی جانب سے مرنے والوں کے حق میں بے پرواہی....

بعد انتقال مال کی جانب سے نفع کے منقطع ہونے اور....

اولاد اور دیگر احباب کے اس مال کو بیدردی سے استعمال کرنے کو بار بار یاد

کرنا چاہیئے۔

تا کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ یہی مختصر سی زندگی ہے کہ جس میں اس مال سے اخروی نفع اٹھانا اور بارگاہ الٰہی میں اس کا جمع کیا جانا ممکن ہے۔اگر ایک مرتبہ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو بعد میں باوجود شدید خواہش کے عمل کی توفیق محال ہے،نیز پیچھے رہ جانے والوں سے اس عمل کی امید لگانا بھی فضول ہے۔

مروی ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب بھی کوئی چیز پسند آتی،آپ اسے اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کردیا کرتے تھے۔کسی نے پوچھا،حضرت!آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟...فرمایا،اس لئے کہ مجھے اس شے سے محبت تھی۔دریافت کیا گیا کہ محبوب شے کو نزدیک رکھا جاتا ہے،خود سے دور تو نہیں کیا جاتا؟...فرمایا،یہی محبت تو مجھے اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرنے پر مجبور کرتی ہے،وجہ یہ کہ میں یہاں جو کچھ خرچ کروں گا،اسے بارگاہِ الٰہی بمع نفع پاؤں گا۔جب کہ یہاں چھوڑ گیا تو وہاں محروم رہوں گا۔چنانچہ مجھے جب بھی کوئی شے اچھی لگتی ہے،میں فوراً صدقہ کردیتا ہوں،تاکہ اسے اس مقام پر پاؤں کہ جس کے بعد اس سے کبھی جدائی نہ ہوسکے۔

(کیمیائے سعادت۔مال کی مذمت)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک درہم ہاتھ میں لیا اور اسے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا،

اے درہم! تو مجھے اس وقت تک کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، جب تک میں تجھے خود سے جدا نہ کردوں۔ (کیمیائے سعادت۔مال کی مذمت)

بخل کا تیسرا سبب یعنی نفسانی خواہشات کا غلبہ بھی مال کو اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ جب انسان پر نفسانی خواہشات کی تکمیل کا جذبہ وشوق حاوی ہوجائے، تو پھر اسے اس کے علاوہ، مال خرچ کرنا گراں گزرنے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ کھانے پینے، پہننے اور مختلف گناہوں سے حصول لذت وغیرھا کے لئے تو خوش دلی سے خرچ کرتا نظر آئے گا، لیکن اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر کچھ دینا، بے کار و بے لذت محسوس کرے گا۔

اس سبب سے دوری کے لئے لازم ہے کہ انسان، خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں خرچ کے نقصانات اور رضائے الٰہی میں صرف کے فوائد کو جانے، پھر انہیں ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے بار بار غور وتفکر کی نگاہ سے دیکھتے رہنے کی عادت پختہ کرے۔

اللہ عزوجل کا یہ فرمان بے حد نصیحت آموز ہے،

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ ۔یعنی لوگوں کے لئے عورتوں، بیٹوں، سونے اور

چاندی کے ڈھیروں بنشان زدہ گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتی کی خواہشات کی محبت کو مزین کر دیا گیا۔ یہ دنیوی زندگی کا مال ہے اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے۔

(آل عمران۔14)

نیز اپنے اطراف میں خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں مشغول افراد کا گہری نظر سے مشاہدہ کرے، تا کہ معلوم ہو کہ ان کی اکثریت ،یادِ الٰہی سے غافل اور گناہوں سے حصولِ لذت میں کامل ہے، چنانچہ اگر اس نے بھی یہی روش اختیار کی تو اسے بھی اسی قسم کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

نیز غور کرے کہ اللہ ﷻ نے نفس کی طرف سے برائی کی دعوت کی خبر دی ہے، ارشاد ہوتا ہے،

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ۔بے شک نفس برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے ۔یعنی بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (یوسف۔۵۳)

چنانچہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کی جانب میلان ،یقیناً نفس کی دعوت کے نتیجے میں ہوگا اور اس کی دعوت بلا مبالغہ برائی پر ہی مشتمل ہوگی ،لھذا معلوم ہوا کہ ان خواہشات کی تکمیل کی غرض سے پیسے کو اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنا، ضرورنا جائز یا فضول مقام پر خرچ کی جانب مائل کرے گا اور یہ عمل میدان محشر میں ندامت ورسوائی کا سبب بن سکتا ہے۔

لھذا عافیت اسی میں ہے کہ اگر خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل سے رکنا ممکن نظر نہ آئے، تو اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر خرچ میں کوتاہی کا ارتکاب بھی ہرگز نہ کیا جائے، چاہے اس کے لئے چند خواہشات ترک کرنے کی زحمت ہی کیوں نہ گوارا کرنی

پڑے۔

بخل کا چوتھا سبب یعنی اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی تمنا بھی باری تعالٰی کی راہ میں خرچ سے ہاتھ کو مضبوطی سے روک دیتی ہے۔

دیکھا جائے تو یہاں بھی وہی شیطان کی جانب سے تنگ دستی یا مستقبل میں حالات تبدیل ہوجانے کا پیدا کردہ خوف ہی کارفرما نظر آتا ہے۔

اس سے نجات کے لئے بھی ضروری ہے کہ وعدۂ خداوندی پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے خرچ میں بالکل کوتاہی نہ کی جائے۔

نیز خود کو بار بار یقین دلایا جائے کہ جب کوئی اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر اپنی محبوب شے خود سے جدا کرتا ہے تو اللہ ﷻ اس عمل سے خوش ہوکر نعمتوں میں اضافہ ہی فرمائے گا، ایسا نہیں کہ اس مبارک عمل کی بناء پر ناراض ہوکر موجودہ نعمتوں کی بربادی کا بھی سامان کردے۔ ایسے حضرات کے لئے صدقے کی فضیلت پر مشتمل آیات واحادیث کا مطالعہ بہت نافع رہے گا۔

نیز اس پہلو پر توجہ بھی قابل نفع رہے گی کہ بچوں کا مستقبل دو طرح کا ہے۔ ایک دنیوی، دوسرا اخروی۔ اگر واقعی اپنی اولاد سے محبت ہے تو فقط اس کے دنیوی مستقبل کی جانب ہی توجہ کیوں؟.... ان کی آخرت کی جانب بھی بھرپور توجہ ہونی چاہیے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو دنیوی مستقبل سے زیادہ اخروی مستقبل کی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ یہاں تو کوئی نہ کوئی سہارا مل ہی جاتا ہے، مرنے کے بعد نیک اعمال کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، جو قبر وحشر میں ڈھارس وتسلی کا سبب بن سکے۔

چنانچہ مال کا اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنا، اگر اس سوچ کے ساتھ ہو کہ یہ بھی اپنی اولاد کے مستقبل کی بہتری کے لئے ایک اچھی کوشش ہے، تو یقیناً بخل جیسی بری صفت سے نجات بآسانی ممکن ہے۔

بخل کا پانچواں سبب یعنی آخرت کے معاملے میں غفلت یا اس کا کامل یقین حاصل نہ ہونا

بخل کا پانچواں سبب یعنی آخرت کے معاملے میں غفلت یا اس کا کامل یقین حاصل نہ ہونا بھی بخل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔

یعنی کبھی تو انسان دنیاوی مشاغل اور آسائشوں میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ آخرت کی جانب سے توجہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ اس قسم کے افراد کے اطراف میں رہنے والے اکثر حضرات بھی اسی قسم کی سوچ کے حامل ہوتے ہیں، لھذا ان کی جانب سے بھی تیاریٔ آخرت کا احساس دلائے جانے کی امید نہیں ہوتی۔ آخر کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ واہ واہ اور نمود و نمائش وغیرہ کے لئے خرچ کرنا بے حد آسان، جب کہ رضائے الٰہی کی خاطر مال کی جدائی انتہائی دشوار محسوس ہوتی ہے۔

اور کبھی ذہن میں تصورِ آخرت ہمہ وقت موجود تو ہوتا ہے، لیکن وہاں کے حالات کی شدت و سختی کو درست طریقے سے محسوس کرنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے۔ لامحالہ انسان، ان نامساعد حالات کا سامنا کرنے سے قبل ان کی تیاری میں کوتاہی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جس کی ایک شکل بخل میں مبتلاء ہونا بھی ہے۔

اس صورتِ بخل سے نجات کے لئے ان آیات و احادیث کریمہ کا بار بار مطالعہ بہترین علاج ثابت ہو سکتا ہے کہ جن سے واضح ہوتا ہے کہ دنیاوی مال و اسباب اسی وقت تک قابلِ نفع ہیں، جب تک انسان زندہ ہے اور اسے دنیوی و اخروی

فوائد کے حصول کے لئے استعمال بھی کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد باوجود خواہش شدید ،اس پیسے سے کسی قسم کے فائدے کا حصول ممکن نہیں اور یہ کہ ایسا انسان اس معاملے میں کوتاہی کی بناء پر قبر و حشر میں بے حد شرمندگی اور پچھتاوے کا شکار ہوگا۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے،

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْۚ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْۚ۝ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَۚ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْۚ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْۚ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُۙ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُۙ۝ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُؕ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِۙ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِؕ۝ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌۙ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍۙ۝ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ۠۝ع

اور جسے اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی۔ میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سب زور جاتا رہا۔(اس کے لئے فرشتوں سے کہا جائے گا) اسے پکڑو، پھر اس کی (گردن میں) طوق ڈالو، پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ، پھر ایسی زنجیر جس کی لمبائی ستر گز ہے، اسے پرودو۔ بے شک یہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی

ترغیب نہ دیتا تھا۔تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔اور کھانے کے لئے فقط دوزخیوں کا پیپ ہے۔اسے فقط خطا کار ہی کھائیں گے۔ (الحاقہ۔18)

ان شاء اللہ ﷻ اگر غور وتفکر کا یہ سلسلہ طویل رہا تو قلب، نورانیت محسوس کرتے ہوئے، خوشنودیٔ رب میں پیسہ خرچ کرتے ہوئے بالکل تنگ دلی محسوس نہ کرے گا۔

اسباب کی تعیین اور ان کو خود سے دور کرنے پر غور وتفکر کے بعد، چند ایسے امور مزید پیش خدمت ہیں کہ جو اس صفتِ قبیحہ سے نجات یا محفوظ رہنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ مثلاً

کسی سخی آدمی کی صحبت میں رہیں اور بخیل سے دور بھاگیں۔کیونکہ انسان فطرتاً ساتھ رہنے والے کا اثر ضرور قبول کرتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، اچھے اور برے ہم مجلس کی مثال خوشبو رکھنے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی مثل ہے۔پس خوشبو رکھنے والا یا تو تجھے اس کا تحفہ دے گا یا تو اسے خریدے گا یا اس سے اچھی خوشبو پائے گا۔جب کہ بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلائے گا یا تجھے اس سے بدبو آئے گی۔ (بخاری ومسلم)

اور **حضرت ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان اپنے دوست کی راہ اختیار کرتا ہے، پس تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (ترمذی)

چنانچہ بارگاہِ الٰہی میں خرچ کرنے والے کی صحبت، دل سے بخل کو دور اور سخاوت وایثار کی جانب مائل کرے گی۔

ان آیات واحادیثِ کریمہ پر غور وتفکر کریں کہ جن میں بخل کی مذمت کو بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض اوپر ذکر کی گئی ہیں۔

سخاوت وایثار وصدقہ کی فضیلت پر مشتمل روایات کثرت سے سنیں، نیز ایسے واقعات کہ جن میں اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنے کی بناء پر انعامات عطا کیے گئے ہوں، کیونکہ ان بابرکت بشارتوں کا سننا اور نزول انعامات کا تذکرہ، دل کو مضبوط بناتا اور اللہ ﷻ پر توکل کو قوی سے قوی تر کردیتا ہے، چنانچہ اس کے بعد فی سبیل اللہ کچھ خرچ کرنا قطعاً دشوار نہیں رہتا۔درج ذیل چند روایات وواقعات بغور مطالعہ فرمائیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں سے کس کو اپنے مال کی بہ نسبت، اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے؟...صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا ہی مال زیادہ محبوب ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا تو (یاد رکھو کہ) اس کا مال تو وہ ہے، جو آگے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے، جو پیچھے چھوڑا (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، (جہنم) کی آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کے

ایک ٹکڑے (کے صدقے) کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر صبح جب بندگان خدا بیدار ہوتے ہیں، تو دو فرشتے (بحکم خدا) نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے کہتا ہے کہ یا اللہ ﷻ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ ﷻ! بخیل کا مال تباہ و برباد کردے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے ہی روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے، اے انسان! خرچ کر، تاکہ تجھ پر خرچ کیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ سے اسلام قبول کرنے کے بدلے جس چیز کا سوال کیا گیا، آپ ﷺ نے عطا فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان کی (یعنی کثیر) بکریاں عطا فرمائیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹا تو کہنے لگا، اے قوم! مسلمان ہوجاؤ۔ بے شک محمد ﷺ اس شخص کی طرح عطا فرماتے ہیں، جسے محتاج کا کوئی ڈر نہ ہو۔ ایک شخص محض دنیا کے حصول کے لئے اسلام قبول کرتا ہے، لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ اسلام اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوجاتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوکبشہ عمرو بن سعد انماری ﷺ کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن کے بارے میں، میں قسم کھاتا ہوں اور تمہارے لئے بیان کرتا ہوں، انہیں اچھی طرح حفظ کرلو۔ (پہلی یہ کہ) صدقے سے تمہارا مال کم نہیں ہوتا۔ (دوسری یہ کہ) مظلوم ظلم پر صبر کرے، تو اللہ ﷻ اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ اور (تیسری یہ کہ) جب کوئی بندہ سوال کا دروازہ کھولتا ہے، تو اللہ ﷻ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ

میں نے ایک بکری ذبح کی۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا، اس میں سے کتنا کچھ باقی ہے؟.... میں نے عرض کیا کہ (پوری صدقہ کردی ہے، فقط) ایک کندھا باقی ہے۔ آپ نے فرمایا، عائشہ! کندھے کے علاوہ سب باقی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے جنگل میں ایک بادل سے آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ اس حکم کے ساتھ ہی بادل ایک طرف کو چلا اور پتھریلی زمین پر پانی برسانے لگا۔ وہ پانی نالی کی شکل میں بہنے لگا۔ بغرض تحقیق یہ شخص پانی کے پیچھے پیچھے چلا۔ کچھ دور جا کر دیکھا کہ ایک شخص، اس پانی کو اپنے باغ میں پھیلا رہا ہے۔ اس شخص نے کام کرنے والے سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے اپنا وہی نام بتایا، جو بادل میں سنا تھا۔ اس نے نام پوچھنے کی وجہ جاننا چاہی، تو بغرض تحقیق آنے والے نے سارا واقعہ بیان کردیا۔ پھر پوچھا تم ایسی کون سی نیکی کرتے ہو، جس کے باعث یہ فضیلت حاصل ہوئی؟.... اس نے جواب دیا،

دراصل اس باغ سے جو بھی پیداوار ہوتی ہے، میں اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ تو اسی باغ میں لگاتا ہوں۔ ایک حصہ میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور ایک حصہ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ جن میں سے ایک گنجا، دوسرا کوڑھی اور تیسرا اندھا تھا۔ ان کی آزمائش کی خاطر اللہ ﷻ نے ان کی جانب ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتے نے سب سے پہلے کوڑھی سے پوچھا کہ تجھے کون سی شے سب سے زیادہ محبوب ہے؟.... کہنے لگا، اچھا رنگ اور خوبصورت جلد، تاکہ لوگ میری عزت کریں۔ فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا، جس کی برکت سے اسے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد حاصل ہوگئی۔ پھر فرشتے نے سوال کیا، تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟.... اس نے کہا، اونٹ۔ فرشتے نے اس کی پسند کے مطابق ایک حاملہ اونٹنی دے کر دعا کی کہ اللہ ﷻ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

پھر یہی فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور پوچھا، تجھے کون سی چیز زیادہ پیاری ہے؟.... اس نے کہا، خوبصورت بال اور اس گنجے پن کا دور ہونا، تاکہ لوگ میری عزت کیا کریں۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج پن جاتا رہا اور خوبصورت بال سر پر اگ آئے۔ پھر سوال کیا، تجھے کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟.... عرض کی، گائے۔ پس اسے حسب خواہش ایک حاملہ گائے دے کر فرشتے نے اس کے لئے بھی برکت کی دعا کی۔

پھر وہ اندھے کے پاس آیا اور وہی سوال کیا کہ تجھے کون سی شے زیادہ محبوب ہے۔ اس نے عرض کی، اللہ ﷻ میری بینائی لوٹا دے، تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے بحکمِ الٰہی اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اللہ ﷻ نے اسے آنکھیں عطا فرما دیں۔ پھر دریافت کیا کہ تجھے کون سا مال اچھا لگتا ہے؟...عرض کی بکری۔ پس فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری دے کر برکت کی دعا دی اور ان کے پاس سے رخصت ہو گیا۔

فرشتے کی دعا کی برکت سے ان تینوں کے جانوروں نے خوب بچے جنے حتی کہ ایک کی اونٹوں، دوسرے کی گائے اور تیسرے کی بکریوں سے وادی بھر گئی۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد اللہ ﷻ کے حکم سے وہی فرشتہ، کوڑھی کے پاس اسی کی سابقہ شکل وصورت میں دوبارہ پہنچا اور کہا،

میں غریب آدمی ہوں، حالتِ مسافری میں زادِ راہ ختم ہو گیا ہے، اب میرا، خدا اور تیرے سوا کوئی کفایت کرنے والا نہیں۔ میں تجھ سے اس خدا کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ جس نے تجھے اچھا رنگ، اچھی جلد اور اونٹ عطا فرمائے کہ مجھے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اسباب مہیا کر دے۔

کوڑھی نے جواب میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ میں نے کئی لوگوں کے حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں، لہذا میں تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ فرشتے نے کہا،

شائد میں تجھے پہچانتا ہوں، کیا تو پہلے کوڑھی نہیں تھا؟...لوگ تجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے؟...اور تو غریب تھا، پھر اللہ ﷻ نے تجھے مال نہیں دیا؟....

اس نے (صاف جھوٹ بولتے ہوئے) جواب دیا کہ یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد کی میراث میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا، اگر تو جھوٹ بول رہا ہے تو اللہ ﷻ تجھے سابقہ حالت کی طرف لوٹا دے۔

پھر وہ گنجے کے پاس، اس کی سابقہ صورت میں پہنچا اور اس سے بھی اسی طرح سوال کیا، جواب میں اس نے بھی کوڑھی کی طرح سوال رد کرتے ہوئے جھوٹ بول دیا۔ فرشتے نے اسے بھی بددعا دیتے ہوئے کہا، اگر تو جھوٹ بول رہا ہے تو اللہ ﷻ تجھے تیری پہلی حالت پر لوٹا دے۔

پھر آخر میں یہ فرشتہ، اندھے کے پاس اس کی سابقہ حالت میں پہنچا اور وہی سوال کیا۔ جواب میں اندھے نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا،

واقعی میں پہلے اندھا تھا، پھر اللہ ﷻ نے مجھے بینائی عطا فرمائی۔ میں غریب تھا، اس نے مجھے غنی کر دیا۔ خدا کی قسم! میں تجھے مال لینے سے ہرگز نہیں روکوں گا تو جو مال لے جانا چاہے، لے جا سکتا ہے۔

فرشتے نے کہا،

اپنا مال اپنے پاس رکھ، دراصل اللہ ﷻ نے تم تینوں کو آزمایا تھا، جس کے نتیجے میں اللہ ﷻ تجھ سے راضی اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ (بخاری)

حضرت ام درداء (رضی اللہ عنہا) جو کہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی خادمہ تھیں، فرماتی ہیں کہ

ایک مرتبہ حضرتِ امیر معاویہ ؓ نے دو تھیلیاں چاندی اور ایک لاکھ درہم

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں بھیجے۔آپ نے وہ تمام مال غرباء و مساکین میں تقسیم کردیا۔شام کو بغرض افطار کھانا طلب فرمایا۔میں نے روٹی اور روغنِ زیتون پیش کیا (کیونکہ اس کے سوا اور کچھ کھانے کے لئے موجود نہ تھا۔) پھر عرض کی، اتنی کثیر رقم آئی تھی، آپ نے وہ تمام کی تمام خرچ کردی، ہمارے لئے ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیا ہوتا!.....۔

آپ نے فرمایا، اگر اس وقت یاد دلا دیتیں تو ضرور منگا لیتی۔(یعنی اللہ ﷻ کی بارگاہ میں خرچ کے ذوق نے اس جانب متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہ دی)۔ (احیاء العلوم)

حضرت ربیع بن سلیمان (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ

جب امام شافعی رحمہ اللہ مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار (یعنی سونے کے سکے) تھے۔آپ نے مکے کے باہر قیام فرمایا اور وہ تمام دینار ایک چادر پر ڈال دیئے۔جو کوئی آپ کے پاس سلام کو آتا، ایک مٹھی بھر کر اسے دے دیتے۔ظہر کی نماز تک وہ تمام دینار تقسیم کردیئے اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔ (احیاء العلوم)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

میں ایک سال حج پر گیا۔بعد حج رات میں سویا تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

جب تم بغداد واپس جاؤ تو فلاں محلے اور فلاں جگہ جانا اور بہرام مجوسی کو تلاش کرنا، اس کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اللہ ﷻ تجھ سے راضی ہے۔

جب میں بغداد واپس آیا تو اس کا گھر تلاش کیا۔وہاں ایک بوڑھے سے

میری ملاقات ہوئی۔

میں نے پوچھا، کیاتو ہی بہرام مجوسی ہے؟....اس نے جواب دیا، ہاں! میں نے دریافت کیا کہ کیاتو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟....اس نے کہا، ہاں! میں نے دس، بارہ غلام آزاد کئے ہیں۔

میں نے کہا، یہ کچھ نہیں، اس کے علاوہ کچھ اور بتا؟....اس نے کہا،میرے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں،میں نے اپنے خاندان میں ان کی شادی کی تھی اوراس خوشی میں ایک ہزار مجوسیوں کو کھانا کھلایا تھا۔

میں نے کہا، یہ بھی کچھ نہیں،مزید بتا؟....اس نے کہا، ہاں یاد آیا،جس رات میرے بچوں کی شادی تھی،تمہارے دین کی ایک عورت ہمارے گھر کے قریب آئی اور ہمارے چراغ سے اپنا چراغ جلایا، جب پلٹی،تو وہ بجھ گیا۔اس نے پھر جلایا،لیکن جیسے ہی باہر نکلی،وہ پھر بجھ گیا۔تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔اس کے بعد وہ اپنے گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔

میں نے سوچا کہ شائد یہ لٹیروں کی جاسوس ہے،چنانچہ تحقیق کے لئے اس کے پیچھے چلا۔کچھ دور چلنے کے بعد وہ عورت ایک گھر میں داخل ہوگئی۔میں نے دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا تو دیکھا کہ انتہائی بوسیدہ مکان ہے اور اندر کئی لڑکیاں موجود ہیں، جو غالبًا اس کی بیٹیاں تھیں۔انہوں نے عورت سے کہا،ماں! کچھ ملا؟اب تو بھوک پر صبر کی طاقت ہی نہیں رہی۔یہ سن کر عورت رونے لگی اور کہا،

میں اپنے رب کریم سے حیاء کرتی ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسرے سے سوال کروں،خصوصًا اس کے دشمن مجوسی سے....

جب میں نے یہ بات سنی تو میرا دل بھر آیا، گھر واپس آیا اور کھانے کا ایک طباق بذات خود جا کر ان کے حوالے کیا۔

یہ پورا معاملہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک ﷫ نے فرمایا،

تجھے مبارک ہو، یقیناً رسول خدا ﷺ نے اسی عمل کے بدلے میں تیرے ایمان لانے اور تجھ سے اللہ ﷻ کے راضی ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ پھر آپ نے تمام خواب بیان فرما دیا۔ یہ سنتے ہی بہرام نے کلمہ پڑھا، اسی دم گرا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

اس واقعے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ

اے اللہ ﷻ کے بندو! مخلوقِ خدا کے ساتھ سخاوت و بھلائی کے ساتھ پیش آؤ، کیونکہ سخاوت ایک ایسا عمل ہے، جو دشمنوں کو بھی محبوبوں کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

حضرت ربیع بن سلمان (رحمہ اللہ) اپنا ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ

میں ایک مرتبہ کچھ لوگوں کے ساتھ حج پر جا رہا تھا۔ میرا بھائی بھی میرے ساتھ تھا۔ جب ہم کوفہ پہنچے تو میں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لئے بازار کی طرف چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک ویران سی جگہ میں دیکھا کہ ایک خچر مرا پڑا ہے اور بہت پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے ایک عورت چاقو سے اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر تھیلے میں رکھ رہی ہے۔ میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت کوئی بھٹیارن ہو اور یہی

مردار کا گوشت پکا کر لوگوں کو کھلا دے، چنانچہ مجھے اس کی تحقیق ضرور کرنی چاہیے، پس میں چپکے چپکے اس کے پیچھے ہولیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچی اور دروازہ بجایا۔ اندر سے پوچھا گیا، کون؟.... اس نے جواب دیا، کھولو! میں ہی بد حال ہوں۔ دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ چار بچیاں ہیں، جن کے چہروں سے بد حالی اور مصیبت ٹپک رہی ہے۔ وہ عورت اندر داخل ہوگئی اور دروازہ بند ہوگیا۔ میں جلدی سے دروازے کے قریب گیا اور اس کے سوراخوں سے اندر جھانکنے لگا۔ دیکھا کہ اندر سے گھر بالکل خالی اور برباد ہے۔ اس عورت نے وہ تھیلا ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دیا اور روتے ہوئے کہنے لگی، لو! اس کو پکالو اور اللہ ﷻ کا شکر ادا کرو۔

وہ لڑکیاں اس گوشت کو کاٹ کاٹ کر لکڑیوں پر بھوننے لگیں۔ میرے دل کو اس سے بہت ٹھیس پہنچی، چنانچہ فوراً باہر سے آواز دی، اے اللہ ﷻ کی بندی! خدا ﷻ کے واسطے اس کو نہ کھا۔ وہ کہنے لگی، تم کون ہو؟.... میں نے کہا، میں پردیسی ہوں۔ اس نے کہا، ہم تو خود مقدر کے قیدی ہیں، تین سال سے ہمارا کوئی معین و مددگار نہیں، تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟.... میں نے کہا، مجوسیوں کے ایک فرقے کے سواء کسی مذہب میں مردار کھانا جائز نہیں۔ کہنے لگی، ہم خاندانِ نبوت سے ہیں، ان کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے، جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں، لیکن ہمارا چار دن کا فاقہ ہے اور ایسی حالت میں مردار جائز ہو جاتا ہے۔

ان کے حالات سن کر مجھے رونا آ گیا، میں انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر واپس ہوا اور اپنے بھائی سے کہا، میرا ارادہ حج کا نہیں رہا۔ بھائی مجھے سمجھانے لگا اور کئی فضائل وغیرہ بتائے۔ لیکن میں نہ مانا۔ پھر اپنا احرام اور سارا سامان لیا اور نقد چھ سو

درہم میں سے سو درہم کا کپڑا اور سو درہم کا آٹا خرید اور بقیہ پیسہ اس آٹے میں چھپا کر تمام چیزیں اس عورت کے حوالے کر دیں۔

وہ اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنے لگی، پھر کہا، اے ابن سلمان! جا اللہ عزوجل تیرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمائے، تجھے حج کا ثواب عطا کرے، جنت میں جگہ عطا کرے اور اس احسان کا ایسا بدل عطا فرمائے، جو دنیا میں تجھ پر ظاہر ہو جائے۔

سب سے بڑی لڑکی نے کہا، اللہ عزوجل آپ کو اس کا دوگنا اجر عطا فرمائے اور آپ کے گناہ بخش دے۔

دوسری لڑکی نے کہا، آپ کو اللہ عزوجل اس سے زیادہ عطا فرمائے، جتنا آپ نے ہمیں دیا۔

تیسری نے کہا، اللہ عزوجل ہمارے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا حشر کرے۔

چوتھی نے کہا، اے اللہ عزوجل! جس نے ہم پر احسان کیا، تو اس کا نعم البدل جلدی عطا کر اور اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے۔

میں ان کی دعائیں سمیٹ کر واپس آ گیا اور مجبوراً کوفہ میں قیام پذیر رہا، جب کہ باقی ساتھی حج کے لئے روانہ ہو گئے۔

جب حاجی لوٹ کر آنے لگے، تو میں نے سوچا، چلو، ان کا استقبال کروں اور اپنے لئے دعا کرنے کا کہوں، شاید کسی کی مقبول دعا مجھے بھی لگ جائے۔ جب مجھے حاجیوں کا قافلہ نظر آیا، تو اپنی حج سے محرومی پر بے اختیار رونا آ گیا۔ ملاقات ہوئی، تو میں نے کہا، اللہ عزوجل تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہیں اخراجات کا اچھا بدلہ عطا کرے۔

یہ سن کر ان میں سے ایک نے کہا، یہ دعا کیسی؟..... میں نے کہا، یہ اس شخص کی دعا ہے جو

دروازے تک پہنچنے کے باوجود حاضری سے محروم رہا۔ وہ کہنے لگا، بڑے تعجب کی بات ہے کہ اب تو وہاں جانے ہی سے انکار کر رہا ہے، کیا تو ہمارے ساتھ عرفات کے میدان میں نہ تھا، تو نے ہمارے ساتھ رمی جمرات نہ کی اور کیا تو نے ہمارے ساتھ طواف نہ کیے تھے؟....

میں اس کی شہادت پر دل ہی دل میں تعجب کرنے لگا۔ اتنے میں خود میرے شہر کا قافلہ بھی آ گیا۔ میں نے انہیں اسی قسم کی دعا دی، تو وہ بھی یہی کہنے لگے کہ تو ہمارے ساتھ عرفات پر نہ تھا.. یا.. رمی جمرات نہ کی اور اب انکار کرتا ہے؟....

پھر ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا، بھائی! اب کیوں انکار کرتے ہو، کیا تم ہمارے ساتھ مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ میں نہ تھے؟....اور یاد نہیں کہ جب ہم شفیع اعظم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کر کے واپس آ رہے تھے، تو رش کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے کہ "مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ (یعنی جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے)، لو اپنی امانت واپس لو۔

حضرت ربیع (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اس تھیلی کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، بہرحال میں اسے لے کر گھر واپس آ گیا۔ عشاء کے بعد وظیفہ پورا کیا اور کافی دیر اسی سوچ میں جاگتا رہا کہ آخر یہ سب معاملہ کیا ہے۔ کچھ دیر بعد اچانک میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا اور ہاتھ چومے۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور فرمایا،

اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس بات پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے؟...تو

مانتا ہی نہیں، سن! جب تو نے میری اولاد میں سے ایک عورت پر صدقہ کیا اور اپنا زادِ راہ ایثار کر کے اپنا حج ملتوی کر دیا تو میں نے اللہ ﷻ سے دعا کی کہ وہ تجھے اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ بنا کر حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ بدلہ دیا ہے کہ چھ سو درہم کے بدلے چھ سو دینار عطا فرمائے تو اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔

پھر آپ نے بھی فرمایا، **مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ**۔ (یعنی جو ہم سے معاملہ کرتا ہے، نفع کماتا ہے)۔ حضرت ربیع بن سلمان (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ جب میں سو کر اٹھا اور تھیلی کو کھولا تو اس میں چھ سو اشرفیاں ہی تھیں۔ (رشفۃ الساوی)

نیز موت کو کثرت سے یاد کرنا بھی اس سلسلے میں بے حد معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب انسان موت کو بکثرت یاد کرتا ہے تو دنیا کی محبت میں لامحالہ کمی واقع ہوتی ہے۔ یہی محبت کی کمی مال کو بارگاہِ الٰہی میں خرچ کرنا بے حد آسان کر دیتی ہے۔

موت کو یاد کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ چنانچہ کبھی اس پہلو پر غور کیا جائے کہ میں کس طرح رخصت کیا جاؤں گا۔ یعنی جل کر مروں گا یا ڈوب کر یا ایکسیڈنٹ میں یا کسی چیز کے نیچے دب کر یا گولی کے ذریعے۔ نیز طبعی موت مروں گا یا ناگہانی آفت میں انتقال ہوگا۔ وغیرہ

کبھی موت کی سختیوں کو یاد کیا جائے۔ کبھی غسل دیئے جانے اور کفن پہنائے جانے کو۔ کبھی جنازہ پڑھے جانے اور کبھی سب کے درمیان سے آخری آرامگاہ کی

طرف جانے اور پھر قبر میں اتارے جانے کو۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان کو بخل جیسی قبیح صفت سے ہمیشہ

کے لئے محفوظ فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

بدگمانی کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک بہت بڑا اور عام ترین گناہ "بدگمانی میں مبتلا ہونا" بھی ہے۔

آپ اپنے معاشرے میں دو رشتہ داروں، میاں بیوی، بھائی بہنوں، گہرے دوستوں، بزنس پارٹنرز اور دیگر لوگوں کے درمیان قطع تعلقی اور جدائی کا بڑا سبب اسی کو پائیں گے۔

یہ ایسا موذی مرض ہے کہ بھائی کو بھائی کا اور دوست کو دوست کا سخت دشمن بنا دیتا ہے۔

بیشتر طلاقیں اسی گناہ کے سبب وقوع پزیر ہوتی ہیں۔ رشتہ داروں میں ایک دوسرے پر تعویذ گنڈے یا جادو کروانا بھی، اکثر اسی کا اثر نظر آتا ہے۔

غرض چونکہ یہ مرض ناہنجار ہزار ہا خرابیوں اور بے شمار دنیوی واخروی نقصانات کا سببِ عظیم واقع ہو رہا ہے، لہٰذا اس سے نجات کے حصول یا محفوظ رہنے کی جانب کامل توجہ مبذول کرنا اور علمی و عملی علاج کا جاننا ازحد ضروری ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اللہ ﷻ کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو۔ بے شک کوئی گمان گناہ

ہوجاتا ہے۔ (حجرات۔12)

ظن سے اجتناب کے حکم پر شریعت کے تقاضے کے مطابق عامل ہونے کے لئے، سب سے پہلے اس کی تعریف اور پھر اقسام کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

چنانچہ

امام راغب اصفہانی (رحمۃ اللہ علیہ) ظن کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں،

اَلظَّنُّ اِسْمٌ لِّمَا یَحْصُلُ عَنْ اَمَارَۃٍ ۔ظن اس اعتقاد کا نام ہے، جو کسی ظاہری علامت سے حاصل ہوتا ہے۔ (مفردات امام راغب۔صفحہ 539)

اولاً اس کی دو قسمیں ہیں۔

1. حسن ظن ،یعنی اچھا گمان رکھنا۔
2. سوئے ظن ،یعنی برا گمان رکھنا۔اسے بدگمانی بھی کہتے ہیں۔

ہر عاقل، بالغ مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ اللہ ﷻ انبیاء علیہم السلام اور تمام مسلمانوں سے حسن ظن یعنی اچھا گمان رکھے۔

مفسر عظیم، علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک حدیث نقل فرماتے ہیں،

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَہٗ وَعِرْضَہٗ وَاَنْ یَّظُنَّ بِہٖ ظَنَّ السُّوْءِ ۔اللہ ﷻ نے مسلمان سے اس کا خون، اس کی عزت اور اس سے بدگمانی حرام فرمائی ہے۔ (روح المعانی)

اور سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے مرفوعاً روایت ہے،

مَنْ اَسَاءَ بِاَخِیْهِ الظَّنَّ فَقَدْ اَسَاءَ بِرَبِّهِ الظَّنَّ ۔یعنی جس نے اپنے مسلمان بھائی سے برا گمان رکھا، بے شک اس نے اپنے رب سے برا گمان رکھا۔ (روح المعانی ۔پ 26 ۔صفحہ 428)

پھر اس سوئے ظن یا بدگمانی کی چار اقسام ہیں۔

[1] مباح (یعنی نہ گناہ، نہ ثواب)۔

[2] مستحب (یعنی کرنے پر ثواب، لیکن نہ کرنے پر گناہ نہیں)...

[3] حرام...

[4] کفر...

پہلی قسم یعنی مباح کی چند صورتیں ہیں۔

1 ۔جب نہ کرنے کی صورت میں نقصان میں مبتلاء ہونے کا یقینی وصحیح اندیشہ ہو۔ مثلاً

کسی سے مالی معاملہ مثلاً کاروبار وغیرہ میں شرکت کی جائے اور پھر پارٹنر کی مشکوک حرکات کی بناء پر بدگمانی پیدا ہو اور اس گمان کو بنیاد بناتے ہوئے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تو ایسی صورت میں یہ گمان مباح ہے یعنی اس پر گناہ وثواب مرتب نہ ہوگا۔

کیونکہ اگر واقعی اُس کی نیت درست نہیں اور یہ شخص حسن ظن ہی قائم کرتا رہ جائے، تو یقیناً کسی عظیم خسارے میں مبتلاء ہوسکتا ہے، خصوصاً ہمارے موجودہ معاشرے میں۔

لیکن اس صورت میں بھی اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں اس دوسرے شخص کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے، کیونکہ صرف ایک گمان کی بناء پر احتیاطی امور کا اختیار کیا جانا تو یقیناً جائز ہے، اپنے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانا درست نہیں۔

علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں،

سوئے ظن میں سے بعض وہ گمان ہیں کہ جن کی پیروی کرنا یعنی ان کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا، مباح ہے۔ جیسے معاشی امور میں بدگمانی۔....

کچھ آگے مزید فرماتے ہیں،

اور گمان کرنے والے کے لئے اس قسم کے گمان کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے میں حرج نہیں۔ جیسا کہ اس نے کسی شخص کے بارے میں گمان کیا کہ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے، تو یہ، اس شخص کی جانب سے پہنچنے والی تکلیف سے بچنے کے لئے ایسے طریقے سے حفاظتی اقدام کرسکتا ہے کہ دوسرے شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

روح المعانی میں حدیث منقول ہے،

اِحْتَرِسُوْا مِنَ النَّاسِ بِسُوْءِ الظَّنِّ ۔یعنی لوگوں سے سوئے ظن کے ذریعے اپنی حفاظت کرو۔ (بحوالہ طبرانی۔صفحہ 428)

2۔ جب سامنے والا ایسی حرکات میں مبتلاء ہو کہ حسن ظن قائم کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے۔

علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) تحریر فرماتے ہیں،

سوئے ظن اسی وقت حرام ہوگا کہ جب سامنے والے سے عیوب کی پوشیدگی، درستگی اور امانت و دیانت کا مشاہدہ کیا جائے اور اگر کوئی شک میں مبتلاء کرنے والے اور برے کاموں میں اعلانیہ طور پر مشغول ہو، مثلاً شراب کی دکان میں داخل ہونا یا اس سے نکلنا ۔۔یا۔۔گانے والی فاجرہ عورتوں کی صحبت اختیار کرنا ۔۔یا۔۔کسی بے ریش کی جانب نگاہِ شہوت سے دیکھنا،تو اس صورت میں سوئے ظن حرام نہیں، چاہے گمان کرنے والے نے انہیں شراب پیتے یا زناء و بدفعلی کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔

کچھ آگے نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا،

ہم ایک ایسے زمانے میں تھے کہ جس میں لوگوں سے بدگمانی حرام تھی (کیونکہ سب کا ظاہری حال بالکل درست ہوتا تھا) اور آج ،تم ایک ایسے زمانے میں ہو کہ عمل کرو، خاموشی اختیار کرو اور لوگوں سے (ان کے اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلاء ہونے کی بناء پر) جیسا چاہو گمان رکھو۔ (روح المعانی ۔پ 26 ۔ صفحہ 428)

پھر جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّب (رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے مزید نقل فرماتے ہیں کہ

مجھے، اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) میں سے میرے بعض بھائیوں نے لکھا کہ اپنے مسلمان بھائی کے معاملے کو اچھی صورت پر محمول کر، جب تک کہ تیرے پاس وہ دلیل نہ پہنچے کہ جو تجھ پر غلبہ کرلے (یعنی جب تک اس کا کوئی ظاہری عمل بدگمانی کی راہ ہموار نہ کررہا ہو)۔۔اور۔۔کسی مسلمان بھائی کی زبان سے نکلنے والے کسی کلمے کو برا گمان نہ کر،

جب تک کہ تو اس کلمے کے لئے کوئی بہتر صورت تجویز کرسکتا ہو..اور..جس نے اپنے آپ کو(اعلانیہ بری حرکتوں کے ذریعے)بدگمانی کے لئے پیش کردیا تو وہ(دوسروں کی جانب سے تہمت وبدگمانی کی صورت میں)اپنے علاوہ کسی اور کو ہرگز ملامت نہ کرے۔

(روح المعانی بحوالہ بیہقی۔پ 26۔صفحہ 428)

اور....

علامہ عبداللہ بن احمد نسفی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

وہ گمان جو گناہ ہے،وہ تیرا اہل خیر کے ساتھ بدگمان ہونا ہے اور رہے اہل فسق،تو ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان کے ساتھ ویسا گمان رکھیں،جیسا کہ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آرہا ہے۔ (تفسیر مدارک۔جلد2۔صفحہ 586)

3۔قاضی کا کسی مقدمے کی کارروائی کے دوران فریقین میں سے کسی سے بدگمان ہونا۔

دوسری قسم یعنی مستحب کی صورت یہ ہے کہ یہ سوئے ظن کسی کی اصلاح ..یا..اسے گناہ واللہ ﷻ کی نافرمانی میں مبتلاء ہونے سے بچانے کا سبب بن رہا ہو۔جیسے

باپ کا اپنے بیوی بچوں سے،استاد کا شاگردوں سے،پیر کا اپنے مریدوں سے اور حاکم اسلام کا اپنی رعایا سے،انہیں گناہ سے دور رکھنے کی نیت سے سوئے ظن رکھنا۔

لیکن اس سلسلے میں بہتر ہے کہ ماتحتوں سے متعلق پیدا ہونے والے اس

گمان کو یقین کے درجے تک پہنچائے بغیر ہی احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں یعنی جیسا ان کے بارے میں گمان پیدا ہوا، انہیں سو فیصد ویسا ہی گمان نہ کیا جائے، بلکہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ہوسکتا ہے کہ مجھے ہی سمجھنے یا اندازہ لگانے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

تیسری قسم حرام یعنی بغیر کسی شرعی عذر کے مسلمانوں سے سوئے ظن رکھنا۔

ذکر کردہ آیتِ کریمہ میں اسی گمان کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

اس کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام رازی (رحمۃ اللہ علیہ) تحریر فرماتے ہیں،

کیونکہ کسی شخص کا فعل کبھی صورت کے اعتبار سے برا محسوس ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کرنے والا اسے بھول کر کر رہا ہو۔۔یا۔۔ دیکھنے والا، (نتیجہ اخذ کرنے میں) غلطی میں مبتلاء ہو رہا ہو۔ (کبیر۔ج10۔ص110)

چوتھی قسم، جسے کفر قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ اللہ ﷻ۔۔یا۔۔اس کے کسی رسول (علیہ السلام)، خاص طور پر رحمتِ عالم ﷺ سے سوئے ظن رکھنا۔ مثلاً

اللہ ﷻ کی جانب سے کسی نعمت کے عطا کیے جانے میں دیر کی بناء پر معاذ اللہ، اسے ظالم یا بخیل یا غیر منصف گمان کرنا۔۔یا۔۔نبی کریم ﷺ کے کسی عمل کو دیکھ کر یا اس کے بارے میں کچھ سن کر غلط رائے قائم کرنا۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے تقسیم

فرماتے ہوئے اپنے دائیں اور بائیں والوں کو عطا فرمایا، لیکن اپنے پیچھے والوں کو کچھ عطا نہ کیا۔ تو آپ ﷺ کے پیچھے سے ایک کالے رنگ کا شخص اٹھا، جس نے دو سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور بولا،

یَامُحَمَّدُ!مَاعَدَلْتَ فِی الْقِسْمَةِ ۔یعنی (معاذ اللہ) اے محمد ﷺ! آپ نے تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بے حد شدید ناراض ہوئے اور فرمایا،

وَاللّٰہِ لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِیْ رَجُلاً ھُوَاَعْدَلُ مِنِّیْ ۔یعنی خدا کی قسم! تم میرے بعد کسی ایسے شخص کو نہیں پا سکتے، جو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا ہو۔

پھر فرمایا،

آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی، گویا یہ شخص ان میں سے ہے۔ وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر، شکار سے نکل جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ نسائی ۔کتاب القصاص)

یہاں اس امر کا ذکر و حفظ بھی بہت ضروری ہے کہ بندہ اللہ ﷻ سے جیسا گمان رکھے گا، وہ اللہ ﷻ کو ویسا ہی پائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے، **اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ اِنْ ظَنَّ بِیْ خَیْرًا فَلَہٗ وَاِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَہٗ** ۔یعنی میں اس گمان کے ساتھ ہوں، جو میرا بندہ مجھ سے قائم کرتا ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہے تو یہ

اس ہی کے لئے ہے (یعنی اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا) اور اگر برا گمان رکھتا ہے تو وہ بھی اسی کے لئے۔ (مسند امام احمد۔باقی مسند المکثرین)

یہی سبب تھا کہ رحمت کونین ﷺ نے ظاہری حیاتِ مبارکہ کے اختتام سے چند دن قبل اللہ ﷻ سے حسن ظن رکھنے کی خصوصی تلقین فرمائی تھی، چنانچہ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی وفات سے تین دن قبل فرماتے ہوئے سنا، **لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا ھُوَیُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ**۔تم میں سے کوئی ہرگز نہ مرے، مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ ﷻ سے اچھا گمان رکھتا ہو۔

(مسلم۔کتاب الجنۃ....)

ظن کی تقسیم کے ساتھ ہی اس سوال کا جواب بھی حاصل ہوگیا کہ اللہ ﷻ نے گمانوں کی کثرت سے کیوں منع فرمایا، مطلقاً گمان کرنے سے ہی منع فرما دیتا؟.....

کثیر کو واضح طور پر بیان نہ کرنے میں ایک اور نکتہ بھی موجود ہے، جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ صاوی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

کثیر کو مبہم ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر گمان میں احتیاط اختیار کرنا اور غور و فکر کرنا مناسب ہے، اس خوف کے سبب کہ بے احتیاطی میں ممنوعہ گمان میں مبتلاء نہ ہو جائیں۔ (صاوی۔جلد5۔صفحہ 335)

لیکن خوب اچھی طرح خیال رہے کہ سوئے ظن، حرام یا کفر اسی صورت میں ہوگا کہ جب انسان اس پیدا ہونے والے گمان پر کامل یقین کر لے۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ گمان کا پیدا ہونا شیطان کی جانب سے ہے، جس میں انسان کو کچھ اختیار حاصل نہیں ۔اور جس معاملے میں انسان کو اختیار ہی نہیں، اس میں اسے قابل گرفت ٹھہرانا، اس کی ہمت ووسعت سے زیادہ تکلیف میں مبتلاء کرنے کا باعث ٹھہرے گا ہے اور کسی کو اس کی ہمت سے تکلیف میں مبتلاء کرنا ظلم ہے اور ظلم، من جانب اللہ محال ہے ۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا،

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط اللہ، کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ آزمائش میں مبتلاء نہیں فرماتا۔ (البقرۃ۔286)

اور اس معاملے میں کامل یقین کی دو صورتیں ہیں ۔

پہلی صورت یہ ہے کہ

جب یہ خیال دل میں پیدا ہوا تو انسان کو چاہیے تھا کہ اسے فوراً جھٹک دیتا، لیکن اس نے نہ جھٹکا، حتی کہ وہ اتنا مضبوط ہو گیا کہ باطنی لحاظ سے مزاحمت بالکل ختم ہوگئی اور قلب کی جانب سے انکار، اقرار وتسلیم میں بدل گیا۔ اسی کا نام کامل یقین ہے ۔مثلاً

معاذ اللہ، شیطان نے اللہ عزوجل کے لئے ظالم ہونے کا خیال پیدا کیا۔ اگر اس خیال کی دوسری جانب یعنی ''اللہ عزوجل ظالم نہیں'' کا اعتقاد بھی دل میں موجود ہے اور انسان اس شیطانی وسوسے کو برا بھی جان رہا ہے، نیز اس نے اسے فوراً جھٹک بھی دیا، تو کسی قسم کی گرفت نہیں، کیونکہ اس کے اختیار میں اتنا ہی تھا۔

لیکن اگر ایسا نہ ہوا، بلکہ اس نے اس شیطانی خیال کو بار بار دل میں جگہ دی، حتیٰ کہ اللہ ﷻ کے ظالم نہ ہونے کا خیال بالکل ختم ہوگیا اور اس کا دل، معاذ اللہ، اللہ ﷻ کے لئے ظالم ہونے کا فیصلہ کرنے پر مطمئن ہوگیا تو اب یہ قابل گرفت ہے۔ یہی حکم دیگر مسلمانوں سے بدگمان ہونے کا ہے۔

یہی **''قلبی اعتقاد و یقین''** تھا کہ جس کے باعث اللہ ﷻ نے منافقین کی زبانی گواہی کو بے اعتبار قرار دیا اور ان کے لئے ''**لَكَاذِبُوْنَ** (یعنی وہ ضرور جھوٹے ہیں)'' فرمایا۔

جیسا کہ سورہ منافقون میں ہے،

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (المنافقون 1)

نیز...

اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔

(بنی اسرائیل۔36)

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس قسم کی پیدا ہونے والی بدگمانی کو جھٹکنے کے لئے عملی کوشش کو ترک کرنا بھی قابل گرفت قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں،

کہا گیا ہے کہ دل میں پیدا ہونے والے برے گمان کے ساتھ لٹک جانا اور بہتر تاویل کر کے اسے دور کرنے کو ترک کرنا بھی ممنوع ہے۔

(روح المعانی۔پ 26۔صفحہ 429)

دوسری صورت یہ ہے کہ

زبان سے اس گمان کے مطابق اقرار کر لے۔۔یا۔۔جو بدگمانی پیدا ہوئی، اس کے تقاضے کے مطابق عمل کر لے۔کیونکہ زبان اسی وقت اقرار کرے گی اور عمل اسی وقت اختیار کیا جائے گا کہ جب دل کسی ایک فیصلے پر پہنچ چکا ہوگا۔مثلاً

کسی نیک وباعمل مسلمان نے اپنا کوئی عذر پیش کر کے مدد کی درخواست کی۔شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔اب اگر سننے والا زبان سے کہہ دے کہ

میں یقین نہیں کرتا تم جھوٹ بول رہے ہو۔۔یا۔۔دل میں اسے جھوٹا گمان کر کے مدد سے معذرت کر لے،

تو اسے یقین کر لینے میں شمار کیا جائے گا اور اسے دیگر شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے، حرام وگناہ میں مبتلاء کہنا درست ہوگا۔

علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

اور جب سوئے ظن غیر اختیاری ہو تو جس چیز کی ممانعت کی گئی، وہ، اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا ہے۔ یعنی جس سے بدگمانی پیدا ہوئی، اسے حقیر جاننا ..یا..اس کا کوئی نقص بیان کرنا..یا..جس چیز کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی، اس کا ذکر کرنا۔ (روح المعانی۔پ 26۔صفحہ 429)

حضرت سفیان ثوری (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے،

گمان، دو ہیں۔ ایک گناہ ہے، وہ یہ ہے کہ گمان کیا اور اس کے ساتھ کلام بھی کیا۔

اور دوسرا گناہ نہیں۔ وہ یہ کہ گمان تو کیا، لیکن اس کے ساتھ کلام نہ کیا۔

(صاوی۔جلد 5۔ص 335)

اسی یقین کر لئے جانے والے گمان کو آیت مبارکہ میں اثم فرمایا گیا۔ اس میں گرفتار شدہ کو توبہ نہ کرنے کی صورت میں آخرت میں عذاب بھگتنا ہوگا۔ کیونکہ اثم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ

اَلْاِ ثْمُ الذَّنْبُ الَّذِیْ یَسْتَحِقُّ الْعُقُوْبَۃَ عَلَیْہِ ۔ اثم، وہ گناہ ہے جس کا مرتکب اس کی بناء پر عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی۔پ 26۔صفحہ 429)

کثیر احادیث میں گمان کی اس قسم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ اِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ**

اَلْحَدِیْثِ ۔بدگمانی سے بچو، بے شک بدگمانی نہایت جھوٹی بات ہے۔

(بخاری۔کتاب النکاح)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ذکر فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قبیلہ **جُھَیْنَـــہ** کے ایک چھوٹے سے حصے کی جانب بھیجا۔ بوقتِ صبح ہم ان کے پانی پر پہنچے، تو میری اور ایک انصاری کی، ان کے ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جب ہم اس پر غالب آئے، تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ دیا۔ یہ سن کر انصاری نے ہاتھ روک لیا، لیکن میں نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

یَـا اُسَامَۃُ !اَ قَتَلْتَہٗ بَعْدَ مَاقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔اے اسامہ! تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟.....

میں نے عرض کی،

یَـا رَسُوْلَ اللّٰـــہِ! اِنَّـمَا کَانَ مُتَعَوِّذًا ۔یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اس نے تو پناہ لینے کے لئے ایسا کیا تھا۔

لیکن آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟.....

آپ ﷺ بار بار یہ بات دہراتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! آج سے پہلے میں ایمان نہ لایا ہوتا۔ (بخاری۔کتاب المغازی)

یاد رکھئے کہ آپ کی یہ تمنا، فقط ندامت و افسوس کی بناء پر تھی، نہ کہ کفر سے راضی ہونے کے سبب۔ کیونکہ رضا بالکفر، کفر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تو نے اسے قتل کردیا؟.....

میں نے عرض کی، **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!اِنَّمَا قَالَھَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ** یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اس نے وہ کلمہ، محض ہتھیار کے خوف کی بناء پر پڑھا تھا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَ قَالَھَا اَمْ لَا تو نے اس کا دل کیوں نہ چیر لیا، تاکہ تو جان جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں؟.....

آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ میں آج کے دن مسلمان ہوا ہوتا۔ (مسلم۔کتاب الایمان)

حدیث میں مذکورہ خطاء، ایک اجتہادی خطا تھی، جس پر شرعی اعتبار سے کوئی گرفت نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی سزا تجویز نہ فرمائی۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ (ایک صحابی کی درخواست پر ان کے گھر) نماز (نفل) کے لئے

کھڑے ہوئے تو فرمایا، **مالک بن دُخْشُم** کہاں ہے؟....

ایک شخص نے جواباً کہا،

ذَالِکَ مُنَافِقٌ لَا یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا (ورنہ اس وقت یہاں موجود ہوتے)۔....

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

لَا تَقُلْ ذَالِکَ اَلَا تَرَاہُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ یُرِیْدُ بِـذَالِکَ وَجْہَ اللّٰہِ وَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰـہُ یَبْتَغِیْ بِذَالِکَ وَجْـہَ اللّٰـہِ ۔ایسا نہ کہہ، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس نے رضائے الٰہی کی خاطر **لا الـہ الا اللـہ** کہا ہے اور بے شک اللہ ﷻ نے ہر اس شخص پر دوزخ کو حرام فرما دیا ہے، جس نے رضائے الٰہی کا طالب ہوتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہا۔ (بخاری)

یہ ایک طویل حدیث ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ایک بدری صحابی **عِتْبان بن مالک** رضی اللہ عنہ نے، بارگاہِ رسالت ﷺ درخواست پیش کی تھی کہ میری نظر کمزور ہے اور میں لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، درمیان میں ایک نالا پڑتا ہے، جو بارش کے دنوں میں بھر جاتا ہے، لھذا مسجد میں حاضری دشوار ہے، چنانچہ آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائیں، تو ہم اسے نماز ادا کرنے کی جگہ قرار دے دیں گے۔ آپ ﷺ نے درخواست قبول فرما کر ان کے گھر میں نماز ادا فرمائی، تو یہ واقعہ ظہور پزیر ہوا۔ (بخاری۔کتاب الصلوۃ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے، اس میں لوگوں کو شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی (منافق) نے کہا،

لَا تُنفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) حَتّٰى يَنْفَضُّوْا۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرنا، یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں۔

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بات بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو بلوایا، اس نے نہایت وثوق سے قسم کھائی کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔ لوگ کہنے لگے، **كَذَبَ زَيْدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ)** ۔ یعنی زید نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جھوٹ کہا ہے.....

ان کی اس بات سے مجھے شدید صدمہ ہوا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے میری تصدیق میں، "**اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ**" والی آیت نازل فرمائی۔

(مسند امام احمد۔ مسند کوفیین)

چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گواہ موجود نہیں تھے لہذا شرعی تقاضے کے مطابق مخالفین نے قسم کھا کر خود کو محفوظ رکھا۔ اس واقعے میں تابل غور بات رحمت عالم ﷺ کا ان کے باطن کو نظر انداز فرما کر ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنا تھا۔ اگر آپ ﷺ ایسا نہ کرتے تو منافقین کو کہنے کا موقع ملتا کہ اپنے ایک صحابی کو بچانے کے لئے آپ ﷺ نے ہمارے خلاف فیصلہ فرمایا۔

نیز اسی قسم کے بارے میں اکابرین (رحمۃ اللہ علیہم) نے حصول عبرت و

نصیحت کی غرض سے کئی واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔

مروی ہے کہ

حضرت ابوالحسن نوری (رحمۃ اللہ علیہ) کی خادمہ زیتونہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے دودھ اور روٹی لانے کا حکم فرمایا۔ میں مطلوبہ چیزیں لے کر حاضر خدمت ہوئی، تو دیکھا کہ آپ کے سامنے کچھ دہکتے ہوئے کوئلے پڑے تھے، جنہیں الٹنے پلٹنے کی بناء پر آپ کے ہاتھوں پر کچھ کالک لگ گئی تھی۔ میں نے روٹی اور دودھ سامنے رکھ دیا۔ آپ نے بغیر ہاتھ دھوئے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ یا الٰہی! تیرے یہ ولی کس قدر گندے ہیں۔

یہ کہہ کر میں کسی کام سے گھر سے باہر نکلی، تو اچانک ایک عورت آ کر مجھے چمٹ گئی اور مجھ پر اپنے کپڑوں کی گٹھڑی کی چوری کا الزام لگانے لگی۔ میرے فریاد کرنے کے باوجود لوگ مجھے پکڑ کر سپاہیوں کے پاس لے گئے۔ اتنے میں حضرت اطلاع پا کر تشریف لے آئے اور میرے حق میں سفارش فرمائی۔

سپاہیوں نے اس عورت کا دعویٰ پیش کیا۔ اتنے میں ایک لڑکی وہی گٹھڑی لے کر آ گئی اور میری جان بخشی ہوگئی۔ حضرت مجھے لے کر گھر واپس آئے اور فرمایا، اب کبھی نہ کہنا کہ اللہ ﷻ کے ولی کس قدر گندے ہوتے ہیں۔ میں حیران رہ گئی اور فوراً اپنے خیال سے توبہ کر لی۔ (رسالۂ قشیریہ۔ ص657)

یاد رہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھونا سنت مستحبہ ضرور ہے، فرض وواجب نہیں۔ چنانچہ جس طرح رسول کریم ﷺ کی جانب سے اس کے کرنے کی تعلیم موجود

ہے، وہیں بسا اوقات جوازاً آپ کی جانب سے ترک کرنا بھی ثابت ہے۔ درج ذیل دو احادیثِ مبارکہ پر غور کیجئے۔

حضرت سلمان فارسی ﷛ کہتے ہیں کہ

میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ کھانے کی برکت کا باعث اس کے بعد ہاتھ دھونا ہے۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کھانے سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں ہاتھ دھونے میں برکت ہے۔

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی۔ حدیث 4023)

اور.....

حضرت عبداللہ بن حارث ﷛ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت اور روٹی پیش کی گئی۔ آپ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ کھانا تناول کیا۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ کنکریوں سے ہاتھ صاف کر لئے۔ (مشکوۃ بحوالہ ترمذی۔ حدیث 4027)

غالباً حضرت ابوالحسن نوری (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسی جوازی صورت پر عمل کیا تھا، جسے خادمہ نہ سمجھ سکیں اور منفی خیالات میں مبتلاء ہوگئیں۔

مروی ہے کہ

حضرت خواجہ نقشبند (رحمۃ اللہ علیہ)، بخارا میں، حضرت امیر کلال (رحمۃ اللہ علیہ) کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ مکان کے اندر خاص لوگوں کا

مجمع ہے اور اکھاڑے میں کشتی ہو رہی ہے۔حضرت بھی موجود ہیں اور مکمل حفاظتِ ستر کے ساتھ کشتی میں شریک ہیں۔حالانکہ اس انداز سے بہیت ریاضت کشتی لڑنے میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی،لیکن خواجہ صاحب کے قلب نے اسے پسند کیا اور حضرت سے متعلق کچھ منفی خیال دل میں جگہ پا گیا۔

یہ خیال آنا تھا کہ ذہن پر غنودگی چھا گئی،دیکھا کہ حشر کا میدان ہے اور ان کے اور جنت کے درمیان دلدل کا ایک دریا حائل ہے۔یہ گزر کر اس کے پار جانا چاہتے تھے۔چنانچہ اس میں اترے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔لیکن جتنا زور لگاتے اتنا ہی دھنستے چلے جاتے،یہاں تک کہ بغلوں تک دھنس گئے۔

اب نہایت پریشان ہوئے کہ کیا کریں۔اتنے میں دیکھا کہ حضرت امیر کلال (رحمۃ اللہ علیہ)تشریف لائے اور آپ کو ایک ہاتھ سے نہ صرف باہر نکالا،بلکہ دریا کے پار بھی پہنچا دیا۔

پار پہنچتے ہی اچانک آنکھ کھل گئی،دیکھا کہ امیر کلال (رحمۃ اللہ علیہ)قریب تشریف فرما ہیں۔اس سے پہلے کہ آپ کچھ کہتے،حضرت نے ارشاد فرمایا،

اگر ہم کشتی نہ لڑیں،تو یہ طاقت کہاں سے آئے؟....

یہ سن کر آپ فوراً ان کے قدموں میں گر گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (ملفوظات۔صفحہ 364)

دراصل اکابرین کا اس قسم کے اعمال میں مشغول ہونا خواہشاتِ نفسانی کے تابع نہ تھا،بلکہ ان کے پیشِ نظر اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر جہاد وغیرہ کے لئے توانائی کا حصول مقصود ہوتا تھا۔صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے بھی اس قسم کی ریاضتیں ثابت ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ

ایک صاحب، اولیائے کرام (رحمۃ اللہ علیہم) میں سے تھے۔آپ کی خدمت میں بادشاہ وقت، قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ان بزرگ کے پاس کچھ سیب رکھے ہوئے تھے۔

بادشاہ کے دل میں خیال گزرا کہ ان میں سے جو سب سے بڑا خوش رنگ سیب ہے، اگر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مجھے دے دیں، تو میں مان لوں گا کہ یہ ولی ہیں۔

بزرگ بعطائے الٰہی اس خیال قلب پر مطلع ہوگئے، چنانچہ آپ نے وہی سیب اٹھا کر فرمایا،

ایک مرتبہ ہم مصر گئے تھے۔وہاں ایک جگہ بہت بڑا مجمع نظر آیا۔دیکھا کہ درمیان میں ایک شخص کھڑا ہے۔قریب ہی ایک گدھا بھی موجود تھا، جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔وہ شخص ایک چیز مجمع میں موجود کسی بھی شخص کے پاس رکھتا اور پھر اس گدھے سے پوچھتا کہ بتا، وہ چیز کس کے پاس ہے؟..... حکم سن کر گدھا ساری مجلس کا دورہ کرتا اور پھر جس کے پاس ہوتی ہے قریب جا کر اسے اپنا سر مارتا۔

(پھر فرمایا) یہ حکایت ہم نے اس لئے بیان کی کہ اگر یہ سیب نہ دیں تو ہم ولی ہی نہیں، اور اگر دے دیں تو اس گدھے سے بڑھ کر کیا کمال دکھایا؟.....

یہ فرما کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت قدس سرہ۔صفحہ 342)

ناجائز بدگمانی کی مذمت وخرابی جاننے کے بعد اس کے علاج کی جانب متوجہ ہونا سعادت مندی ہے۔اس کا طریقہ کار رحمت عالم ﷺ نے خود بیان فرمایا

ہے۔چنانچہ

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ثَلاثٌ لازِمَاتٌ اُمَّتِیْ اَلطِّیَرَۃُ وَالْحَسَدُ وَسُوْءُ الظَّنِّ** تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں۔ایک بدشگونی، دوسری حسد اور تیسری بدگمانی۔

ایک شخص نے عرض کی،

مَایُذْھِبُھُنَّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِمَّنْ ھُنَّ فِیْہِ؟ وہ کون سی چیزیں ہیں، جو انہیں ان کے حامل شخص سے دور کرسکتی ہیں؟....

ارشاد فرمایا،

اِذَاحَسَدْتَ فَاسْتَغْفِرِاللّٰہَ وَاِذَاظَنَنْتَ فَلاتُحَقِّقْ وَاِذَا تَطَیَّرْتَ فَامْضِ ۔جب تو حسد کرے تو اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کر۔جب بدگمانی پیدا ہو تو اس کی تحقیق نہ کر (یعنی فوراً جھٹک دے) اور جب بدشگونی پیدا ہو تو وہ کام کرگزر۔ (روح المعانی بحوالہ الطبرانی۔پ 26۔ص 429)

معلوم ہوا کہ جب سامنے کوئی ایسا شخص ہو، جس سے بدگمانی جائز نہیں تو اس سے متعلق دل میں پیدا ہونے پر برے خیال کو جھٹک دینا چاہیے اور ہرگز ہرگز تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، ورنہ یہ کوشش، بدگمانی پر یقین حاصل ہوچکنے اور انسان کے گناہ گار ہونے کو ثابت کردے گی۔

سابقہ پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی بھی دوست، رشتہ دار،

اولاد، زوجہ، شوہر یا ماتحت کے بارے میں کسی قسم کا منفی خیال پیدا ہو تو سب سے پہلے غور کیجئے کہ اس معاملے میں اس کا سابقہ کردار کیا ہے؟....اگر مشکوک رہا ہے تو اس خیال کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے اور تحقیق میں حرج نہیں، بشرطیکہ سامنے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

اور اگر اس کا ماضی بے داغ ہے تو اس وسوسے کو فوراً جھٹک کر کوئی نہ کوئی مناسب تاویل ضرور کی جائے، تاکہ گناہ میں مبتلاء ہونے کی راہ بند ہو سکے۔

خود بدگمانی سے بچنے کے ساتھ ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی بھی ایسا کام سرزد نہ ہو کہ جس کے باعث، دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے۔درج ذیل حدیثِ مبارکہ پر غور فرمائیں۔

حضرت ابن عمر ﷛ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **اِذَا کَانُوْا ثَلاثَۃً فَلا یَتَنَاجٰی اِثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ** ۔یعنی جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔ (بخاری۔کتاب الاستئذان)

اس ممانعت فرمانے میں ایک حکمت قریب بیٹھے ہوئے تیسرے شخص کی دل آزاری کے ساتھ ساتھ اس کے بدگمانی میں مبتلاء ہو جانے کا شدید خطرہ بھی ہے۔

لھذا معلوم ہوا کہ شریعت اس بات کو ناپسند فرماتی ہے کہ جان بوجھ کر ایسی بے احتیاطی کی جائے کہ جس کے سبب لوگ بدگمانی کا شکار ہوں۔یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کا خطرہ نہ ہو تو سرگوشی کی اجازت مرحمت فرمائی۔چنانچہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، **اِذَا کُنْتُمْ ثَلَاثَۃٌ فَلَا یَتَنَاجٰی اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰی تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ اَجَلَ اَنْ یُّحْزِنَہٗ** ۔یعنی جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں، یہاں تک کہ تم لوگوں میں مخلوط ہو جاؤ (یعنی زیادہ آدمی ہو جائیں) کیونکہ اس سے اس تیسرے کو غم پہنچے گا۔

(بخاری۔کتاب الاستئذان)

نیز اگر عدم توجہی کی بناء پر کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے، جس کے باعث گمان ہو کہ کسی کے دل میں بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے تو فوراً اس کے تدارک کا سامان کرنا چاہئے۔اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ مسجد میں معتکف تھے۔بی بی صفیہ (رضی اللہ عنہا) آپ ﷺ سے ملنے کے لئے تشریف لائیں۔وہ جانے لگیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ٹھہرو میں بھی (دروازے تک) تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔جب آپ ﷺ انہیں رخصت کر رہے تھے، تو دو انصاری صحابی سامنے سے گزرے۔انہوں نے آپ ﷺ دونوں کو دیکھا، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں قریب بلا کر فرمایا، یہ میری زوجہ صفیہ ہے۔انہوں نے عرض کی، سبحان اللہ! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ ﷺ سے بدگمانی کریں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ وَاِنِّیْ

خَشِیۡتُ اَنۡ یُلۡقِیَ فِیۡ اَنۡفُسِکُمَا شَیۡئًا ۔شیطان، انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے تو میں خوف محسوس کیا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔ (بخاری۔ کتاب الاعتکاف)

ابو نعیم، عبدالرحمٰن اصبہانی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔اسی دوران حضرت امام حسن ﷺ ،کم سنی کی حالت میں تشریف لائے اور کہنے لگے،میرے بابا جان کے منبر سے اتر آیئے۔حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا، آپ سچ کہتے ہیں۔یہ کہہ کر شہزادے کو گود میں اٹھالیا۔حضرت علی ﷺ قریب ہی موجود تھے۔آپ نے فوراً کہا، خدا کی قسم! میں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔حضرت ابوبکر ﷺ نے ارشاد فرمایا، یقیناً، آپ سچ کہتے ہیں، میں آپ کو کوئی الزام نہیں دیتا۔ (تاریخ الخلفاء۔ صفحہ 147)

جناب سید ایوب علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا بیان ہے کہ

برسات کا موسم تھا۔عشاء کے وقت ہوا کے تیز جھونکے چلنے لگے، جس کی بناء پر مسجد کے کڑوے تیل کا چراغ بار بار گل ہو جاتا تھا۔ ہوا کی بناء پر روشن کرنے میں سخت دقت محسوس ہو رہی تھی ۔اس مشقت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خارج مسجد، ماچس جلانے کا حکم تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں نار وے کی دیا سلائی استعمال کی جاتی تھی ، جسے روشن کرنے پر گندھک کی بو نکلتی تھی ۔لہذا اس تکلیف سے نجات کا حل یہ نکالا گیا کہ احمد رضا صاحب کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب نے ایک لالٹین، بغیر بد بو کا تیل ڈلوا کر مسجد میں روشن کردی۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضور کی نظر اس پر پڑی، ارشاد فرمایا، حاجی صاحب! آپ نے یہ مسئلہ بار ہا سنا ہوگا کہ مسجد میں بدبودار تیل نہیں جلانا چاہئے؟.... انھوں نے عرض کیا، حضور! اس میں انڈی کا بغیر بدبو والا تیل ہے۔ فرمایا،

راہگیر دیکھ کر کیسے سمجھیں گے کہ اس لالٹین میں انڈی کا تیل جل رہا ہے؟....

وہ تو یہی کہیں گے کہ دوسروں کو فتوی دیا جاتا ہے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں نہ جلاؤ اور خود مسجد میں لالٹین جلوا رہے ہیں۔

ہاں! اگر کوئی باہر کھڑا ہو جائے اور ہر گزرنے والے کو بتاتا رہے کہ اندر جلنے والی لالٹین میں انڈی کا تیل ہے، مٹی کا نہیں، تو مضائقہ نہیں۔

یہ سنتے ہی حاجی صاحب نے اس لالٹین کو بجھا کر فوراً خارج مسجد کر دیا۔

(حیات اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بدگمانی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

عزت وتعریف کی خواہش کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک گناہ "**عزت وتعریف ومرتبے کی خواہش میں مبتلاء ہونا**" بھی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اس خواہش کو براہِ راست گناہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جس طرح سابقہ ذکر کردہ بری صفات کی ہر صورت، ناجائز نہیں، بلکہ بعض جائز بھی ہیں، اسی طرح اس کی ہر صورت بھی غیر شرعی نہیں۔ چنانچہ بسا اوقات یہ خواہش جائز بھی ہوسکتی ہے۔

لیکن چونکہ اس کی کچھ صورتیں یقیناً گناہ اور شریعت کے نزدیک سخت قابل گرفت ہیں، لھذا اس کے بارے میں جمیع تفاصیل کا جاننا اور پھر اپنا محاسبہ کرتے ہوئے علاج وحفاظت کی جانب میلان، لازم وضروری ہے۔

اس سلسلے میں عزت وتعریف ومرتبے کے حصول کی خواہش کی حقیقت، اسے محبوب رکھنے کی وجہ، اس کے حصول کی جائز وناجائز صورتیں، اس خواہش کی نظر شریعت میں قباحت، اس کی موجودگی کی علامات، ذاتی محاسبہ اور پھر علاج ذکر کیا جائے گا۔ چنانچہ

عزت ومرتبے کے حصول کی خواہش کی حقیقت یہ ہے کہ انسان، دوسروں کے قلوب کو اپنی ذات کے لئے مسخر ومرعوب ومتاثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔

پھر اس کی کئی وجوہات ہیں۔

کبھی تو فقط اس لئے کہ نفس انسانی، اس سے ایک قسم کی لذت محسوس کرتا ہے اور کبھی دنیاوی اغراض و مقاصد مثلاً مال، افرادی قوت اور دیگر سہولیاتِ زندگی کا حصول اور کئی قسم کے نقصانات سے بچنا مقصود ہوتا ہے۔

کسی کی جانب سے اپنے لئے تعریفی کلمات بھی اسی لئے اچھے لگتے ہیں کہ ان کا کسی سے صدور، اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ سامنے والے کا دل قابو میں آچکا ہے، نیز اس کی تعریف کی بناء پر دیگر لوگوں کے قلوب کے متاثر ہونے کا بھی قوی امکان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تعریف کسی صاحبِ مرتبہ و منزلت شخصیت کی جانب سے ہو، تو زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔

امام غزالی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ستائش و مدح کی پسندیدگی کے چار اسباب ذکر فرمائے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں،

معلوم ہونا چاہیئے کہ ستائش و مدح کی پسندیدگی کے چار اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ انسان اپنی بزرگی اور برتری کا ہمیشہ خواہاں رہتا ہے اور اس سلسلے میں اپنا نقصان بالکل گوارا نہیں کرتا۔ اور دوسروں کا اس کے لئے تعریفی کلمات ادا کرنا، بظاہر اس کے کمال کی دلیل ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اسے اپنے کمال میں شبہ ہوتا ہے، اس وجہ سے پورے طور پر لذت حاصل نہیں ہونے پاتی، چنانچہ جب کسی سے اپنی تعریف سنتا ہے، تو اس پر یقین کر لیتا ہے اور اسے سکون میسر آتا ہے اور پورا پورا محظوظ ہوتا ہے، کیونکہ بندہ جب اپنی ذات میں کمال کی بو پاتا ہے

تو افضلیت کے آثار مشاہدہ کرتا ہے اور افضل و اعلیٰ ہونا، انسان کو دل سے محبوب ہے۔ اور جب اپنی مذمت سنتا ہے تو نقصان پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنی تعریف یا مذمت ایسے شخص سے سنتا ہے، جو عاقل ہو اور جھوٹ بولنے والا نہ ہو، جیسے استاد یا کوئی عالم تو مذمت سے یقیناً رنج پہنچتا ہے اور تعریف سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی نادان یا جھوٹا شخص تعریف کرے تو دل خوش نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی تعریف سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ تعریف و ثنا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قائل یا ثنا گو کا دل اس کا اسیر ہوگیا ہے اور اُس کے دل میں اس کی قدر و منزلت جاگزین ہے۔ پس اگر کوئی صاحب مرتبہ و معظم شخص تعریف کرتا ہے تو بڑی حلاوت و لذت حاصل ہوتی ہے اور اگر ثنا گو کم مرتبت والا ہے تو اس قدر لذت حاصل نہیں ہوتی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ کسی کی تعریف اس بات کی بشارت دیتی ہے کہ دوسروں کے دل بھی اس کے اسیر ہو جائیں گے، کیونکہ جب یہ ثنا و ستائش کرے گا تو دوسرے لوگ خود بخود اس کے معتقد ہو جائیں گے، اس طرح ہر شخص اس کا معتقد بن جائے گا۔ پس ثنا اگر سب کے سامنے ہو اور کسی معتبر شخص کی زبانی ہو تو بہت مسرت حاصل ہوتی ہے اور مذمت کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف و ستائش اس بات کی دلیل ہے کہ ثنا کرنے والا، اس کی عظمت کے سامنے سپر انداز ہوگیا ہے اور عظمت بھی بالطبع انسان کو محبوب ہے، اگرچہ بالجبر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات جو کچھ تعریف کی جارہی ہو، اگرچہ

اس کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں، لیکن یہ اپنے قلب میں موجود تعریف کی خواہش کو محبوب رکھتا اور اس میں اپنی قدرت کا کمال سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ثنا گو، تعریف میں اتنا مبالغہ کرے کہ وہ جھوٹ معلوم ہو اور یقین ہو کہ کوئی دوسرا بھی اس پر یقین نہ کرے گا۔ یا۔ یہ خود جانتا ہے کہ سامنے والا دل سے تعریف نہیں کر رہا یا اس کی قوت وقدرت کے ڈر سے نہیں، بلکہ ازراہِ تمسخر و مذاق کر رہا ہے، تو اس صورت میں کچھ خوشی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ایسی صورت میں وہ امور موجود نہیں ہوتے، جو قلب کے باعث خوشی ہیں۔ (کیمیائے سعادت۔ بتغیر ما)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے بعض صورتیں جائز، جب کہ کچھ ناجائز ہیں۔ چنانچہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ

انسان کے عزت و مرتبے کے حصول کے پانچ طریقے ہیں۔ جن میں سے دو مباح اور تین حرام ہیں۔

مباح سے مراد یہ ہے کہ ان کے ارتکاب میں نہ گناہ ہے، نہ ثواب۔

مباح طریقوں میں سے،

✿ پہلا یہ کہ انسان اپنے عیوب ونقائص چھپا کر رکھے۔ یعنی بسا اوقات کسی کی ذات میں کچھ ایسے عیوب موجود ہوتے ہیں کہ اگر لوگ ان پر واقف ہو جائیں تو ان کی نگاہوں میں اس کا سابقہ وقار قائم نہ رہے گا، یونہی سابقہ زندگی میں کئے بعض گناہوں کا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اگر کوئی ان عیوب اور گناہوں کو ظاہر ہونے سے اس غرض سے چھپائے کہ میری موجودہ عزت قائم رہے، وقار میں کمی

نہ آئے اور میں ہر قسم کی بدنامی سے محفوظ رہوں، تو قیامِ عزت ووقار کے سلسلے میں اس کی یہ کوشش قابل گرفت نہیں۔

اور

❂ دوسرا، کسی کی جھوٹی تعریف کو رد نہ کرنے یا غلط حسن ظن قائم کرنے پر خاموش رہنے کے ذریعے۔ مثلاً کسی نے زید کے بارے میں حسن ظن قائم رکھتے ہوئے، اسے تہجد گزار قرار دیا، جس سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے، حالانکہ زید تہجد گزار نہیں، اب اگر زید کسی اچھی مصلحت وحکمت کی وجہ سے اس کا رد نہ کرے، تو اس کا یہ عمل مباح قرار دیا جائے گا۔

ہاں اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ زید کی پہلے سے ہی یہ خواہش نہ ہو کہ اس طرح غلط بیانی کے ذریعے لوگوں کو میری جانب مائل کیا جائے، اسی طرح اس امر کے لئے کوئی ماتحت وغیرہ مخصوص نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ بعض جعلی قسم کے پیر وعاملین حضرات کے ہاں دیکھا گیا ہے، ورنہ قابل گرفت ٹھہرے گا۔

اور حرام ذرائع یہ ہیں،

❂ پہلا یہ کہ انسان ریاءکاری کے ذریعے عزت وتعریف کا خواہاں ہو۔

❂ دوسرا، کسی کی جھوٹی تعریف کر کے۔

اور.... ❂ تیسرا کسی ناجائز وحرام کام کے ذریعے۔ جیسے بہت سے بدمعاش و دہشت یا رشوت وغیرہ کے ذریعے، عزت یا تعریف حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔

ان میں سے پہلے دو مباح ہونے کی وجہ سے گناہ وثواب سے خالی

ہیں، لیکن آخری تین حرام ہونے کی وجہ سے لائق نفرت وقابل مذمت ہیں۔

ہر مسلمان کو عزت وتعریف کے حصول کے ذرائع کے سلسلے میں اپنا محاسبہ کرنا اشد ضروری ہے، تا کہ جانا جا سکے کہ ان چیزوں کے حصول کے لئے حرام ذرائع کا ارتکاب تو نہیں کیا جا رہا۔ اگر جواب ہاں میں ہو تو فوراً اللہ ﷻ کی جانب رجوع کر کے، علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مرض کے علاج میں مکمل کامیابی کے لئے مناسب ہے کہ پہلے اس کے **نقصانات** کو جانا جائے اور پھر وقتاً فوقتاً اس پر غور وتفکر کی سعادت بھی حاصل کی جائے۔ کیونکہ نقصانات جتنے شدید ہوتے ہیں، مرض کو دور کرنے کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے، لامحالہ علاج کی جانب رغبت بھی اتنی ہی زیادہ اور اس پر استقامت اتنی ہی شدید ہونی چاہیے۔

مذکورہ بیماری کے علاج کے سلسلے میں بھی اس طریقہ کار کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس مرض کا شکار، دو قسم کے **نقصانات** کا سامنا ضرور کرتا ہے۔

پہلی قسم، نقلی نقصانات کی ہے یعنی وہ نقصانات کہ جنہیں قرآن، حدیث یا اقوال بزرگان دین کے ذریعے جانا گیا ہے۔ ان میں سے چند **نقصانات** درج ذیل ہیں۔

ان میں سے ایک، ایسے شخص کے لئے اخروی انعامات سے محرومی کی توقع ہے۔ کیونکہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا یعنی یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے تیار کرتے ہیں، جو زمین میں بلندی تلاش نہ کریں اور نہ فساد برپا کریں۔ (القصص۔83)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مال اور مرتبے کی محبت، قلب مؤمن میں منافقت کو اس طرح بڑھاتی ہے، جیسے پانی سبزہ اگاتا ہے۔ (کنز العمال)

یونہی منقول ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے، بکریوں کے ریوڑ میں اتنی تباہی نہیں مچاتے، جتنی مال اور عزت و آبرو کی تمنا، مسلمان کے دین کو خراب کرتی ہے۔

(ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، لوگوں سے تعریف سننے کو محبوب رکھنا، اندھا اور گونگا کر دیتا ہے۔ (مسند الفردوس)

اس خواہش بد کی بناء پر اندھا اور گونگا ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان تعریف کرنے والوں کی ناراضگی کے خوف کی بناء پر ان کے عیوب کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتا۔۔اور۔۔قدرت رکھنے کے باوجود اصلاح کی مخلصانہ کوشش سے محروم رہتا ہے، کیونکہ اس کی جانب سے نقائص کی اصلاح کی کوشش، سلسلہ تعریف کو رکوا سکتی ہے۔

حضرت بشر (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرمایا کرتے تھے کہ

میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا، جو شہرت کا طالب ہو اور اس کا دین تباہ اور وہ خود ذلیل و خوار نہ ہوا ہو۔ (احیاء علوم الدین)

آپ کا ہی ارشاد ہے،

جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں میں مشہور رہو، وہ آخرت کی لذت نہیں پا سکتا۔ (ایضاً)

حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) **کا ارشاد ہے،**

اس نادان شخص کے دل کو کبھی سکون میسر نہیں آئے گا، جو یہ دیکھ رہا ہے کہ کچھ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں (اور یہ ان کا مقتداء و پیشوا بن کر آگے آگے جا رہا ہو)۔

(کیمیائے سعادت)

حضرت ابراہیم بن ادھم (رحمہ اللہ تعالیٰ) **کا ارشاد ہے،**

جو شخص شہرت اور نام و نمود کا خواہاں ہو، وہ خدا کے دین میں صادق نہیں (یعنی دولتِ اخلاص سے محروم ہے)۔ (کیمیائے سعادت)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ خواہش فی نفسہ اچھی نہیں، بلکہ اس میں ہزار ہا قسم کے نقصانات پوشیدہ ہیں، لھٰذا اجتناب میں ہی بہتری ہے۔ خصوصاً ان حضرات کے لئے کہ جن کی ذات میں کسی قسم کا قابلِ تعریف وصف موجود نہیں ہوتا، لیکن وہ پھر بھی لوگوں کی جھوٹی تعریفوں سے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے بھی خاص طور پر وہ کہ جو جھوٹی تعریفیں سن کر خود کو اس وصف کا حامل سمجھنا شروع کر

دیتے ہیں۔

حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،کسی انسان کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ لوگ اس کے دین یا دنیا کے حوالے سے اس کی جانب انگلیوں سے اشارہ کریں، البتہ جس کو اللہ ﷻ محفوظ فرمائے۔ (شعب الایمان)

یاد رہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں، جو دین میں بدعت ایجاد کر کے یا فسق و فجور کے ذریعے یا عبادات و دیگر نیک اعمال کا ارتکاب ریاء کے ساتھ کر کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں۔ چنانچہ جو بدعتی و فاسق نہ ہو اور نیک اعمال کا ارتکاب اخلاص کے ساتھ کرے اور پھر اللہ ﷻ بغیر اس کی خواہش کے اسے شہرت سے نواز دے،تو وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

حضرت علی ﷛ کا ارشاد ہے،

خرچ کرو، لیکن مشہور نہ کرو۔اپنی شخصیت کو اس طرح بلند نہ کرو کہ تمہارا ذکر کیا جائے اور لوگ تمہیں جانیں، بلکہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھو اور خاموشی اختیار کرو، محفوظ رہو گے،نیک لوگوں کو خوشی ہوگی اور بدکاروں کو غصہ آئے گا۔ (احیاء علوم الدین)

دوسری قسم، عقلی نقصانات کی ہے یعنی وہ نقصانات کہ جنہیں قرآن، حدیث یا اقوال بزرگان دین کے بجائے عقل کے ذریعے جانا جا سکتا ہے۔ان میں سے بھی چند نقصانات درج ذیل ہیں۔

جب عزت کا متمنی انسان،عزت و شہرت پا جائے تو اسے مختلف خوف

دامن گیر ہو جاتے ہیں۔ کبھی حاسدین و دشمنوں کی جانب سے جان و مال کا خوف، تو کبھی زوال عزت کا ڈر۔ اور پھر یہ خوف، اسے مختلف امراض کا شکار اور نفسیاتی مریض بنا دیتے ہیں۔

یونہی عورت ہو یا مرد، مشہور ہو جانے پر بہت سے محبت کرنے والے ان کے قریب ہونا چاہتے ہیں، جس کی بناء پر گھریلو زندگی پر منفی اثرات مرتب ہونا ایک لازمی امر ہے۔ خصوصاً جب شوہر و بیوی میں سے کوئی فریق شکی مزاج ہو۔

یونہی تعریف کی خواہش کی تکمیل بھی اپنے ساتھ شدید نقصانات لے کر آتی ہے کیونکہ

اس کے باعث انسان خود کو باکمال سمجھنا شروع کر دیتا ہے، لھذا محاسبے سے غافل ہو جاتا ہے اور یوں اس کی ذات میں بہت سے عیوب و نقائص باقی رہ جاتے ہیں۔

ایسا شخص خوشامد پسند ہو جاتا ہے۔ یوں مخلص دوست حاصل نہیں ہو پاتے۔

اس کی عادت پختہ ہو جانے کی بناء پر تعریف نہ کرنے والے مخلص دوست بھی برے محسوس ہوتے ہیں، یوں آہستہ آہستہ ان سے دوری ہو جاتی ہے اور ان کی جگہ ذاتی مفادات سے دلچسپی رکھنے والے لے لیتے ہیں۔

نیز تنقید سخت ناپسند ہو جاتی ہے، چنانچہ اصلاح سے محرومی رہتی ہے اور یوں بھی اس کی ذات عیوب و نقائص اور بری صفات کا مجموعہ بن جاتی ہے۔

ایسے شخص کے کان ہر ایک سے تعریفی کلمات سننے کے لئے بے چین رہتے ہیں، چنانچہ جب کسی سے یہ مقصود حاصل ہوتا نظر نہیں آتا تو شدید صدمہ محسوس ہوتا ہے اور یوں ایک مسلسل غم، ہمیشہ کا ساتھی بن جاتا ہے، جس کے طبی لحاظ سے بہت سے نقصانات مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

اس مرض میں گرفتار حضرات، مذکورہ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے غلط اقدامات کا شکار بھی ہوجاتے ہیں، جن میں سے ایک، دوسرے کی بے جا۔۔یا۔۔جھوٹی تعریف کرنا بھی ہے۔عموماً شعراء حضرات اس کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں۔یوں انسان فقط ایک نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے بار بار گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

جب کوئی اپنی تعریفی راہ میں رکاوٹ بنتا نظر آئے تو غیبت، چغلی، جھوٹ، الزام تراشی، بلکہ کبھی کبھی تو جسمانی نقصان، جادوٹونے اور قتل تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

قریب رہنے والوں پر جب ایسے حضرات کی یہ کمزوری واضح ہوجاتی ہے تو وہ جھوٹی عزت دے کر اور تعریف میں مبالغہ آرائی کے ذریعے، ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کردیتے ہیں۔

بعض اوقات عزت وتعریف حاصل کرنے کے سلسلے میں کوشش کا ناجائز ہونا لوگوں پر واضح ہوجاتا ہے، جس کے باعث، عزت کے بجائے ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عقلی ونقلی نقصانات کی معرفت کے بعد اپنی ذات میں اس کی علامات کا مشاہدہ بھی بہت ضروری ہے، لھذا اس مرض کا گرفتار درج ذیل علامات سے مزین نظر آئے گا۔

- وہ خود کو باکمال سمجھنا شروع کر دیتا ہے، جس سے آہستہ آہستہ تکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔
- ایسا شخص اپنے محاسبے سے غافل ہو جاتا ہے، جس کی بناء پر اس کی ذات میں بہت سے عیوب ونقائص باقی رہ جاتے ہیں۔
- نیز ایسا شخص خوشامد پسند ہو جاتا ہے۔
- مخلص دوست اگر تعریف نہ کریں یا اس کی عزت میں کسی قسم کی کوتاہی کرتے نظر آئیں، تو ان سے قطع تعلق میں دیر نہیں کرے گا، چاہے بعد میں اس کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔
- غیر مخلص اور فقط اپنے ذاتی مفادات سے محبت رکھنے والے مطلب پرست لوگوں کو پہچاننے کے باوجود، ان کی جانب سے دی جانے والی عزت اور تعریفی جملوں کی بناء پر انہیں خود سے کبھی دور نہ کرے گا، چاہے اس سلسلے میں گھر والے اور قریبی مخلص دوست، کتنا ہی سمجھانے کی کوشش کریں۔
- ایسے شخص کے کان فقط تعریف سننا ہی پسند کریں گے، چنانچہ صحیح ودرست تنقید واصلاح بھی قلب پر بے حد گراں گزرنے لگتی ہے۔
- جب ایسے شخص کو کسی سے مطلوبہ عزت یا مقصودہ تعریف حاصل نہ

ہو تو وہ شدید صدمہ اور قلب میں سخت بے چینی محسوس کرتا ہے۔

❁ ایسا شخص اپنی عزت کے چکر میں سخت فاسق وفاجر قسم کے لوگوں کی بھی عزت وچاپلوسی کرتا نظر آئے گا۔ نیز اپنی تعریف سننے کی خواہش بد، دوسروں کی جھوٹی تعریف بھی کرواتی دکھائی دیتی ہے۔

❁ جب کوئی دوسرا اس کی عزت یا تعریف کی راہ میں رکاوٹ یا کمی کا سبب بنتا نظر آئے، تو چاہے قریبی دوست یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اسے راستے سے ہٹانے کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز اقدامات مثلاً غیبت، چغلی، جھوٹ، الزام تراشی، جسمانی ومالی نقصان، حتی کہ بعض صورتوں میں قتل سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

❁ جس کی جانب سے عزت وتعریف کا حصول یقینی ہو، چاہے اس میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں، اختتام تعریف وعزت کے خوف کے باعث، اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرے گا۔

مذکورہ علامات کی روشنی میں آخرت سے سچی محبت رکھنے والے مسلمان مرد یا عورت کے لئے، اپنا ذاتی محاسبہ کچھ مشکل نہیں۔ پھر بھی آسانی کی خاطر درج ذیل نکات محاسبے کے لئے حاضر ہیں۔

❁ کیا آپ ہر ایک سے اپنی تعریف سننے کے متمنی رہتے ہیں؟....

❁ کیا کسی محفل میں شرکت کرتے ہوئے دل میں یہ تمنا بیدار ہوتی ہے کہ آپ کو نمایاں مقام پر بٹھایا جائے۔

❁ لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے ان کی جانب سے پرتپاک انداز

سے ملنے اور سلام میں پہل کرنے کی خواہش تو دل میں انگڑائی نہیں لیتی؟.....

❁ آپ نے تعریف وعزت کے حصول کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا ہے، مباح یا.....؟۔

❁ آپ نے کسی مخلص دوست کو فقط اس لئے تو خود سے دور نہیں کر دیا کہ وہ آپ کی تعریف کرنے یا عزت فراہم کرنے میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا تھا؟.....

❁ آپ کے گرد تنقید برائے اصلاح والے افراد جمع رہتے ہیں یا خوشامد و چاپلوسی اور جھوٹی تعریفوں کے پل باندھنے والے؟.....

❁ آپ کسی کی اصلاح کرنے سے فقط اس لئے تو نہیں رک جاتے کہ اس کی جانب سے عزت دیے جانے یا تعریفی کلمات ادا کرنے میں کمی یا اس کے خاتمے کا خطرہ نظر آتا ہے؟.....

❁ کیا آپ اپنی تعریف یا عزت کی راہ میں رکاوٹ بننے والے حضرات کے ساتھ انتقامی کاروائی تو نہیں کرتے؟.....

❁ اگر کوئی آپ کی تعریف نہ کرے یا آپ کے حسبِ خواہش عزت فراہم نہ کرے تو دل میں اس کی محبت میں کمی تو محسوس نہیں کرتے؟.....جب کہ عزت فراہم کرنے والا اور تعریف کا مرتکب، بہت پیارا محسوس ہوتا ہے؟.....

❁ آپ اپنی تعریف وعزت کی خاطر گناہ گار و بدکار قسم کے لوگوں کی جھوٹی تعریفوں میں تو مشغول نہیں ہوتے؟.....

اگر کسی مسلمان بھائی یا بہن کو اپنی ذات میں اس خواہش کی زیادتی اور

پھراس کے لئے ناجائز طریقوں کا اختیار کیا جانا محسوس ہو تو اسے ضرور **علاج** کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے ،تا کہ دنیا کی یہ تھوڑی سی عزت ، آخرت کی دائمی ذلت کا سبب نہ بن جائے ۔ چنانچہ اس کے لئے درج ذیل امور کا اختیار کیا جانا مفید رہے گا ۔

ایسے حضرات کو گمنامی کے **فضائل** پر بار بار غور کرنا چاہیئے ،تا کہ مخلوق خدا کی جانب سے امید منقطع ہو کر باری تعالٰی کی جانب مبذول ہو جائے ۔

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے ،تو حضرت **معاذ بن جبل** رضی اللہ عنہ کو قبر انور کے پاس روتے ہوئے پایا ۔آپ نے وجہ دریافت کی ،تو انہوں نے جواب دیا کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے ۔ بے شک اللہ عزوجل، متقی اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے والے کو محبوب رکھتا ہے ۔ایسے لوگ کہ جب غائب ہوں ،تو لوگ انہیں تلاش نہ کریں ۔جب کہیں آئیں ،تو کوئی انہیں جانتا نہ ہو، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں ۔ (المستدرک للحاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ، بہت سے بکھرے بال ، گرد آلود چہرے اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے لوگ بھی ہیں ، جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی ،لیکن اگر (کسی معاملے میں) اللہ عزوجل پر قسم کھا لیں ،تو اللہ عزوجل اسے پورا فرما دیتا ہے ۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ دو پرانے کپڑے پہننے والے ایسے بھی ہیں کہ جنہیں کوئی ٹھکانہ نہیں دیا جاتا ، لیکن اگر وہ اللہ عزوجل پر قسم کھالیں تو وہ اسے پورا فرما دیتا ہے ۔ اگر وہ اس سے جنت کا سوال کریں تو وہ انہیں جنت عطا فرما دیتا ہے ، لیکن اگر دنیا مانگیں تو نہیں دیتا ۔ (احیاء بحوالہ ابن ابی الدنیا)

یعنی اللہ عزوجل کا انہیں دنیا سے محروم رکھنا ، ان کی اہمیت کی کمی کی بناء پر نہیں ، بلکہ محبوبیت کی وجہ سے ہے ، کیونکہ اللہ عزوجل اپنے محبوب بندوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اگلی حدیث میں یہی علت ذکر کی گئی ہے ۔ چنانچہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم میں سے ایک درھم یا ایک پیسہ مانگیں تو تم نہ دو ، لیکن اگر وہ اللہ عزوجل سے جنت کا سوال کریں تو وہ انہیں جنت عطا فرما دے گا اور اگر اس سے دنیا کا سوال کریں تو وہ انہیں نہ دے گا اور ان سے دنیا اس لئے روکی گئی ہے کہ وہ (یعنی دنیا) اللہ عزوجل کے نزدیک حقیر ہے ۔ بہت سے (فقط) دو چادروں والے اگر اللہ عزوجل پر قسم کھالیں تو اللہ عزوجل ان کی قسم کو پورا فرمادے گا ۔ (الطبرانی فی الاوسط)

حضرت محمد بن سوید (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے مروی ہے کہ

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا ۔ وہاں ایک نیک شخص بھی تھا ، جو اپنا اکثر وقت مسجد نبوی میں گزارا کرتا تھا ۔ لوگ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے ۔ جب اہل شہر پریشان ہو کر دعاء کے لئے حاضر ہوئے تو اس نے دیکھا ایک شخص

آیا، جس نے دو پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر یوں مشغول دعا ہوا، یا الٰہی! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اسی وقت ہم پر بارش برسادے۔ اس نے ابھی ہاتھ بھی نیچے نہ کیے تھے کہ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا اور بارش برسنے لگی اور اتنی برسی کہ مدینہ منورہ والے ڈوبنے کے خوف سے چیخنے چلانے لگے۔ اس وقت اس نے دوبارہ دعا کی کہ اے رب کریم! اگر تیرے علم کے مطابق یہ بارش کافی ہے تو مزید بارش روک دے۔ جیسے ہی دعا ختم ہوئی اس بار بھی فوراً بارش رک گئی۔

وہ نیک شخص یہ تمام منظر دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ جب دعا مانگنے والا گھر واپس چلا، تو یہ بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر تک پہنچ گیا۔

دوسرے دن اس کے پاس پہنچا اور تمام معاملہ بیان کر کے دعا کی درخواست کی۔ اس نے کہا سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں، حالانکہ آپ تو اعلیٰ مقام والے ہیں۔

نیک شخص نے پوچھا، اللہ ﷻ نے کس عمل کی وجہ سے آپ کو یہ مرتبہ عطا فرمایا؟..... اس نے کہا، میں اللہ ﷻ کے احکام بجالاتا ہوں، چنانچہ جب میں نے دعا کی، تو اس نے قبول فرمالی۔ (احیاء)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے،

لوگو! علم کے چشمے اور ہدایت کے چراغ بنو۔ گھروں میں بیٹھے رہو (یعنی فضول باہر نہ نکلو)، رات کے چراغ اور تازہ دل رہو اور تمہارے کپڑے پرانے ہوں، تو آسمان والے تمہیں پہچانیں گے، اگرچہ زمین والوں کے نزدیک تم معمولی سمجھے جاؤ گے۔

(احیاء)

حضرت ابو امامہ ﷺ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے، میرا قابل رشک بندہ وہ ہے کہ جس کے اہل وعیال کم ہوں، وہ نمازی ہو، میری اچھے انداز سے عبادت کرے، تنہائی میں بھی میرا اطاعت گزار ہو، لوگوں میں گمنام ہو اور اس کی جانب انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے، پھر اس حالت پر صبر بھی کرے۔ (ترمذی)

- عزت وتعریف کے حصول کے طریقوں اور بعد حصول، اپنی جانب متوجہ ہونے والے نقصانات پر سنجیدگی سے غور وتفکر کی سعادت حاصل کی جائے۔
- اس سلسلے میں اکابرین کے عمل واقوال کا بکثرت مطالعہ کیا جائے۔

درج ذیل مرویات بغور ملاحظہ فرمائیے۔

بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کہیں سفر پر جارہے تھے۔ کچھ لوگ از روئے ادب ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ آپ علیہ السلام نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، اللہ ﷻ اس امر سے خوب واقف ہے کہ میں اس بات سے خوش نہیں ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں غضب الٰہی سے خوف زدہ نہ ہوتا۔ (کیمیائے سعادت)

مروی ہے کہ

جب حضرت خالد بن معدان (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے درس میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تو شہرت کے خوف سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ (احیاء)

منقول ہے کہ

جب حضرت ابوالعالیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس تین سے زیادہ آدمی بیٹھ جاتے،تو آپ وہاں سے فوراً اٹھ جاتے تھے۔ (ایضاً)

کہا جاتا ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دس افراد پر مشتمل ایک جماعت کو اپنے ساتھ چلتے دیکھا،تو فرمایا،طمع کی مکھیاں اور جہنم کے پروانے ہیں (یعنی ان کی موجودگی سے شہرت کا لالچ بڑھتا ہے اور باطنی بگاڑ میں اضافہ جہنم میں دخول کا سبب بن سکتا ہے)۔ (ایضاً)

حضرت سلیم بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک مرتبہ ہم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سامنے سے تشریف لائے۔جب آپ نے یہ منظر ملاحظہ فرمایا،تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اپنا کوڑا بلند کیا،انہوں نے گھبرا کر عرض کی یاامیر المومنین!یہ آپ کیا کررہے ہیں؟...آپ نے فرمایا،یہ طریقہ پیچھے چلنے والوں کے لئے ذلت اور آگے چلنے والے کے لئے آزمائش ہے۔ (ایضاً)

مروی ہے کہ

ایک شخص ابن محیریز (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے ساتھ محوِ سفر تھا۔جب جدائی کا وقت قریب آیا،تو نصیحت کے لئے عرض گزار ہوا۔آپ نے فرمایا،اگر ہوسکے،تو اس طرح ہوجاؤ کہ تم لوگوں کو پہچانو،لیکن لوگ تمہیں نہ پہچانیں۔تم چلو،تو کوئی تمہارے ساتھ نہ چلے۔تم لوگوں سے سوال کرو،لیکن کوئی (تمہیں اہم سمجھتے ہوئے) تم سے سوال نہ کرے۔

(ایضاً)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت ایوب سختیانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) باہر نکلے تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ چلنے لگے۔ انہیں ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، اگر میں نہ جانتا کہ اللہ ﷻ کو معلوم ہے کہ میں اس حالت کو ناپسند رکھتا ہوں تو مجھے عذاب کا خوف نہ ہوتا۔ (ایضا)

حضرت سفیان ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے تھے کہ

اسلاف شہرت سے بچتے تھے، چاہے وہ عمدہ کپڑوں کے ذریعے ہو یا ادنیٰ قسم کے کپڑوں سے، کیونکہ نگاہیں دونوں کی جانب اٹھتی ہیں۔ (ایضا)

کیونکہ اگر کوئی اچھا کپڑا پہنے، تب بھی لوگ متوجہ ہوتے ہیں اور کوئی مشہور، خصوصا دینی اعتبار سے معروف شخصیت ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنیں، تب بھی لوگ عاجزی و سادگی کا پہلو تلاش کر کے اسے قابل تعریف سمجھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہا کرتے تھے کہ

میری آنکھ نے اس دنیا میں فقط ایک دن ٹھنڈک محسوس کی ہے، وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ میں نے شام کی ایک مسجد میں رات بسر کرنا چاہی۔ میرا پیٹ خراب تھا، لیکن موذن نے میرا پاؤں گھسیٹ کر مجھے مسجد سے باہر کر دیا تھا۔ (احیاء)

مروی ہے کہ

ایک شہر کا امیر، کسی زاہد سے ملنے گیا تا کہ اس کی خدمت کر کے سعادت حاصل کرے۔ جب زاہد نے دور سے دیکھا کہ امیر اس کی ملاقات کو آرہا ہے تو اس نے جان بوجھ کر روٹی کے بڑے بڑے لقمے کھانے شروع کر دیے۔ امیر اس کی

خودساختہ حرص و لالچ سے بدظن ہو کر واپس چلا گیا۔ (کیمیائے سعادت)

آخر میں چند معروضات بنظر توجہ ملاحظہ کیجئے۔

{1} مدح و ذم کے سلسلے میں لوگوں کے چار احوال بیان کئے گئے ہیں، غور کیجئے کہ آپ کا شمار ان میں سے کن کے ساتھ ہوتا ہے۔

پہلی قسم ان لوگوں کی ہے، جو مدح و تعریف سے خوش اور مذمت سے ناراض ہوتے ہیں۔ یہ تعریف کرنے والے حضرات کو بے حد پسند اور تنقید و مذمت کو سخت ناپسند رکھتے ہیں۔ تعریف کرنے والے کو خود سے قریب کر لیتے اور اس پر انعامات کی بارش کر دیتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی نکما کیوں نہ ہو.. اور.. اس کے برعکس تعریف نہ کرنے اور مذمت کرنے والے سے سخت ناراض ہو کر اسے خود سے دور کر دیتے اور کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنے سے محروم کر دیتے ہیں، چاہے وہ کتنی ہی صلاحیتوں کا مالک اور کام کا آدمی ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اس سلسلے میں سب سے بدترین قسم ہے اور ان کا یہ فعل بعض صورتوں میں گناہ بھی شمار ہوتا ہے۔

دوسری قسم میں ان خواتین و حضرت کا شمار کیا جاتا ہے، جو مدح سے خوش اور مذمت سے ناراض ہوتے ہیں، لیکن ان دونوں کیفیات کا اظہار نہیں ہونے دیتے یعنی دل ہی دل میں خوشی یا غم محسوس کرتے ہیں، لیکن نہ تو تعریف کرنے والے کے لئے انعامات مختص کئے جاتے ہیں، نہ مذمت کرنے والے سے ناراض ہو کر انتقامی کارروائی کی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی ﷺ کہیں جلوہ افروز ہوئے تو صاحب خانہ نے بیٹھنے کے لئے مسند پیش کی، آپ اس پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا، **لَایَأْبٰی الْکَرَامَۃَ اِلَّاالْحِمَارُ** ۔یعنی کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔ (دیلمی)

{3} بسا اوقات ہم دوسروں کی تعریف کرتے ہیں یا انہیں عزت فراہم کرتے ہیں، اس میں چند باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

- تعریف میں جھوٹ کی آمیزش بالکل نہ ہو، کیونکہ جھوٹ بولنا حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔
- تعریف میں بہت زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اس تعریف سے سامنے والے کے قلب میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ایسی مدح شرعاً ممنوع ہے۔

مروی ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی کی (مبالغے کے ساتھ) تعریف کی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تیرا برا ہو تو نے اپنے مسلمان بھائی کی پیٹھ توڑ دی، اگر وہ اسے سن لیتا تو قیامت تک فلاح نہ پاتا۔ (ترمذی)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، سنو! ایک دوسرے کی (مبالغے کے ساتھ) تعریف نہ کرو اور جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو (یعنی انہیں روک دو)۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی نے دوسرے مسلمان کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی۔ آپ ﷺ نے یہ بات کئی مرتبہ دہرائی۔ پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی کے لئے، دوسرے مسلمان کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو وہ یوں کہے، میں اسے ان خوبیوں کا مالک گمان کرتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ اس کے خیال میں ایسا ہی ہو۔ (بخاری و مسلم)

- کسی ایسے وصف کو وجہ تعریف نہ بنایا جائے، جو شرعاً گناہ شمار ہوتا ہے۔ جیسے کسی کے گناہ یا جرم میں ذہن کے استعمال پر تعریف کرنا۔
- اس تعریف سے کسی کے گناہ پر استقامت پزیر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جیسے کسی فاسق کی اصلاح کے بجائے، صرف تعریف ہی کیے جانا۔ کیونکہ ایسی صورت میں فاسق کبھی بھی اصلاح کی جانب مائل نہ ہوگا، بلکہ اس کا فسق پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ عزوجل ہر مسلمان کو عزت و تعریف کے حصول کی بے جا خواہش سے محفوظ فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

عجب وخودپسندی

باطنی امراض میں سے ایک قابل توجہ ولائق علاج مرض، **عجب وخود پسندی میں مبتلا ہونا** بھی ہے۔

دیگر امراض کی مثل اس کی معرفت اور پھر اس کی علامات کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرتے ہوئے علاج کی جانب متوجہ ہونا، سعادت مندی کی علامت ہے۔

اس بیماری سے نجات یا محفوظ رہنے کے سلسلے میں بھی درج ذیل امور پر توجہ ناگزیر ہے۔

سب سے پہلے اس کی تعریف، پھر قرآن وحدیث میں بیان کردہ اس کی ممانعت ووجہ ممانعت، پھر اس کی قباحت ونقصانات، پھر اس کی پیدائش کے اسباب، اس کے بعد اس کی علامات، پھر ان علامات کی روشنی میں اپنا ذاتی محاسبہ اور آخر میں علاج سے متعلقہ امور۔

ان شاء اللہ ﷻ ان تمام امور کو بالترتیب ذکر کیا جائے گا۔ چنانچہ

عجب وخود پسندی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی عطا کردہ کسی دینی یا دنیوی نعمت کی وجہ سے خود کو با کمال تصور کرنا۔

حضرت زید بن اسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے تھے،

اپنے نفس کو نیک قرار نہ دو یعنی یہ خیال نہ رکھو کہ یہ نیکوکار ہے، کیونکہ یہ

خودپسندی ہے۔ (احیاءعلوم الدین)

مزید معرفت کے لئے یاد رکھیں کہ یہاں تین صورتیں ہیں۔

{1} ایک شخص اپنے پاس موجودہ نعمت کے زوال کا خوف رکھتا ہے اور اسے فقط من جانب اللہ ہی تصور کرتا ہے، اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھتا، یہ جائز ہے، عجب نہیں۔

{2} وہ زوال سے تو بے خوف ہے، لیکن نعمت کی موجودگی کو فقط من جانب اللہ ہی تصور کرتا ہے، اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھتا، یہ فکر بھی جائز اور خودپسندی سے خالی ہے۔

{3} وہ زوال سے بے خوف اور اس نعمت کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے۔ نیز اسے اللہ ﷻ کے بجائے فقط اپنی جانب منسوب کرنا محبوب رکھتا ہے۔ یہ عجب وخودپسندی ہے۔ **مثلاً**

انسان، عقل، ذہانت، خوبصورتی، منصب، قوت وطاقت یا اولاد کی کثرت وغیرھا نعمتوں کو حاصل کرنے کے بعد، انہیں فقط اپنا ذاتی کمال اور محنت ولگن سے کی گئی کوششوں کا نتیجہ سمجھنا شروع کر دے، اللہ ﷻ کی عطاو بخشش واحسان کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ایسی سوچ وفکر، اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمائی ہے، چنانچہ **اللہ ﷻ کا فرمان ہے،**

فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ۠ اور اپنی جانوں کو

پاکیزہ بنا کر پیش نہ کرو، وہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔ (نجم۔۳۲)

یعنی تفاخر اًاور خود پسندی کے ساتھ اپنی نیکیوں کی تعریف نہ کرو، کیونکہ اللہ ﷻ اپنے بندوں کے حالات کو بہتر جاننے والا ہے۔

ابن جریج (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے یوں نہ کہو کہ میں نے یہ نیک عمل کیا ہے (بلکہ اسے فقط اللہ ﷻ کی جانب ہی منسوب کرو)۔ (احیاء علوم الدین)

اور اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ اس کی مدح کی جائے اور ہر کمال و نعمت کو اولاً وحقیقۃً اسی کی جانب منسوب کیا جائے، ہاں ثانیاً ومجازاً مخلوق کی جانب نسبت کرنے میں بھی حرج نہیں۔

چنانچہ جب کوئی اس کی مدح اور عطا کردہ نعمت کے اعتراف سے اجتناب کرتے ہوئے، نعمتوں کی موجودگی کو فقط اپنا ذاتی کمال سمجھنا شروع کردے اور اس شخص کی اولین خواہش یہی ہو جائے کہ دیگر لوگ بھی ان نعمتوں کو فقط اس کا ذاتی کمال ہی تصور کریں، تو اس کا یہ عمل وسوچ، اللہ ﷻ کی بارگاہ میں قابل گرفت قرار پاتی اور اس کے غضب کو ابھارتی ہے۔ جس کا نتیجہ کبھی دنیا میں زوال نعمت اور آخرت میں شدید گرفت اور کبھی فقط آخرت کی گرفت کی شکل میں نکلتا ہے۔

جب یہ مرض، کسی کے قلب کو اپنے شکنجے میں سختی سے جکڑ لے، تو نہ چاہتے ہوئے بھی بے شمار نقصانات، اس کی جانب متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جن میں سے کچھ کو بذریعہ قرآن وحدیث واقوال بزرگان دین اور بعض کو

ایک سمجھ دار مسلمان فقط استعمال عقل کے ذریعے بھی جان سکتا ہے۔ مثلاً ان نقلی نقصانات میں سے ایک

✿ **تائیدِ خداوندی سے محروم** رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ اور حنین کے دن، جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے، تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم اپنی پیٹھوں کے بل پھر گئے۔ (توبہ۔25)

وادیٔ حنین میں فتح مکہ کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن اور ثقیف سے جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً **12000** اور کفار کی **4000** تھی۔ جب دونوں لشکر مد مقابل ہوئے تو مسلمانوں میں سے کسی شخص نے اپنی کثرت پر نظر کرتے ہوئے عجب وخود پسندی کے ساتھ کہا، **آج ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔** یہ کلمہ، نبی کریم ﷺ کے قلبِ انور پر بے حد گراں گزرا، کیونکہ آپ ﷺ ہر حال میں اللہ ﷻ پر توکل فرماتے تھے، تعداد کی قلت وکثرت ملحوظ نہ ہوتی تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی، تو ابتداء میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور مشرکین بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے مطمئن ہوکر مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس مشغولیت کو دیکھتے ہوئے کفار نے پیچھے سے زبردست تیر اندازی کی، جس سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان جنگ میں، دشمنوں کے سامنے فقط رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عباس

اور ابوسفیان بن حارث (رضی اللہ عنہما) کے علاوہ اور کوئی باقی نہ رہا۔ آیت میں اسی واقعے کی جانب اشارہ ہے۔

✿ دوسرا، **ذلت و خواری میں مبتلاء ہونا** ہے، جیسا کہ

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا،

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کے قلعے، انہیں اللہ سے بچالیں گے، تو ان کے پاس، اللہ کا حکم ایسے مقام سے آیا کہ جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔ (حشر۔2)

یہ آیت بنونضیر کے حق میں نازل ہوئی، جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ کر، آپ ﷺ کے خلاف کفار قریش سے ایک معاہدہ کیا تھا، جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ وہ اپنے قلعوں کی مضبوطی کی وجہ سے خود پسندی کا شکار تھے، جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ انہیں اس جنگ میں شکست کھا کر جلاوطنی کی اذیت برداشت کرنا پڑی تھی۔

✿ تیسرا، **ہلاکت میں مبتلاء ہونا** ہے، جیسا کہ

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ **لالچ**، جس کی اطاعت کی جائے۔ **خواہش**، جس کی پیروی کی جائے اور **انسان کا اپنے آپ** پر تعجب کرنا۔ (کنزالعمال)

اور **حضرت عبداللہ ابن مسعود** رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

دو چیزوں میں ہلاکت ہے۔ایک نا امیدی اور دوسری خود پسندی۔

(احیاء علوم الدین)

✿ چوتھا **گناہوں میں اضافہ** ہے، جیسا کہ

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہو، تب بھی مجھے تم پر اس سے بڑے گناہ کا خطرہ ہے اور وہ گناہ، خود پسندی ہے۔ (بیہقی)

اور روایت کیا گیا ہے کہ

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا گیا کہ آدمی گناہ گار کب ہوتا ہے؟.... فرمایا، جب اسے گمان ہو کہ وہ نیک عمل کرنے والا ہے۔ (الترغیب والترھیب)

اور عقلی لحاظ سے ان نقصانات کا سامنا متوقع ہے۔

(i) ایسی سوچ وفکر، آہستہ آہستہ غرور وتکبر کی جانب لے جاتی ہے اور انسان ان تمام وعیدات اور نقصانات کا شکار ہو جاتا ہے، جو تکبر کے سلسلے میں عرض کی گئیں۔

(ii) اگر یہ خود پسندی، عقل و ذہانت کی بناء پر ہے تو ایسا شخص کبھی بھی اصلاح قبول نہیں کرتا، بلکہ اصلاح کرنے کی کوشش کرنے والے کو بیوقوف و بدتمیز تصور کرتا ہے اور یوں بے شمار قابل اصلاح بری عادتوں کا شکار ہو کر، بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔

(iii) یہی ذہانت وعقل کی خود پسندی مشورہ طلب کرنے سے روک دیتی ہے، جس کی بناء پر کئی غلط فیصلے اور پھر ان کے نتیجے میں شدید نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

(iv) ایسا شخص عموماً دوسروں کے لئے دل آزاری کا سبب بنتا رہتا ہے اور دل آزاری میں گرفتار ہونا فقط ذہانت کی بناء پر پیدا شدہ خود پسندی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر قسم کی خود پسندی کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

(v) ایسا شخص توبہ سے غافل، گناہوں کو بھولنے کی عادت میں گرفتار اور عبادات میں کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہاں تک بیان کردہ امور پر غور و تفکر، یقیناً علاج کی جانب متوجہ کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوگا، لیکن فطرتِ انسانی ہے کہ اپنا قصور فوراً تسلیم نہیں کیا جاتا لھذا خود پسندی کے اسباب جاننا اور انہیں اپنی ذات میں تلاش کرنا بھی، اس مرض کی موجودگی یا عدم موجودگی کا احساس دلوانے کے لئے بہت ضروری ہے۔ چنانچہ

عموماً درج ذیل امور ہی خود پسندی کا سبب بنتے ہیں۔

- **حسن و جمال**۔ اس میں اچھی شکل وصورت، قوت وطاقت، صحت وتندرستی اور اچھی آواز وغیرہ سب شامل ہیں۔
- **ذہانت و عقل**۔
- **اعلیٰ خاندان و نسب**۔
- **مال و دولت**۔

- عزت وشہرت۔
- اولاد کی کثرت، خصوصاً بیٹوں کا زیادہ ہونا۔

ان اسباب کی معرفت کے ساتھ ساتھ، آگے ذکر کردہ علاماتِ خودپسندی کو جاننا، نیز ان پر بار بار غور کرنا، محاسبے میں آسانی پیدا کرے گا۔ چنانچہ

- ایسا شخص ہر خوبی و کامیابی کو فقط اپنی ذات کی جانب منسوب کرنا پسند کرے گا۔ چنانچہ کسی نعمت کے حصول پر یہ اعتراف کہ **یہ رب اللہ عزوجل کا فضل ہے** بہت مشکل محسوس ہوگا۔ اور اگر کبھی اس قسم کا جملہ زبان سے ادا کرنا پڑ بھی جائے، تب بھی یہ خواہش دل میں انگڑائی لیتی رہے گی کہ میرا بھی کچھ نہ کچھ ذکر ہونا چاہیے، لھذا کسی نہ کسی حوالے سے اسے اپنا کارنامہ ضرور قرار دے گا اور اگر کسی وجہ سے اس کا بھی موقع نہ مل سکے، تو قلب کا بیقراری و صدمے کا شکار ہونا لازم ہے۔
- ہر نعمت و خوبی پر بار بار غور کر کے خود کو بہت باکمال تصور کرے گا۔ مثلاً حسن و جمال کی خوبی حاصل ہے، تو بار بار آئینے میں داد طلب نگاہوں سے خود کو دیکھے گا۔
- دوسروں کی زبان سے تعریف سننے کی خواہش کے ساتھ ساتھ، شدید تمنا ہوگی کہ ان خوبیوں کو اس کا ذاتی کمال قرار دیا جائے اور جب کوئی مرضی کے مطابق ایسا کرے گا، تو بے حد خوشی محسوس ہوگی۔
- اگر کوئی ان کمالات و خوبیوں کو، فقط اللہ عزوجل کا کرم قرار دے گا، تو دل میں رنج محسوس ہوگا اور اشارۃً، کنایۃً ثابت کرے گا کہ ان کے حصول میں میری ذاتی

کوششوں اور محنت کا بھی دخل ہے ۔ گویا کہ ان حاصل کردہ انعامات کو فقط اللہ عزوجل کا کرم قرار دینا محبوب نہ رکھے گا، بلکہ ذاتی کوششوں کا ذکر بھی لازم جانے گا۔

❁ نعمتوں کے زوال سے بالکل غافل ہو جائے گا، کیونکہ ان کا حصول، اپنی عقل کا مرہون منت تصور کرے گا، چنانچہ سوچ یہ بن جائے گی کہ جب میری عقل و ذہانت سلامت ہے تو مجھے ان سے محرومی میں کوئی مبتلا نہیں کرسکتا۔

❁ اللہ عزوجل پر توکل کے بجائے ، اپنی ذاتی خوبیوں اور کوششوں کو سب کچھ سمجھنے لگے گا۔ جس کا ایک نتیجہ دعاؤں کے ترک کی صورت میں بھی نکلے گا۔

❁ ان حضرات کو نگاہِ حقارت سے دیکھے گا اور کم عقل تصور کرے گا، جو اپنے ہر کمال کو اللہ عزوجل کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ نیز ان کے لئے بھی خواہش رکھے گا کہ وہ بھی اس کی مثل، تمام نہیں، تو بعض نعمتوں کو اپنا ذاتی کمال ضرور قرار دیں۔

ان علامات کی روشنی میں اپنا محاسبہ کچھ مشکل نہیں، خصوصاً اس شخص کے لئے جو آخرت کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہو، لیکن مزید آسانی کے لئے چند سوالات حاضر خدمت ہیں، جن کے دیانت دارانہ جوابات، خود پسندی کی خفیہ موجودگی کا پردہ ضرور چاک کردیں گے۔ چنانچہ حتی الامکان بالکل صحیح جواب ذہن میں لائیے۔

❁ آپ ہر خوبی و کامیابی کو فقط اپنی ذات کی جانب ہی منسوب کرنا پسند کرتے ہیں؟....

❁ کیا آپ کو کسی نعمت کے حصول پر "**یہ اللہ عزوجل کا فضل** ہے" کہنا بہت

مشکل محسوس ہوتا ہے؟.....

- اگر کبھی اس قسم کا جملہ زبان سے ادا کرتے ہیں تب بھی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں میری کوششوں اور محنت کا بھی تذکرہ ہونا چاہیے، چنانچہ کسی نہ کسی حوالے سے اپنا ذکر بھی ضرور کرتے ہیں؟.....

- کیا آپ ہر نعمت وخوبی پر بار بار غور کرکے خود کو بہت باکمال تصور کرتے ہیں؟.....

- کیا آپ حاصل کردہ نعمتوں کا بار بار مشاہدہ کرکے، دل ہی دل میں خود کو داد و تحسین کا مستحق سمجھتے ہیں؟.....

- کیا دوسروں کی زبان سے تعریفی کلمات سننے کی خواہش کے ساتھ ساتھ، آپ کی تمنا ہوتی ہے کہ ان خوبیوں کو آپ کا ذاتی کمال قرار دیا جائے اور جب کوئی خواہش کے عین مطابق ایسا کرتا ہے تو بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں؟.....

- اگر کوئی ان کمالات وخوبیوں کو فقط اللہ عزوجل کا کرم قرار دے، تو دل میں رنج محسوس ہوتا ہے؟.....اور کیا ایسی صورت میں آپ اشارۃً وکنایۃً ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے حصول میں میری ذاتی کوششوں اور محنت کا بھی دخل ہے۔ گویا کہ آپ ان حاصل کردہ انعامات کو فقط اللہ عزوجل کا کرم قرار دینا محبوب نہیں رکھتے، بلکہ ذاتی کوششوں کا ذکر بھی لازم جانتے ہیں؟.....

- کیا آپ نعمتوں کے زوال سے بالکل غافل ہو چکے ہیں؟.....کیا ان کا حصول اپنی عقل و دانش کا کارنامہ تصور کرتے ہیں؟.....اور کیا آپ کے قلب میں یہ

خیال راسخ ہو چکا ہے کہ جب تک میری عقل و ذہانت سلامت ہے، مجھے ان نعمتوں سے کوئی محروم نہیں کروا سکتا؟....

✿ کیا آپ اللہ عزوجل پر بھروسے کے بجائے، اپنی ذاتی خوبیوں اور کوششوں کو سب کچھ سمجھنے لگے ہیں؟....کیا اسی سوچ کی وجہ سے آپ نے اللہ عزوجل سے دعا مانگنا ترک یا کم کر دیا ہے؟....

✿ کیا آپ ایسے خواتین و حضرات کو نگاہِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور کم عقل تصور کرتے ہیں کہ جو اپنے ہر کمال کو اللہ عزوجل کی جانب منسوب کرنا پسند کرتے ہیں؟....نیز کیا ان کے لئے بھی آپ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح، تمام نہیں تو بعض نعمتوں کو اپنا ذاتی کمال ضرور قرار دیں؟....

غالباً ذکر کردہ علامات کی روشنی میں پیش کیا گیا محاسبہ، اس مرض کی موجودگی کی خبر دینے کے لئے کافی ہے، لھذا اگر خواتین و حضرات میں سے کوئی اپنی ذات میں اس مرض کی موجودگی محسوس کرے، تو اس سے پہلے کہ یہ مرض غرور و تکبر کی لعنت میں گرفتار کروا دے، اسے چاہیئے کہ علاج کی جانب متوجہ ہونے میں ہرگز دیر نہ کرے۔ چنانچہ علاج کے سلسلے میں یہ امور قابل غور ہیں۔

{i} اللہ عزوجل کی قدرت و عظمت کو بار بار اپنے ذہن میں لائیں اور اپنی عاجزی و حقارت کو پیش نظر رکھیں، حتی کہ یہ خیال ذہن میں راسخ ہو جائے کہ ہمارا ہر کمال فقط اللہ عزوجل کا عطا کردہ ہے۔ اگر ہم نے کوئی کوشش کی بھی ہے، تو وہ بھی فقط اللہ عزوجل کی عطا و مہربانی کا نتیجہ ہے۔

{ii} ان آیاتِ کریمہ پر بار بار غور کریں، جو انسان کے ذاتی کمال کی نفی اور اللہ عزوجل کے فضل و کرم کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ جیسے

اللہ عزوجل کا فرمان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ط اور اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی، تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوسکتا، ہاں اللہ جسے چاہتا ہے، پاک کر دیتا ہے۔ (النور۔ 21)

مزید ارشاد ہوتا ہے،

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ o اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ (البقرہ۔ 64)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو بہت کم کے علاوہ، بقیہ تمام ضرور شیطان کی پیروی کرتے۔ (النساء۔ 83)

حق کہ اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ط اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو ضرور ان میں سے ایک گروہ یہ خواہش رکھتا کہ تمہیں گمراہ کر دے۔(نساء۔113)

ایک اور مقام پر فرمان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ج

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی ،تو جس معاملے (یعنی سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر تہمت لگانے) میں تم ملوث ہوئے ،اس پر تمہیں عذاب عظیم کا سامنا کرنا پڑتا۔

(نور۔14)

{iii} اپنے نبی کریم ﷺ کی عاجزی کے واقعات ذہن میں لائے۔آپ ﷺ جیسا باکمال کون ہوگا،لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے قول وعمل میں کسی قسم کی خودپسندی کا ہلکا سا شائبہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا تم میں کسی کو بھی محض اس کا عمل نجات نہ دے گا۔عرض کیا: آپ ﷺ کو بھی؟....فرمایا، ہاں مجھے بھی نہیں، ہاں البتہ یہ کہ اللہ ﷻ کی رحمت مجھے اپنی آغوش میں ڈھانپ لے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

{iv} عجب وخود پسندی کے ذکر کردہ عقلی ونقلی نقصانات کو ہمیشہ ذہن میں

حاضر رکھیں۔

{V} اپنی ذات میں موجود اس مرض کے اسباب جان کر تدارک کی کوشش کریں۔ مثلاً

اگر اچھی شکل وصورت، قوت وطاقت، صحت وتندرستی اور اچھی آواز وغیرہ کی وجہ سے خود پسندی پیدا ہوئی ہے تو ان آیات میں غور کرنا بہتر ہے، جن میں ان نعمتوں کے من جانب اللہ دیئے جانے کا تذکرہ ہے، تاکہ یہ خیال قوی ہو جائے کہ ان نعمتوں کے حصول میں ہمارا اپنا کوئی کمال نہیں، بلکہ یہ صرف اللہ عزوجل کا ہی کرم ہے۔ نیز اپنی باطن میں موجود گندگیوں پر غور کریں۔ اپنے آغاز اور انجام کو ملحوظ رکھیں کہ ابتداء میں ایک ناپاک پانی تھا اور آخر کار ایک بے جان بدن کی شکل میں تبدیل ہونا پڑے گا۔

نیز اطراف میں اٹھنے والے جنازوں اور قبرستان کی ٹوٹی پھوٹی قبروں پر غور کریں کہ کبھی یہ لوگ بھی دنیا میں اسی طرح لوگوں کی توجہ کا مرکز تھے، لیکن روح نکلتے ہی، باعثِ خوف اور قبر میں جاتے ہی طبیعتوں کے لئے قابلِ نفرت ہو گئے۔

اور اگر ذہانت وعقل اس کا سبب ہیں تو اللہ عزوجل شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ کسی پاگل ومجنون کو دیکھیں، تاکہ احساس پیدا ہو کہ اس عقل کا حصول بھی فقط اللہ عزوجل کی کرم نوازی ہے، ورنہ وہ ہمیں پاگل بنانے پر قادر تھا، نیز اگر وہ ہماری خود پسندی کی عادت سے ناراض ہوا تو اب بھی عقل سلب کرنے پر قادر ہے۔

اور اگر اعلیٰ خاندان ونسب کی بناء پر یہ مرض پیدا ہوا ہے تو اس خیال کو بار

بار قلب و ذہن میں لائیں کہ اخروی نجات، فقط کسی اچھی خاندان یا اعلیٰ نسب سے وابستگی پر موقوف نہیں، بلکہ اس کے لئے کچھ مزید امور بھی درکار ہوتے ہیں۔یعنی اگرچہ کسی اچھے خاندان مثلاً ہاشمی ہونے کی وجہ سے اخروی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن اسی وقت کہ جب انسان دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جانے میں کامیاب ہو جائے۔اور اگر کسی بناء پر ایمان ہی ضائع ہوگیا تو یہ خاندانی وابستگی کچھ کام نہ آئے گی۔

نیز اللہ ﷻ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے خاندانی تعلق نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیز گاری کو بزرگی کا معیار قرار دیا ہے۔چنانچہ

مروی ہے کہ

جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر اذان دیں۔اس پر بعض سرداران قریش نے تعجب کیا کہ ایک سیاہ فام غلام، کعبۃ اللہ پر کھڑا ہوا اذان کہہ رہا ہے۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ط یعنی تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ پرہیز گار وہ ہے، جو زیادہ متقی ہے۔ (حجرات۔13)

اور روایت کیا گیا ہے کہ

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟۔۔۔آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہو اور اس کی سب سے زیادہ تیاری کرتا ہو۔ (ابن ماجہ)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی (رحمہ اللہ تعالی)، امام جعفر صادق (رحمہ اللہ تعالی) کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے کہ چونکہ آپ اہل بیت میں سے ہیں، لھذا مجھے کوئی نصیحت ارشاد فرمائیں۔ حضرت جواباً خاموش رہے۔ آپ نے دوبارہ عرض کی، حضور! اہل بیت ہونے کے اعتبار سے اللہ ﷻ نے آپ کو جو فضیلت عطا فرمائی ہے، اس اعتبار سے آپ کا نصیحت فرمانا ضروری ہے۔ یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا،

مجھے تو یہ خوف لگا ہوا کہ بروز قیامت میرے جد اعلی ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر یہ ارشاد نہ فرمادیں کہ تو نے خود میرا اتباع کیوں نہیں کیا؟...کیونکہ نجات کا تعلق نسب سے نہیں، بلکہ اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

یہ سن کر حضرت داؤد طائی (رحمہ اللہ تعالی) کو بے حد عبرت حاصل ہوئی۔ اس واقعے کے بعد آپ کہا کرتے تھے،

جب اہل بیت اطہار پر غلبہ خوف کا یہ عالم ہے تو میں کس گنتی میں آتا ہوں اور کس چیز پر فخر کرسکتا ہوں؟..... (تذکرۃ الاولیاء۔ صفحہ ۷)

بقیہ اسباب پر بھی اسی طرح غور وتفکر کیا جائے تو ان شاء اللہ ﷻ سبب خود پسندی نہ بن سکیں گے۔

{vi} اکابرین کی سوچ اور ان کے ان طریقوں کو ملحوظ رکھیں کہ جن کے باعث وہ اس مرض کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتے تھے۔ مثلاً

حضرت مطرف (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے تھے،

اگر میں رات سوکر اور صبح ندامت کے ساتھ گزاروں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ رات بھر عبادت کر کے صبح خود پسندی کا شکار ہو جاؤں۔

(احیاء علوم الدین)

مروی ہے کہ

ایک روز حضرت بشر بن منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے طویل نماز ادا کی۔ جب فارغ ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص نماز کی طوالت کی بناء پر تعجب خیز نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، جو کچھ تم نے دیکھا اس سے تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ملعون شیطان نے فرشتوں کے ہمراہ ایک طویل عرصے تک اللہ ﷻ کی عبادت کی، اس کے باوجود اس کا جو انجام ہوا، وہ واضح ہے۔ (احیاء علوم الدین)

{vii} اپنے ہر کمال کو فقط اللہ ﷻ کی جانب منسوب کرنے کی عادت ڈالیں، چاہے نفس، اس میں شدید تکلیف ہی کیوں نہ محسوس کرے۔ چنانچہ ہمیشہ یوں کہیں کہ

میں اللہ ﷻ کے فضل سے کامیاب ہوا۔ مجھے اللہ ﷻ نے اپنے کرم سے یہ نعمت عطا فرمائی۔ الحمد للہ ﷻ کاروبار اچھا چل رہا ہے۔ وغیرہ۔

نیز ہر نعمت کے حصول یا کسی بھی کام میں کامیابی پر اللہ ﷻ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔

{viii} ہر نعمت کے زوال اور خود سے چھن جانے کے تصور کو بار بار ذہن

میں لائیں، تاکہ زوال نعمت اوراس کے بعد لوگوں کی نگاہوں میں اپنی اہمیت کے کم ہونے کا احساس، خودپسندی سے کوسوں دور لے جائے۔اس کے لئے اپنے چاروں طرف اور دنیا کے مختلف مما لک میں رہنے والے ان لوگوں پر غور کریں کہ جنہیں کچھ نعمتوں کی وجہ سے مخلوق خدا میں ایک مقام حاصل تھا، لیکن جب اللہ ﷻ نے اپنے عدل وانصاف سے ان سے اس نعمت کو چھینا، تو وہ یا تو ذلیل وخوار ہو گئے اور یا گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان کو اس مرض سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جو مبتلاء ہیں، انہیں مکمل نجات عطا فرمائے۔ آمین

✿/✿/✿/✿/✿

اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی کا بیان

باطنی امراض میں سے ایک مہلک مرض، **اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی** بھی ہے۔

اس مرض میں ابتلاء، انسان کو اللہ ﷻ سے دور کر کے گناہ و شیطان و جہنم کے نزدیک کر دیتا ہے اور اس طرح ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ دیگر امراض باطنہ کی مثل، اس مرض پر کامل توجہ رکھنا اور اس سے متعلقہ تمام تر ضروری معلومات کا حاصل کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔

حسب سابق اس مرض کو اچھی طرح سمجھنے اور نجات یا حفاظت کے لئے اس کی حقیقت، اللہ و رسول (ﷻ و ﷺ) کی طرف سے اس کی ممانعت، اس کی قباحت، اس کے اسباب، اس کی علامات اور پھر موجودگی کا علم ہونے کی صورت میں علاج کا طریقہ جاننا بھی لازم ہے۔ ان شاء اللہ ﷻ سطور ذیل میں ان امور کو بالترتیب بیان کیا جائے گا۔

اس کی حقیقت کے بیان کے سلسلے میں سب سے پہلے اللہ ﷻ کی رحمت کا صحیح مفہوم سمجھنا لازم ہے۔ چنانچہ

رحمت، دراصل رقتِ قلبی (یعنی دل کی نرمی) کو کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ ﷻ کے لئے اعضاء کا ثبوت محال ہے، لہذا جب اللہ ﷻ کے لئے رحمت کا لفظ استعمال کیا

جاتا ہے، تو اس سے، منجانب اللہ ملنے والے انعامات وبرکات وخیر وبھلائی مراد لی جاتی ہے۔

لھذا جو شخص اللہ ﷻ کی جانب سے ملنے والے انعامات مثلاً بخشش، مغفرت، گناہوں کی معافی، توبہ کی قبولیت، اس کی دائمی رضا اور دخول جنت سے بالکل ناامید ہو جائے، تو وہ اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس ہونے والا کہلائے گا اور چونکہ ناامیدی کی یہ کیفیت، ایک قلبی کیفیت ہے، لھذا اسے باطنی گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

رحمتِ الٰہی سے مایوسی کو گناہ یا جرم اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ ﷻ کی حکم عدولی اور وعدۂ خداوندی پر عدم اعتماد کا واضح ثبوت ہے، کیونکہ اللہ ﷻ نے مایوسی سے منع فرمانے کے ساتھ ساتھ توبہ قبول فرمانے اور اپنے تائب بندوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ

ارشاد ہوتا ہے،

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہ بخش دے گا۔

(الزمر۔53)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا،

وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ

سے بخشش چاہے تو اللہ کو بہت بخشنے والا مہربان پائے گا۔ (نساء۔110)

ایک اور مقام پر فرمان ملتا ہے،

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا لا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ پھر بے شک تمہارا رب، ان کے لئے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں، پھر اس کے بعد توبہ کریں اور سنور جائیں، ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔ (النحل۔119)

اور اللہ ﷻ کا حکم نہ ماننا اور اس کے وعدوں پر کامل اعتماد کا نہ ہونا، یقیناً قابل گرفت جرم ہے، جس پر شدت، انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے لھذا اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی سے اجتناب، فرض اور اس میں مبتلاء کے لئے علاج اور فوری توبہ اختیار کرنا، واجب ہے۔

اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ بھی محبوب رکھتے ہیں کہ انسان کبھی ناامید نہ ہو، کیونکہ یہ ناامیدی اسے بارگاہِ رب ورسول ﷻ ﷺ سے دور اور نفس و شیطان سے نزدیک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث اور اقوال بزرگانِ دین میں اس کی صراحتاً یا کنایۃً ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

(الزمر۔53)

اور حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے تین روز قبل فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ مرتے دم تک اللہ ﷻ سے اچھا گمان رکھنا۔ (مسلم)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ ﷻ سے حسنِ ظن رکھے کہ یہی جنت کی قیمت ہے۔ (شرح الصدور)

نیز حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ

واللہ! بندہ اللہ ﷻ سے جو اچھا گمان رکھے گا، اللہ ﷻ اسے پورا فرمادے گا۔

(ایضاً)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے، بندہ مجھ سے جو بھی گمان رکھے گا، وہ مجھے ایسا ہی پائے گا، پس اب وہ مجھ سے (اچھا..یا..برا) جو بھی گمان رکھنا چاہے۔ (ابن حبان)

مروی ہے کہ

حضرت علی ﷺ نے اپنے کسی صاحبزادے سے فرمایا، بیٹے! اللہ ﷻ سے اس طرح ڈرو کہ تمہارے خیال میں اگر تم تمام دنیا والوں کی نیکیاں بھی اس کی بارگاہ میں لاؤ، تو وہ انہیں قبول نہ فرمائے گا اور اس سے اس طرح امید لگائے رکھو کہ اگر تم تمام زمین والوں کی خطائیں اس کے پاس لاؤ، تب بھی تمہاری بخشش فرمادے گا۔

(احیاءعلوم الدین)

یونہی روایت کیا گیا ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، اگر آواز دی جائے کہ ایک شخص کے سواسب جہنم میں داخل ہوجائیں تو مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا اور اگر کہا جائے کہ ایک شخص کے علاوہ سب داخل جنت ہوجائیں تو میں گمان کروں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ (ایضاً)

یقیناً ایک مسلمان کے لئے، کسی چیز سے اجتناب کی خاطر اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اس کی ممانعت وارد ہوچکی ہو،لیکن کبھی کبھی قوتِ ایمانی کی کمزوری کی بناء پر طبیعت کچھ مزید کا تقاضا کرتی ہے،لھذا اگر رحمتِ الٰہی سے مایوسی کی قباحت بھی ذہن نشین رہے تو ممنوعہ امور سے اجتناب بہت آسان ہوجاتا ہے۔چنانچہ

اس سلسلے میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی ہے،آپ نا امیدوں میں سے نہ ہوں۔اس نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو فقط گمراہ ہی نا امید ہوتے ہیں۔ (حجر۔55)

نیز مروی ہے کہ

ایک شخص کو کثرتِ ذنوب کی بناء پر مایوسی کی جانب مائل ہوتا دیکھ کر حضرت

علی ﷜ نے ارشاد فرمایا، اے بھائی! تیرا اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس ہونا، تیرے گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ (احیاء علوم الدین)

مایوسی کی حقیقت، ممانعت اور قباحت کی معرفت کے بعد اپنی ذات میں اس کی علامات کی تلاش ازحد ضروری ہے، تاکہ علاج کے سلسلے میں اختیار کی جانے والی کوششوں کی مقدار کا درست فیصلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ

جب اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی، قلب کو مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ لے تو اس کی درج ذیل علامات ظاہر ہونا متوقع ہیں۔

- انسان اپنے قلب کو جنت کے حصول کی تمنا اور دوزخ سے آزادی کی خواہش سے خالی اور اپنے اعضائے ظاہری کو ان امور کے لئے عملی کوشش سے کوسوں دور پاتا ہے۔
- انتہائی بے پرواہی اور دلیری کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، عبادت کی جانب میلان بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اپنی نجات و بخشش ناممکن نظر آنے لگتی ہے۔
- اللہ ﷻ کی رحمت کے واقعات سن کر بھی خود کو اس سے محروم محسوس کرتا ہے اور رفتہ اس کی قہاریت و جباریت ہی یاد رہتی ہے۔

مذکورہ علامات کی روشنی میں ہر مسلمان کو اپنا احتساب بے حد ضروری ہے۔ لیکن یہاں یہ امر یاد رکھنا بے حد اہم ہے کہ لازم نہیں کہ ہر شخص اپنی ذات میں مایوسی کے آخری درجے کی علامات ہی

مشاہدہ کرے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ مایوسیٔ رحمت کی مذکورہ کیفیات ابھی ابتدائی درجے میں ہوں، ایسی صورت میں بھی علاج کی جانب توجہ غیر ضروری نہیں، کیونکہ مرض کا ابتدائی دور میں علاج کر لینا، اسے مہلک وشدید بنانے سے کہیں بہتر ہے۔

لھذا اپنے قلب پر بار بار گہری نظر ڈالتے رہیے، خصوصاً کسی گناہ وخطاء کے ارتکاب کے بعد مزید غور کریں کہ اللہ عزوجل کی جانب سے ملنے والے انعامات وکرم نوازی کے یقین میں کوئی کمی تو محسوس نہیں ہو رہی، اگر سو میں سے ایک فیصد بھی ایسا محسوس ہو، تو فوراً عنوان علاج کے ذیل میں دیئے گئے امور کو اختیار کیجئے۔

اس مرض قبیح کے علاج کے سلسلے میں سب سے پہلے مایوسی کے اسباب کی معرفت اور پھر ان سے دوری کا اہتمام کرنا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک سبب موجود ہے، مرض کا دور ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ

اگر غور کیا جائے، تو رحمتِ رب العالمین سے مایوسی کے دو بڑے اسباب ہیں۔

- **کثرتِ گناہ کا شدید احساس ......اور**
- **اللہ عزوجل کی قہاریت وجباریت کی جانب توجہ کا زیادہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ کریمی کی طرف سے عدم توجہی۔**

احساسِ کثرتِ گناہ کے سببِ مایوسی بننے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان، اللہ عزوجل کی گرفت سے غافل ہو کر دلدلِ گناہ میں مکمل طور پر غرق ہو جائے، تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ شیطان، گناہوں کی کثرت اور ان کی پختہ عادات کا بار

بار احساس دلا کر، اس کے قلب میں یہ یقین راسخ کر دیتا ہے کہ اتنے کثیر گناہوں، بری عادات اور توبہ کو بار بار توڑ دینے کی وجہ سے اللہ ﷻ تجھ سے سخت ناراض ہو چکا ہے، جس کے نتیجے میں یقیناً تجھ پر بخشش وعنایت کے دروازے بند کر دیے جائیں گے اور جہنم ضرور تیرا مقدر بنے گا۔

پھر جیسے جیسے یہ یقین قوی ہوتا جاتا ہے، اللہ ﷻ کی جانب توجہ کم سے کم اور حصول رحمت کا خیال کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان خود کو قطعی جہنمی سمجھتے ہوئے جنت کے حصول کے لئے ادنیٰ سی کوشش بھی ترک کر دیتا ہے اور یوں ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

شوبزنس، قتل وغارت، چوری ڈاکے اور اسمگلنگ کے پیشے سے وابستہ اور نشے کے عادی افراد، اس قسم کی مایوسی کا اکثر شکار نظر آتے ہیں۔

اس سبب کو دور کرنے کا واحد طریقہ ان آیات، احادیث اور واقعات کا بکثرت مطالعہ کرنا ہے کہ جن میں اللہ ﷻ کی کرم نوازی کا بیان ہو۔ کیونکہ ان کا مطالعہ انسان کو اس بات کا پختہ وکامل یقین فراہم کرتا ہے کہ اگرچہ اس کے گناہ بہت زیادہ اور عادات بے حد قبیح ہیں، لیکن ان سب امور کی بناء پر اللہ ﷻ کی رحمت کی موسلا دھار بارش کے نزول میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ جب اس قسم کا کوئی بندہ، من جانب اللہ متوجہ ہو جائے تو رحمتِ الٰہی کے دریا کی روانی میں سستی نہیں، بلکہ پہلے سے بہت زیادہ تیزی آجاتی ہے۔

اس ضمن میں درج ذیل احادیث کریمہ اور ایمان افروز واقعات بے حد

مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اگر مومن کو معلوم ہوتا کہ اللہ ﷻ کے ہاں کس قدر عذاب ہے، تو کوئی بھی جنت کا لالچ نہ کرے اور اگر کافر کو اللہ ﷻ کی رحمت کا علم ہوتا، تو کوئی بھی جنت میں جانے سے نا امید نہ ہوتا۔ (مسلم)

ایک اور مقام پر مخبر اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

جب اللہ ﷻ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، تو عرش کے اوپر لکھوا دیا کہ بے شک میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (بخاری)

مروی ہے کہ

ایک اعرابی نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب کون کرے گا؟.... آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ ﷻ ہی حساب فرمائے گا۔ اس نے پھر دریافت کیا، کیا وہ خود ہی حساب فرمائے گا؟.... آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، ایسا ہی ہے۔ یہ سن کر وہ اعرابی ہنسنے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ وہ عرض گزار ہوا،

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ کریم جب غالب ہوتا ہے، تو بندے کی تقصیر معاف فرماتا ہے اور حساب آسانی سے لیتا ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، اس اعرابی نے سچ کہا، ربِ کریم سے زیادہ کوئی کریم نہیں ہے، یہ اعرابی بہت بڑا فقیہ اور دانش مند ہے۔ (احیاء العلوم)

ایک اور جگہ ارشادِ رسول ﷺ ہے کہ

اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے، اگر میرا بندہ آسمان بھر کے گناہ کرے، پھر استغفار کرے اور مغفرت کی امید رکھے، تو میں اس کو بخش دوں گا اور اگر بندہ زمین بھر کے گناہ کرے، تو بھی میں اسکے واسطے زمین برابر رحمت رکھتا ہوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

ایک اور جگہ ارشادِ محبوبِ باری تعالیٰ ہے ،

اللہ ﷻ نے تمام عالم کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا، میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

مزید ارشاد فرمایا،

حق تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے، جتنی ماں، اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے۔ (بخاری)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے،

اللہ ﷻ قیامت کے دن اس قدر، رحمت فرمائے گا، جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں، یہاں تک کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی امید میں اپنی گردن اٹھائے گا۔

(الدر المنثور)

مزید ارشاد فرمایا،

اللہ ﷻ کی ۱۰۰ رحمتیں ہیں۔ اس نے اپنی 99 رحمتیں قیامت کے لئے رکھی

ہیں اور دنیا میں فقط ایک رحمت ظاہر فرمائی ہے۔ساری مخلوق کے دل اسی ایک رحمت کے باعث رحیم ہیں۔ماں کی اپنے بچے پر شفقت ومحبت اور جانوروں کی اپنے بچے پر مامتا کا اظہار، اسی رحمت کے باعث ہے۔قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کے ساتھ اس ایک رحمت کو جمع کرکے مخلوق پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر رحمت آسمان وزمین کے طبقات کے برابر ہوگی اور اس روز سوائے ازلی بدبخت کے اور کوئی تباہ نہ ہوگا۔

(مسلم)

سیدالکونین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں،

میں جنت میں سب سے آخری داخل ہونے والے جنتی اور دوزخ سے نکلنے والے سب سے آخری شخص کو جانتا ہوں۔وہ،وہ شخص ہوگا، جسے قیامت کے دن لایا جائے گا، پھر کہا جائے گا، اس پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور کبیرہ گناہ چھپائے رکھو۔چنانچہ اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن، فلاں گناہ اور فلاں دن، فلاں گناہ کیے۔

وہ انکار کی ہمت نہ کرسکے گا اور کہے گا، ہاں میں نے یہ تمام گناہ کیے ہیں۔ اور اس وقت وہ ڈر رہا ہوگا کہ کہیں اس کے کبیرہ گناہ بھی پیش نہ کردیے جائیں۔پھر اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی ہے (یعنی اللہ ﷻ اپنی رحمت سے اس کے تمام گناہ نیکیوں میں تبدیل فرمادے گا)۔

جب وہ (رحمت کا یہ مظاہرہ دیکھے گا تو) جلدی سے کہے گا، میں نے اور بڑے بڑے گناہ بھی تو کیے ہیں، وہ یہاں نظر نہیں آرہے؟....

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسکراہٹ کے باعث آپ کی داڑھیں نظر آنے لگی تھیں۔ (مسلم)

حضرت سعید ابن ہلال (رحمۃ اللہ علیہ) سے مروی ہے کہ

دو بندوں کو جہنم سے باہر لایا جائے گا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا، جو عذاب تم نے دیکھا وہ تمہارے ہی اعمال کے سبب تھا، میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر ان کو دوبارہ جہنم میں ڈالے جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ ان میں سے ایک شخص زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود، دوزخ کی جانب جلدی جلدی، یہ کہتا ہوا جائے گا کہ

میں گناہوں کے بوجھ سے اتنا ڈر گیا ہوں کہ اب اس حکم کو پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کرسکتا۔

جب کہ دوسرا وہیں ٹھہر کر کہے گا،

یا الٰہی! میں تجھ سے نیک گمان رکھتا تھا اور مجھے امید تھی کہ ایک مرتبہ دوزخ سے نکالنے کے بعد، تیری رحمت گوارا نہ کرے گی کہ مجھے دوبارہ دوزخ میں ڈالے۔

تب اللہ ﷻ کی رحمت جوش میں آئے گی اور ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ (احیاء علوم الدین)

رحمتِ عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

ایک شخص کو جہنم میں ہزار برس تک رکھا جائے گا۔ پھر وہ اللہ ﷻ کو ندا دیتے ہوئے کہے گا **یا حنّان! یا منّان!**... اس کی ندا سن کر اللہ ﷻ، حضرت جبرئیل

(علیہ السلام) سے فرمائے گا، اے جبرئیل! جاؤ اور میرے بندے کو میرے پاس لے کر آؤ۔ حسب حکم اسے اللہ ﷻ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ ﷻ اس سے دریافت فرمائے گا تو نے جہنم کو کیسا پایا؟.... وہ عرض کرے گا، میں نے اسے بہت برا مقام پایا۔ اللہ ﷻ فرمائے گا، اس شخص کو دوبارہ اس کی جگہ میں پہنچا دو۔

یہ سن کر وہ شخص جانب جہنم چلے گا، لیکن تھوڑی دور جا کر اپنے پیچھے دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ بلوائے گا اور پلٹ کر دیکھنے کی وجہ دریافت فرمائے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ

میں اس لئے پلٹا کہ تیری رحمت سے امید تھی کہ جہنم سے نکالے جانے کے بعد مجھے دوبارہ اس میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

پس یہ جواب سن کر اللہ ﷻ فرشتوں سے فرمائے گا کہ اسے جنت میں لے جاؤ۔ (احیاء العلوم)

ابو غالب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

میں ملک شام میں ایک شخص کے پاس گیا۔ اس آدمی کا ایک بھتیجا تھا، جو بہت گناہ گار و سرکش تھا۔ یہ شخص، اسے بہت سمجھاتا، مگر وہ، اس کی بات نہ مانتا۔ ایک مرتبہ وہ لڑکا سخت بیمار ہو گیا، تو اس نے اپنے چچا کو بلوایا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ لیکن میں اسے سمجھا بجھا کر بھتیجے کے پاس لے گیا۔ اس نے آتے ہی لڑکے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ اے دشمن خدا! تو نے ایسا نہیں کیا؟... تو نے ویسا نہیں کیا؟....

اس نوجوان نے پوچھا، اے چچا جان! یہ تو بتایئے کہ اگر اللہ ﷻ، مجھے میری

ماں کے حوالے کردیتا ہے تو وہ میرے ساتھ کیا کرتی؟....اس شخص نے جواب دیا، وہ تجھ کو جنت میں داخل کرتی۔نوجوان نے کہا، بخدا، خدائے کریم، مجھ پر میری ماں سے زیادہ مہربان ہے۔

جب اس نوجوان کا انتقال ہوا اور اس کے چچا نے اسے دفن کرنا چاہا تو قبر پر اینٹیں رکھتے وقت' ایک اینٹ گر پڑی۔اس کا چچا کود کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔میں نے دریافت کیا، کیا معاملہ ہے؟....اس نے جواب دیا، اس کی قبر تو نور سے بھر دی گئی ہے اور اس میں حدِ نگاہ تک وسعت کر دی گئی ہے۔(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور)

حضرت حمید (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں،

میرا ایک نافرمان بھانجہ تھا۔جب وہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو اس کی ماں نے مجھے بلوایا۔میں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کے سرہانے کھڑی رو رہی ہے۔میرے بھانجے نے مجھ سے پوچھا، ماموں، یہ کیوں رو رہی ہے؟....میں نے کہا، یہ تیری برائیوں کی وجہ سے رو رہی ہے۔اس نے پوچھا، کیا میری ماں مجھ پر مہربان نہیں ہے؟....میں نے جواب دیا، کیوں نہیں۔اس نے کہا، میرا رب ﷻ مجھ پر میری ماں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

جب اس کا انتقال ہوا اور اسے قبر میں اتارا جا رہا تھا تو میں نے قبر میں جھانک کر دیکھا، معلوم ہوا کہ اس کی قبر تا حدِ نگاہ وسیع کر دی گئی ہے۔میں نے ساتھیوں سے دریافت کیا، کیا تم نے بھی یہی دیکھا، جو میں دیکھ رہا ہوں؟....انھوں نے ہاں میں جواب دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ اسی کلمہ کی وجہ سے ہے، جو اس نے مرتے وقت کہا

تھا۔ (ایضاً)

حضرت ابو قلابہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

میرا ایک بھتیجا تھا۔ وہ شدید بیمار ہو گیا، لیکن اس کی نافرمانیوں کے باعث، میں اس کی عیادت کے لئے نہ گیا۔ جب نزع کا وقت آیا تو میرے دل میں محبت نے جوش مارا، چنانچہ میں آخری رات، اس کے پاس صبح تک موجود رہا۔ رات کے کسی پہر میں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ دو کالے آدمی ہتھوڑے لئے ہوئے نمودار ہوئے۔ پھر دو فرشتے گھر کی چھت سے اترتے ہوئے دکھائی دئے۔ ان میں سے ایک، دوسرے سے کہہ رہا تھا، تو قریب جا کر دیکھ، اس نے کوئی نیکی بھی کی ہے یا نہیں۔ دوسرا فرشتہ میرے بھتیجے کے قریب آیا اور اس کے سر، پیٹ اور پاؤں سونگھے، پھر واپس جا کر اپنے ساتھی سے کہنے لگا،

میں نے اس کا سر سونگھا، اس میں قرآن پاک نہ پایا۔ پیٹ سونگھا، تو روزہ کا نام ونشان نہ ملا اور اس کے پاؤں سونگھے تو ایک رات بھی عبادت کے لئے کھڑا رہنے کا اثر نہ پایا۔

یہ سن کر پہلا فرشتہ آگے بڑھا اور اس نے بھی میرے بھتیجے کے ان ہی اعضاء کو سونگھا۔

پھر میں نے سنا کہ وہ تعجب سے کہہ رہا ہے، مجھے حیرانی ہے کہ اللہ ﷻ نے اس شخص کو محمد ﷺ کی امت میں لکھا ہے، لیکن امتِ محمدیہ ﷺ کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت بھی اس میں موجود نہیں۔

پھر اسی عالمِ حیرت میں اس نے میرے بھتیجے کا منہ کھول کر اس کی زبان کی نوک کو نچوڑا۔ اس وقت میں نے فرشتہ کو اللہ اکبر کہتے سنا اور وہ کہہ رہا تھا،

میں نے اسکی زبان کی نوک پر ایک تکبیر پائی، جو اس نے روم کے شہر انطاکیہ میں بڑے اخلاص سے کہی تھی۔

زبان نچوڑنے کے بعد مشک کی خوشبو پھیل گئی اور اسی وقت میرے بھتیجے کی روح قبض ہو گئی۔ جب فرشتہ روح قبض کر کے چلا تو اس نے دروازے پر کھڑے ہوئے دونوں سیاہ فام آدمیوں سے کہا، تم دونوں لوٹ جاؤ، اس میت پر تمھارا کوئی قابو نہیں۔ صبح جب میں نے یہ واقعہ لوگوں کو سنایا تو سب بہت متاثر ہوئے۔

(شرح الصدور بحوالہ نوادر الاصول)

حضرت سفیان ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ

جس نے کوئی گناہ کیا، پھر اس نے اللہ ﷻ کو اپنی گرفت پر قادر جانا اور اس کی جانب سے مغفرت کی امید رکھی، تو اللہ ﷻ اس کے گناہ بخش دے گا۔

(احیاء علوم الدین)

آپ ہی سے یہ قول بھی منقول ہے کہ

مجھے یہ بات محبوب نہیں کہ میرے (اخروی) حساب و کتاب (کا معاملہ) میرے والدین کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ﷻ مجھ پر ان دونوں سے زیادہ مہربان ہے۔ (ایضاً)

اللہ ﷻ کی قہاریت و جباریت کی جانب توجہ کا زیادہ ہونا اور اس کی

صفتِ کریمی کی طرف عدم توجہ کا سببِ مایوسی ہونا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ جب انسان اللہ ﷻ کی صفتِ قہاریت وجباریت ہی پیشِ نظر رکھے اور اس کی شانِ کریمی کو یکسر بھول جائے، تو اسے ہر گناہ پر سوائے اللہ ﷻ کی جانب سے شدید گرفت کے کچھ اور دکھائی نہ دے گا اور جب ''گرفتِ الٰہی کا مذکورہ احساس''۔ اور۔ ''شانِ کریمی کی جانب سے غفلت'' حد سے زیادہ بڑھ جائے، تو نتیجہ اللہ ﷻ کی رحمت سے مکمل مایوسی کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔

اس سبب سے دوری کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان اولاً فقط ان آیات واحادیث واقوال بزرگانِ دین اور واقعات کا مطالعہ کرے اور سنے کہ جن میں اللہ ﷻ کی جانب سے نزولِ رحمت وانعام کا ذکر موجود ہے۔ نیز اس کی جانب سے گرفت اور عذاب کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دے، یہاں تک کہ قلب میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ اس کے گناہوں کی کثرت نے اللہ ﷻ کی رحمت کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے۔ اور جب آہستہ آہستہ دل اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ اس کی بھی بخشش ہو سکتی ہے، تو پھر فضلِ الٰہی پر نظر رکھتے ہوئے **کامل توبہ کرے** اور اس کے بعد خود کو نافرمانی سے مکمل طور پر دور کرنے کے لئے اور باطن کو حالتِ اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے، رحمت وسختی دونوں عنوانات پر مشتمل مواد کا مطالعہ کرتا رہے، ان شاء اللہ ﷻ نجاتِ اخروی ضرور حاصل ہوگی۔

موضوع کو اختتام پذیر کرنے سے قبل، چند ضروری معروضات پیش خدمت ہیں، جن کا لحاظ رکھنا، کئی وساوس سے دوری کا سبب بن سکتا ہے۔

پہلی عرض یہ کہ

اللہ ﷻ کی رحمت سے متعلقہ مواد ہر مسلمان کے ذہن نشین رہنا ضروری ہے، تا کہ اس سے مایوسی کی جانب کوئی قدم نہ اٹھ سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ضرور پیش نظر رکھا جائے کہ اس قسم کی تمام آیات و روایات و واقعات، دو قسم کے افراد کے لئے نافع ہیں۔

ایک ان حضرات کے لئے کہ جو بہت زیادہ خوف الٰہی میں گرفتار ہو کر، کثرتِ عبادت کے لئے ہمہ وقت سعی کرتے رہتے ہیں اور قریب ہے کہ یہ خوف انہیں اللہ ﷻ کی رحمت کی طرف سے نا امید کر دے۔

دوسرے ان گناہ گاروں کے لئے، جو اپنے گناہوں کی زیادتی کی بناء پر اللہ ﷻ کی جانب سے رحمت و مغفرت کے حصول سے مایوسی کے قریب قریب پہنچ چکے ہیں۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان دو قسم کے حضرات، جب اس موضوع سے متعلق روایات سنیں گے تو خوف رکھنے والا سکون محسوس کرے گا اور اس طرح ضرورت سے زیادہ خوف کی وجہ سے ہلاکت سے بچ جائے گا، جب کہ مایوس گناہ گار ان سکون آور باتوں کی بناء پر مغفرت کی امید میں توبہ کی جانب مائل ہو گا۔

اب اگر کوئی مسلمان اس حکمت کو ملحوظ نہ رکھے، بلکہ رحمتِ الٰہی سے متعلقہ معلومات کو بنیاد بنا کر گناہوں پر دلیر ہو جائے اور جب اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب میں نعرہ لگائے کہ

آپ لوگ تو یونہی ڈراتے رہتے ہیں، اللہ ﷻ کی رحمت تو بہت بڑی ہے، ضروری ہے کہ وہ مجھے جہنم میں ہی داخل کرے؟... مجھے یقین کامل ہے کہ میری بخشش کردی جائے گی۔

تو ایسے حضرات یاد رکھیں کہ رحمتِ الٰہی کا جو یقین، گناہوں پر دلیر کردے، وہ مایوس ہوجانے کی مثل ایک خطرناک بیماری ہے، جس کا علاج اسی طرح لازم ہے، جیسے رحمتِ الٰہی سے مایوسی کا علاج فرض تھا۔ چنانچہ ایسے حضرات کو اپنے خیالات کے فساد پر متوجہ ہونا بہت ضروری ہے۔

درج ذیل حدیث واقوال بزرگانِ دین واضح طور پر اس فساد کو ظاہر کررہے ہیں۔ چنانچہ

مروی ہے کہ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، عقل مند وہ ہے، جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے لئے تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے، جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگادے اور (اس کے باوجود) اللہ ﷻ سے (اچھی) امیدیں لگائے رکھے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

اور حضرت یحیٰی بن معاذ رازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں،

کوئی حماقت اس سے بڑھ کر نہ ہوگی کہ انسان دوزخ کا بیج بوئے اور جنت کی فصل کاٹنے کی امید رکھے، کام عاصیوں والے اور مقام نیکوں والا تلاش کرے۔

(کیمیائے سعادت۔ 766)

آپ ہی کا قول ہے کہ

میرے نزدیک عظیم ترین دھوکہ یہ ہے کہ انسان بغیر ندامت کے، معافی کی امید پر، گناہوں پر دلیر ہوتا چلا جائے...اور...بغیر اطاعت کے اللہ ﷻ کے قرب کی امید رکھے...اور...جہنم کا بیج بو کر جنت کی کھیتی کی توقع کرے...اور...گناہوں کے باوجود اللہ ﷻ کے فرمانبردار بندوں کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کرے...اور...بغیر عمل کے بہترین جزاء کا منتظر رہے...اور...کثیر خطاؤں پر دوام کے باوجود اللہ ﷻ کی جانب سے فقط عفوودرگزر کا یقین رکھے۔ (المنبھات)

عقلی لحاظ سے بھی اس فساد پر مطلع ہونا قطعاً مشکل نہیں۔ چنانچہ

ایسے حضرات سے سوال کیا جائے کہ آپ کو اللہ ﷻ کی رحمت پر زیادہ بھروسہ ہے۔ یا۔ انبیاء وصحابہ و اولیاء کرام کو؟.... یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انبیاء و صحابہ و اولیاء کو۔

اب دوسرا سوال کیا جائے کہ کیا کسی نبی یا صحابی یا ولی نے اس رحمتِ الٰہی کے حصول کے یقین کو ڈھال بناتے ہوئے فرض یا واجب کردہ عبادت کو ترک کرنا اور معاذ اللہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں مشغول ہونا محبوب رکھا؟.... لاریب اس کا جواب بھی انکار میں ہی ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ان کا اختیار کردہ طریقہ، انبیاء و صلحاء کا طریقہ نہیں، بلکہ اس کے خلاف ہے اور ان نفوسِ قدسیہ کے طریقے کا خلاف کرنے والا کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔

ان حضرات کو اپنے یقین کا امتحان لینے کی غرض سے زندگی میں کم ازکم ایک مرتبہ ایسا ضرور کرنا چاہیئے کہ اپنے تمام گھر والوں کو ایک کمرے میں بند کر کے، اللہ ﷻ کی رحمت سے امید لگا کر بیٹھ جائیں کہ وہ آسمان سے کھانے پینے کے تھال بھیجے گا، کیونکہ بلاشک اللہ ﷻ ماں سے زیادہ مہربان ہے اور جب اپنے بچوں کو کھلانے پلانے پر قادر ایک ماں کی جانب سے انہیں بھوکا مارنا ممکن نہیں، تو پھر بھلا اللہ ﷻ، جو یقیناً ماں سے کہیں زیادہ مہربان ہے اور ان حضرات کو اس کی مہربانی کا کامل یقین بھی ہے، انہیں کیوں کر بھوکا مارے گا؟.....

ہوسکتا ہے کہ اس مشورے پر فوری غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا جائے کہ بھائی! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ ﷻ براہ راست ہمارے لئے تھال بھیج دے، اس نے اسباب کس لئے پیدا فرمائے ہیں؟.....کوشش کریں گے، تب ہی تو پیٹ میں کچھ جائے گا۔

بس اس جواب کے ساتھ ہی گزارش کی جائے کہ آپ کو یہی تو سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اخروی تیاری کے لئے بھی اللہ ﷻ نے کچھ اسباب مہیا فرمائے ہیں، جس طرح بغیر کوشش، یہ چھوٹا سا پیٹ نہیں بھر سکتا، اسی طرح بغیر محنت، وسیع وعریض جنت بھی نہیں مل سکتی۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ اس حقیقت کا کسی کو انکار نہیں کہ اللہ ﷻ چاہے، تو بغیر کسی عمل کے بھی داخل جنت فرما سکتا ہے، نہ ہی جنت کا حصول فقط اعمال پر موقوف ہے۔ لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ بندے نیک اعمال کر کے اس

کے حصول کی کوشش کریں، لٰھذا ہمیں اپنے رب کی رحمت کی امید کے ساتھ ساتھ نیک اعمال کی کثرت کو ترک نہیں کرنا چاہیئے اور یہی انبیاء وصلحاء کا طریقہ رہا ہے۔

دوسری عرض یہ کہ

مذکورہ تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ کو محبوب ہے کہ اس کے بندے اس کی رحمت کی ہمیشہ امید لگائے رکھیں اور اس معاملے میں کبھی بھی مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ بذات خود رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہوئے، دوسروں کے لئے بھی یہی رویہ اختیار کیا جانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ خود تو ہر مقام پر اللہ ﷻ کی رحمت کے یقین سے سکون قلب وذہن حاصل کر رہے ہوں، لیکن دوسرے مسلمان بھائیوں بہنوں کو خلاف حکمت طریقے سے ڈرا ڈرا کر مایوسی کی جانب دھکیلا جا رہا ہو، کیونکہ یہ عمل، اللہ ﷻ کو سخت ناپسند ہے۔ جیسا کہ

مروی ہے کہ

بنی اسرائیل کا ایک شخص لوگوں کو اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوسی میں مبتلاء کرتا اور ان پر شدت کرتا تھا۔ بروز قیامت، اللہ ﷻ اس سے فرمائے گا کہ آج کے دن تجھے میری رحمت سے اسی طرح مایوس کیا جائے گا، جس طرح تو دنیا میں اس سے میرے بندوں کو مایوس کیا کرتا تھا۔ (مکاشفۃ القلوب)

یونہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے، جو آپس میں بہت محبت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک عبادت گزار، جب کہ دوسرا گناہ گار مشہور تھا۔

ایک دن عابد نے گناہ گار کو سمجھایا کہ جن کاموں میں تو پھنسا ہے، ان سے باز آجا۔ دوسرے نے جواب دیا، میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑ دے۔

ایک مرتبہ عابد نے اسے ایسا گناہ کرتے پایا، جسے اس نے بہت بڑا گمان کیا، چنانچہ اسے اس سے باز آنے کے لئے دوبارہ سمجھایا۔ لیکن دوسرے نے حسبِ سابق (جھنجھلا کر) جواب دیا، میرا معاملہ میرے رب پر چھوڑ دے کیا، تو میرا پہریدار مقرر ہوا ہے؟..... یہ سن کر عابد نے غصے میں کہا، **اللہ عزوجل کی قسم! رب تعالیٰ نہ تو تجھے کبھی بخشے گا اور نہ جنت میں داخل کرے گا۔** اللہ عزوجل نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا، جس نے ان دونوں کی روح قبض کر لی۔ پھر انہیں بارگاہِ الٰہی میں حاضر کیا گیا۔ اللہ عزوجل نے گناہ گار سے فرمایا، تو میری جنت میں داخل ہو جا اور عابد سے فرمایا، کیا تو میرے بندے پر، میری رحمت روکنے پر قادر ہو سکتا ہے؟..... اس نے عرض کی، ہرگز نہیں۔..... اللہ عزوجل نے (فرشتوں کو) حکم فرمایا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ (مسند امام احمد)

لھذا عام لوگوں کو خوفِ الٰہی کی جانب اس انداز سے متوجہ کیا جائے کہ ان کے قلوب پر مایوسی غلبہ نہ پائے، نیز رحمتِ الٰہی کا یقین دلانا مقدم رہنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں محبوب عمل ہے۔ جیسا کہ

مروی ہے کہ

اللہ عزوجل نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کی جانب وحی فرمائی کہ اے داؤد! تو مجھے محبوب رکھ اور جو مجھ سے محبت رکھے اسے بھی اپنا محبوب بنا لے اور مجھے میری مخلوق کے لئے محبوب بنا۔

آپ نے عرض کی یا رب کریم! میں تجھے تیری مخلوق کے سامنے کس طریقے سے محبوب بنا سکتا ہوں؟..... ارشاد فرمایا،

اس طرح کہ تو ان کے سامنے میری رحمت، میرے احسانات اور میری نعمتوں کا ذکر کر، تا کہ وہ مجھے فقط رحیم و کریم گمان کریں۔ (احیاء علوم الدین)

مروی ہے کہ

حضرت ابان بن ابی عیاش (رحمۃ اللہ علیہ) رحمتِ الٰہی کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔ بعد انتقال کسی نے خواب میں دیکھ کر حال دریافت کیا، تو فرمایا،

رب کریم نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور پوچھا، اے ابان! کس چیز نے تجھے کثرتِ ذکرِ رحمت پر ابھارا؟..... میں نے عرض کی، یا رب غفار! دراصل میں نے اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ تجھے تیری مخلوق کے سامنے محبوب بناؤں۔

یہ سن کر اللہ ﷻ نے مجھ سے فرمایا، **قَدْ غَفَرَ لَكَ** یعنی بے شک تیری مغفرت کر دی گئی۔ (ایضاً)

اللہ ﷻ ہمیں اپنی رضا کے مطابق، اپنی رحمت کا یقین کامل رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

غصے کے اظہار کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک گناہ "غصے کا اظہار" بھی ہے۔ غصے کے اظہار کو باطنی گناہوں میں اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ یہ اظہار، بے شمار گناہوں مثلاً زبان سے نازیبا کلمات و الفاظ کفر کے صدور، دل آزاری، مالی و جسمانی و روحانی نقصان پہنچانے اور بے شمار عبادات سے دوری وغیرہ کا سبب بنتا ہے اور اس اظہار کا اصل سبب، ناپسندیدہ امور کی بناء پر قلب میں پیدا ہونے والی غصے کی کیفیات ہیں اور چونکہ یہ کیفیات انسان کے باطن سے تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ اظہارِ غضب کی اصل کا اعتبار کرتے ہوئے، اسے باطنی گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

غصے کے بارے میں عموماً مطلقاً کہہ دیا جاتا ہے کہ

غصہ کرنا حرام ہے۔۔یا۔۔

غصہ، عقل کو کھا جاتا ہے۔۔یا۔۔

غصہ، اللہ ﷻ کی ناراضگی کا سبب ہے۔۔یا۔۔

غصے کا آغاز، جہالت اور انجام، ندامت و پشیمانی ہے۔

لیکن مطلقاً اس طرح کہہ دینا ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ غصہ جہاں اکثر و بیشتر، اللہ ﷻ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے، وہیں کثیر مرتبہ اسے راضی کرنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے۔۔۔یونہی جس طرح کبھی کبھی اس کا آغاز جہالت اور انجام ندامت پر

مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح بسا اوقات اس کی ابتداء، ذہانت وعلمیت اور انتہاء، اطمینانِ قلب پر ہوتی ہے۔ نہ ہی یہ ہمیشہ عقل کے زوال کا سبب بنتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے باعث، انسان کے فہم وتدبر میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اس کے مطلقاً حرام نہ ہونے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت بھی حاصل کی ہے۔ اگر یہ بغیر کسی شرط وقید کے ناجائز وحرام ہوتا تو معاذ اللہ دشمنانِ اسلام کی جانب سے نبی کریم ﷺ کے لئے ایک ناجائز کام میں مبتلاء ہونے کا اعتراض کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں حفاظت کے خیال سے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا،

تم رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ وہ بھی بشر ہیں، کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض (چنانچہ ہر بات لکھ لینا مناسب نہیں)۔

یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعے کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

(ہر حالت میں) لکھ لیا کرو، کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ (حالتِ غضب میں بھی میرے) منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

(سنن ابوداؤد)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اگر غصہ مطلقاً ممنوع ہوتا تو رسول خدا ﷺ اس

قسم کے کلمات ارشاد فرماتے،

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ غصہ حرام ہے اور نبی ﷺ سے حرام فعل کا صدور محال ہے، لھذا جب مجھے غصہ آتا ہی نہیں تو بلا جھجک ہر بات لکھ لیا کرو۔

لیکن ایسا نہ ہوا، بلکہ آپ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ

ہاں، میں بھی جلال میں آتا ہوں، لیکن یہ غضب ایسا نہیں کہ مجھے حق سے ناحق کی جانب مائل کردے، بلکہ اس حالت میں بھی میرے دہن اقدس سے صرف اور صرف حق بات ہی صادر ہوتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر غصہ ممنوع نہیں تو اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ

غصہ کی دو اقسام ہیں۔

﴿1﴾ حرام و ممنوع و گناہ۔

﴿2﴾ جائز و مستحب و باعث ثواب۔

اب اس تفصیل کے بیان سے پہلے کہ کون سا غصہ جائز.. اور.. کون سا ناجائز ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ غصے کی شرعی تعریف بیان کردی جائے۔

غصے کی دو طرح تعریف کی گئی ہے۔

﴿1﴾ ثَوَرَانُ دَمِ الْقَلْبِ اِرَادَةَ الْاِنْتِقَامِ ۔یعنی انتقام کے ارادے کے سبب، دل کے خون کا جوش میں آنا۔ (مفردات امام راغب۔ ص 607)

﴿2﴾ اَلْغَضَبُ عِبَارَةٌ عَنِ التَّغَيُّرِ الَّذِىْ يَعْرِضُ لِلْاِنْسَانِ

فِیْ مِزَاجِہٖ عِنْدَ غَلْیَانِ دَمِ قَلْبِہٖ بِسَبَبِ مُشَاھَدَۃِ اَمْرٍ مَکْرُوْہٍ ۔یعنی غصہ اس تبدیلی کا نام ہے کہ جو کسی ناپسندیدہ کام کے مشاہدے کے سبب خون قلب کے جوش میں آنے کے وقت انسان کے مزاج کو لاحق ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ۔ج1۔ص602)

اگر ان دونوں تعریفات کو سامنے رکھ کر غصے کے مفہوم کو آسان الفاظ میں بیان کیا جائے ،تو تعریف کچھ یوں بنے گی کہ

کسی خلافِ مرضی کام کی وجہ سے دل میں نفرت وناپسندیدگی کی پیدا ہونے والی کیفیات کا نام غصہ ہے۔ مثلاً

- ☆ گرم کھانے کو دل چاہ رہا تھا،لیکن ملا ٹھنڈا.....
- ☆ خواہش تھی کہ بالکل شور نہ ہو،لیکن بچوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا.....
- ☆ سوچ یہی تھی کہ کام نہ بگڑے ،لیکن نوکر نے کام خراب کردیا.....
- ☆ دل یہی چاہتا تھا کہ اللہ ﷻ کی طرف سے حاصل شدہ نعمت ہمیشہ میرے پاس رہے،لیکن کسی ناگہانی آفت کی بناء پر وہ نعمت زائل ہوگئی۔ وغیرہ وغیرہ

تو اب ان خلافِ مزاج امور کی بناء پر دل میں نفرت وکراہیت وناپسندیدگی کی جن کیفیات کو محسوس کیا جاتا ہے، انھیں کا نام غصہ ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی مفید رہے گا کہ جب غضب کا لفظ اللہ ﷻ کے لئے استعمال کیا جائے ،تو اس وقت اس کا مطلب '' **انتقام کا ارادہ کرنا** '' ہوتا ہے۔

توجہ رہے کہ غصے کا جائز وناجائز ہونا، اس کے سبب پر موقوف ہے،یعنی

پہلے دیکھا جائے گا کہ غصہ کس وجہ سے آیا،

اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر؟ ۔۔یا۔۔

اپنے نفس کی خواہشِ بد کی وجہ سے؟۔۔۔۔

بصورتِ اول جائز و باعثِ ثواب اور بصورتِ ثانی حرام و سببِ عذاب۔

تو اب ان اقسام کی تعریف یوں ہوگی کہ

جائز غصہ، وہ غصہ ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر کیا جائے۔مثلاً

گھر والوں کو گناہ میں مبتلاء دیکھ کر غصہ آیا۔۔یا۔۔

کسی کو اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ، صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم)۔۔یا۔۔اولیائے کرام (رحمھم اللہ) کی شان میں گستاخی کرتے پا کر دل میں شدید نفرت پیدا ہوئی۔۔۔یا۔۔۔

کوئی دینی مسائل کا مذاق اڑا رہا تھا، جس کے باعث جلال میں مبتلاء ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بارے میں احادیثِ مبارکہ سے بھی چند مثالیں حاضرِ خدمت ہیں۔

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنھا) ارشاد فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کبھی اپنی ذات کی خاطر غصہ نہ فرماتے، ہاں اگر کوئی اللہ ﷻ کا کام ترک کرتا تو اظہارِ ناراضگی فرمایا کرتے تھے۔ (احیاء العلوم)

مروی ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن **مغفل** رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو پتھر سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، پتھر نہ مارو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز سے پتھروں سے کھیلنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ نہ ان سے شکار ہوتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ صرف دانت توڑتا۔۔یا۔۔آنکھ پھوڑتا ہے۔

(کچھ دیر بعد) آپ نے پھر اسے پتھر پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، میں نے تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بتایا تھا کہ آپ ﷺ نے پتھر پھینکنے سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود تو وہی کر رہا ہے، لہذا آئندہ میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ہم اس وقت مسئلہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔جب آپ نے یہ بحث ملاحظہ فرمائی تو بے حد ناراض ہوئے، حتی کہ چہرہ انور سرخ ہو گیا، گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں اور فرمایا،

کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟۔۔۔تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلے میں جھگڑے کیے تو ہلاک و برباد ہو گئے، میں تم پر لازم کرتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں نہ جھگڑو۔

(ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن میں، دوپہر کے وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دو اشخاص کی آوازیں سنیں، جو کسی آیت میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے دیکھا کہ چہرۂ انور پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ ﷻ میں جھگڑوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں توریت کا ایک نسخہ لائے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ توریت کا نسخہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ آپ پڑھنے لگے، جس کی بناء پر غضب کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدلنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے، اے عمر! تجھے رونے والیاں روئیں، رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور نہیں دیکھتے؟.....

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چہرہ مبارکہ پر نگاہ ڈالی تو گھبرا کر عرض کی، میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول (ﷺ) کے غضب سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ ﷻ کی ربوبیت، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے سے راضی ہیں۔

آپ کے اظہارِ ندامت کو ملاحظہ فرما کر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر آج موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ ﷺ زندہ ہوتے اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جوڑا ھدیۃً پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے بھیج دیا اور میں نے اسے پہن لیا۔ (جب میں اسے پہن کر آپ ﷺ کے سامنے آیا تو) آپ ﷺ کے رخِ انور پر ناراضگی کے آثار نمایاں دیکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم خود پہن لو، بلکہ اس لئے کہ تم اس میں سے عورتوں کو دوپٹے پھاڑ کر دے دو۔ (بخاری و مسلم)

اور ناجائز غصہ، وہ غصہ ہے، جو اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر نہ ہو، بلکہ اپنے نفس کی خاطر کیا جائے۔ مثلاً

کھانے میں نمک یا مرچ کی زیادتی ہو گئی۔۔یا۔۔پیدل جا رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے زور سے ہارن بجا دیا۔۔یا۔۔گاڑی میں تھے اور کوئی پیدل چلنے والا اچانک آگے آ گیا۔۔یا۔۔کسی سے بات کر رہے تھے کہ تیسرے شخص نے آ کر بات کاٹ دی۔۔یا۔۔کسی کو کوئی بات سنائی، لیکن مرضی کے مطابق اس کی جانب سے حوصلہ افزائی نہ ہوئی۔۔یا۔۔کسی نے سب کے سامنے ڈانٹ دیا وغیرہ وغیرہ، تو ان امور کے باعث آنے والا غصہ ناجائز ہو گا۔

لیکن خیال رہے کہ خلافِ مرضیٔ نفس کام پر دل میں ناپسندیدگی پیدا ہوتے ہی حرام و ناجائز کا فتویٰ جاری نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ امر، انسان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے کہ خلافِ مزاج کام پر دل میں ناپسندیدگی بھی پیدا نہ ہونے دے۔ اور اللہ عزوجل نے بندے کو کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا، جو اس کے دائرۂ قوت و طاقت

سے باہر ہو۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زائد آزمائش میں مبتلا ءفرماتا ہی نہیں۔ (بقرہ۔286)

چنانچہ اچھی طرح یادرکھئے کہ نفس کی خاطر غصے پر صرف اس وقت گرفت کی جائے گی کہ جب اسے کسی طریقے سے ظاہر کردیا جائے۔

اورظہور کے بعد حرام ہونے کا حکم اس لئے ہے کہ اس قسم کا غصہ کسی نہ کسی کی دل آزاری کا سبب بنتا ہے ..یا.. کسی کے جسمانی یا مالی نقصان کا باعث ہوجاتا ہے ..یا..کم ازکم ایک مسلمان کے لئے قلبی غیبت کا سامان ضرورمہیا کرتا ہے۔اورکسی کی دل آزاری کرنایا اسے کسی قسم کی اذیت پہنچانایا کسی کے لئے دل میں برے خیالات وجذبات رکھناوغیرہاافعال شرعاممنوع ہیں۔

پھریادرکھیں کہ غصے کے اظہار کی چارصورتیں ہیں۔

(1) ہاتھ پیر کے ذریعے۔ (مثلاًکسی پر غصہ آیاتو اس پر ہاتھوں پیروں سے حملہ کردیا۔)

(2) زبان کے سبب۔ (مثلاً غصے کی وجہ سے گالیاں وغیرہ بک دیں۔)

(3) آنکھ کے ذریعے۔ (مثلاًزوجہ ..یابچوں ..یا..کسی شاگرد وغیرہ نے کوئی غلطی کی ،جس کی بناءانھیں گھورکردیکھا۔)

(4) دل کے ذریعے۔ (مثلاًماں باپ ..یا..افسروااستاد ..یا..کسی اپنے سے طاقت ورپر غصہ آیااورکسی دوسرے ذریعے سے غصے کے اظہار پر قادرنہیں،چنانچہ دل ہی دل میں برا بھلاکہناشروع کردیا۔)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ

نفس کی خاطر غصہ آنا برا نہیں، بلکہ اس کا اظہار کرنا برا ہے۔ چنانچہ خلافِ نفس بات پر دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہوئے اور کسی نے ہاتھ ..یا..زبان ..یا..آنکھ..یا..دل سے اسے ظاہر کر دیا اور یہ ظاہر کرنا ذہنی وقلبی وجسمانی وروحانی اذیت وتکلیف کا سبب بن گیا، تو اب وہ گناہ گار ہوگا اور غصے کے اس اظہار کو حرام وناجائز قرار دیا جائے گا۔

احادیثِ مبارکہ میں جہاں کہیں غصے کی ممانعت بیان کی گئی ہے..یا..اس کے بدلے میں عذابات وغیرہ کی وعید ہے..یا..اس کے پینے کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، ان سب سے مراد یہی نفس کی خاطر غصے کا اظہار ہے۔

اگر مذکورہ **تفصیل کو بغور** پڑھا جائے تو ضمناً غصہ پینے کا مطلب جاننا بھی بالکل دشوار محسوس نہ ہوگا۔ کیونکہ غصہ پینے کا مفہوم یہ ہے کہ

انسان کو کسی خلافِ مرضی بات پر غصہ آئے اور وہ اسے چاروں طریقوں میں سے کسی سے بھی ظاہر نہ ہونے دے۔ مثلاً

راستے میں چلتے ہوئے کسی نے آپ کے پاؤں پر پاؤں رکھ دیا، جس سے بے حد تکلیف محسوس ہوئی اور ساتھ ہی شدید قسم کا غصہ بھی آیا، لیکن آپ نے اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر، نہ تو اپنے ہاتھ پاؤں کو استعمال کیا، نہ زبان کو کلام کرنے کی اجازت دی، نہ آنکھ سے اسے گھورا اور نہ ہی دل ہی دل میں کچھ باتیں سنائیں، تو آپ غصہ

پینے میں کامیاب ہو گئے اور اب ان شاء اللہ ﷻ اس کے بدلے آپ کو بے شمار دنیوی واخروی انعامات سے نوازا جائے گا، جن کا اندازہ اگلے مضامین سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اخروی انعامات صرف اس صورت میں ملیں گے کہ جب غصے کا پینا، صرف اور صرف اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر ہو، چنانچہ اگر اس کا وقوع، اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر نہ ہوا، بلکہ اپنی کسی مجبوری کے تحت تھا تو اب عین ممکن ہے کہ کچھ دنیوی فائدے تو حاصل ہو جائیں، لیکن اخروی فوائد کا حصول شدید خطرے میں پڑ جائے گا۔ مثلاً

کسی شخص نے آپ پر پان کی پیک پھینک دی، آپ نے انتقامی کارروائی کی غرض سے اس پر حملے کا قصد کیا، لیکن جب توجہ کی تو معلوم ہوا کہ وہ آپ سے بہت زیادہ طاقت ور ہے اور اس سے مقابلے کا مطلب نہ چاہتے ہوئے بھی طویل عرصہ تک بستر پر پڑے رہنا ہے، لھذا عافیت، خاموشی سے درگزر کرنے میں ہی ہے۔ اس خوف اور ذہن کے بروقت مشورے کے باعث اسے کچھ نہ کہا اور غصہ پی لیا، تو اب چونکہ اللہ ﷻ کی رضا کا قصد نہیں، بلکہ خود کو محفوظ رکھنا مقصود ہے، لھذا ثواب یا تو بالکل نہ ملے گا ..اور.. یا اس میں بے حد کمی واقع ہو جائے گی۔

اگر ماقبل بیان کردہ تمام تفصیل کو پیشِ نظر رکھ کر اپنا دیانت دارانہ محاسبہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہماری اکثریت صرف اور صرف اپنی ذات کی خاطر غصے کا اظہار کرتی ہے، اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر غصہ ہونے والوں کی تعداد بہت کم، بلکہ نہ ہونے

کے برابر ہے۔مثلاً

کھانے میں نمک مرچ کم ہوجائے،تو گھر والوں کو ڈھیروں باتیں سنادی جاتی ہیں،لیکن جب یہی گھر والے بے شمار کاموں میں شریعت کی نافرمانی کرتے نظر آتے ہیں،تو بالکل غصہ نہیں آتا.....

کپڑے استری نہ ہوں، تو جلال دیکھنے کے لائق ہوتا ہے،لیکن اگر گھر کی خواتین،نامحرم مردوں سے بلاپردہ گفتگو اور ہنسی مذاق کریں،تو بالکل برا محسوس نہیں ہوتا۔

اگر کوئی ہمارے والدین کو برا بھلا کہہ دے،تو چاہے وہ درست ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو،اس سے شدید ناراض ہو کر سلام وکلام بالکل منقطع کر دیتے ہیں،لیکن اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ..یا..صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے لئے نامناسب وناز یبا کلمات استعمال کرے..یا..دین کا مذاق اڑائے،تو کیفیات میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوتی،بلکہ اس کے ساتھ ہمارا رویہ حسبِ سابق ہی رہتا ہے۔

ناجائز غصے کا اظہار کرنے والوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ جسے اسلافِ کرام نے جاہلوں میں شمار کیا ہے۔چنانچہ

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ

جاہل،چھ باتوں کی وجہ سے پہچانا جاسکتا ہے۔

{1} ہر خلافِ مزاج بات پر غضب ناک ہونا،چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا جانور کی طرف سے۔

{ii} بے فائدہ کلام سے۔

{iii} فضول خرچی سے۔

{iv} ہر کسی کے پاس راز کی بات کہنے سے۔

{v} ہر کسی پر اعتماد کر بیٹھنے سے۔

{vi} اپنے دوست اور دشمن میں امتیاز نہ کرپانے سے۔ (المنبھات لابن حجر)

بہت بہتر ہوتا کہ دیگر گناہوں کی طرح نفس کی خاطر غصے کے اظہار کو بھی بہت بڑا اسبب گناہ تصور کر کے، اس سے بچاؤ کے طریقوں پر غور کی زحمت بھی گوارا کر لی جاتی تو عظیم دنیوی و اخروی بگاڑ سے محفوظ ہو جاتے۔

لیکن قابل افسوس بات ہے کہ اس سے بچنا تو درکنار، ہم تو اسے باعث گناہ سمجھنے کے لئے ہی تیار نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات تو اپنے سخت جلالی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کی زبانیں اس قسم کے جملے جاری کرتی نظر آتی ہیں،

ہم سے غصہ بالکل برداشت نہیں ہوتا، کوئی ہمیں ایک سناتا ہے تو ہم اسے دس سناتے ہیں۔ کوئی زبان سے بات کرتا ہے تو ہم ہاتھ سے جواب دیتے ہیں۔

نیز جب ان کا تعارف اسی وصف کے ساتھ کرایا جائے تو چہرے کے تاثرات سے قلبی خوشی وفخر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سعادت مند مسلمان وہ ہے، جو کسی گناہ وناجائز کام کی نشاندہی ہونے پر فوراً اپنا محاسبہ شروع کر دے کہ کہیں میں بھی اس گناہ میں مبتلا تو نہیں؟.....

اگر جواب ہاں میں ہو تو زندگی کے بقیہ ایام کو غنیمت جانتے ہوئے بچنے کی

بھرپور کوشش جاری رکھے۔

اس مصیبت سے نجات یا محفوظ رہنے کے لئے **بطور علاج علم اور عمل** دونوں کا سہارا لینا ضروری ہے۔ **علمی علاج** سے مراد ایسے طریقے سے اس مرض کا علاج کرنا کہ جس کا تعلق عمل سے نہ ہو، بلکہ فقط ذہن کو غصہ برداشت کرنے کے لئے مضبوط کیا جائے۔ چنانچہ

علمی لحاظ سے اس کے علاج کا پہلا اصول یہ ہے کہ ان احادیث کریمہ کا بکثرت مطالعہ کیا جائے، جن میں غصے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے کچھ سکھائیے، لیکن زیادہ نہ ہو، تاکہ میں یاد رکھ سکوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، غصہ نہ کیا کر۔ آپ ﷺ نے یہی بات کئی مرتبہ دہرائی کہ غصہ نہ کیا کر۔ (ترمذی)

ایک اور روایت میں اسی طرح کا مضمون ہے کہ

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے یہ سوال بار بار دہرایا۔ آپ نے یہی فرمایا، غصہ نہ کیا کرو۔ (بخاری)

اس طریقۂ علاج کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ان احادیث کو اکثر زیرِ مطالعہ رکھا جائے کہ جن میں غصے کے نقصانات بیان کیے گئے، تاکہ دل میں اس کے خلاف

نفرت پیدا ہو اور بچنے کا عمل آسان ہو جائے۔ اس سلسلے میں چند احادیث کریمہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت بہز ابن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے، جیسے ایلوا شہد کو۔ (مشکوۃ)

گھیکوار ایک قسم کا پودا ہے، جس کے پتے لمبے ہوتے ہیں اور ان سے لیس دار مادہ نکلتا ہے، اس پودے کے گودے کا خشک کیا ہوا رس، ''ایلوا'' کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ بہت کڑوا ہوتا ہے، لھذا شہد میں مل کر اس کے ذائقے کو بھی خراب کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا کہا۔ نبی کریم ﷺ قریب بیٹھے ہوئے، ان کے صبر پر تعجب و تبسم فرمار ہے تھے۔ جب اس شخص نے بہت زیادتی کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دے دیا۔

آپ کا جواب سنتے ہی نبی کریم ﷺ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے پیچھے پہنچے اور عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ مجھے برا کہتا رہا، آپ ﷺ تشریف فرمار ہے، لیکن جب میں نے اس کی بات کا جواب دیا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے؟.... نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

دراصل، تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے اسے جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم نے خود جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان درمیان میں

آ گیا (اور میں نے شیطان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کیا)۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

اس طریقۂ علاج کا تیسرا اصول یہ ہے کہ ان نقصانات پر بار بار غور کیا جائے، جنہیں عقلی لحاظ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ نیز اپنے اطراف میں، غصے کی بناء پر ہونے والے نقصانات کو پیش نظر رکھنا بھی اس سلسلے میں بے حد فائدے مند ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ اخبارات وغیرہ میں ان خبروں کو بار بار اور بہت غور سے پڑھیں کہ جن میں غصے کے اظہار کے باعث قتل وغارت اور دیگر فسادات رونما ہوئے، بلکہ ایسی خبروں کو کاٹ کر رکھ لیں اور وقتاً فوقتاً مطالعہ فرماتے رہیں۔ غور کیا جائے تو نفسانی اظہارِ غضب کے باعث درج ذیل خرابیاں ظاہر ہوسکتی ہیں۔

(1) اس قسم کے غصے کے باعث انسان انصاف نہیں کر پاتا، اکثر ناانصافی کا صدور ہو جاتا ہے۔

(2) غصے کے باعث وقار میں کمی آتی ہے۔ آپ محسوس کیجئے گا کہ اگر کوئی شخص خاموش طبع اور نفیس تکلم کا عادی ہو، جس کے باعث آپ اپنے قلب میں اس کے لئے احترام محسوس کرتے ہیں، پھر کسی وقت وہ شدید غضب میں مبتلاء، زبان سے نازیبا کلمات نکالتا نظر آئے تو دل آئندہ اس کا احترام کرنے اور اس سے متاثر ہونے سے انکار کر دیتا ہے اور یہ کیفیت بسا اوقات تاحیات باقی رہتی ہے۔

(3) زبان سے نازیبا کلمات نکل جاتے ہیں، جس کے باعث عزت گھٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

(4) دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنتا ہے اور کسی مسلمان کے دل کو

تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

(5) بسا اوقات اس کی وجہ سے ساری زندگی پچھتانا پڑتا ہے۔ مثلاً غصے میں طلاق دے دینے۔ یا۔ کسی کو قتل کر دینے کی صورت میں۔

(6) کبھی کبھی اس کی وجہ سے دنیاوی تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی اپنے سے زیادہ قوت والے پر غصے کے اظہار کی صورت میں، اس کی جانب سے انتقامی کاروائی کے باعث۔

(7) بار بار غصے کے اظہار کی وجہ سے ساتھ رہنے والوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے لھذا ان کے دل، اس انسان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

(8) چونکہ اس قسم کے انسان سے لوگ کئی مرتبہ تکالیف اٹھا چکے ہوتے ہیں، لھذا اس کے برے وقت میں زبانی ہمدردی کا اظہار کرنے والے بھی غائب ہو جاتے ہیں۔

(9) اس عادت کے باعث قریب رہنے والے بہترین ساتھی ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور یوں کئی مخلص دوستوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔

اللہ عزوجل نے **رسول کریم** ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے رسول ﷺ آپ ان کے لئے نرم دل واقع ہوئے۔ اور اگر آپ تیز مزاج، سخت دل ہوتے تو یہ ضرور آپ کے پاس سے دور ہو جاتے۔ (آل عمران۔159)

(10) اس کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کی صحبت میں رہنے والے حضرات میں بھی اس کا اثر منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور کچھ ہی عرصے بعد وہ بھی غصے کے اظہار پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ ایسے حضرات کی اولاد یا شاگردوں میں اس کے اثرات بخوبی مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

(11) بسا اوقات شدید غصے کے باعث دماغ کی رگیں پھٹ جاتی ہیں، جس کے باعث موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔

(12) ایسے حضرات سے کلماتِ کفر کا صدور بھی بہت زیادہ مشاہدہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ بار بار اظہارِ غضب کی عادت کے باعث، قوتِ برداشت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات نیک لوگوں کی جانب سے کی گئی نصیحت کے جواب میں قرآن وحدیث کا انکار یا اللہ ﷻ ورسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے اور یوں یہ غصہ بربادیٔ ایمان کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

اس طریقۂ علاج کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ان آیات واحادیث پر بھی غور کرتے رہیں، جن میں غصہ پینے کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۚ غصہ پینے والے، لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ، اللہ کے محبوب ہیں۔ (آل عمران۔134)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے، اللہ ﷻ کے فرمان، **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ**

هِیَ اَحْسَنُ (یعنی زیادہ اچھی بات کے ذریعے بدلہ دو) کے متعلق تفسیر منقول ہے کہ وہ غصہ کے وقت صبر اور برائی کے وقت معافی ہے۔

لوگ جب یہ عمل کریں گے تو اللہ ﷻ ان کی حفاظت فرمائے گا اور ان کا دشمن ان کے سامنے اس طرح جھک جائے گا گویا کہ وہ اس کا قریبی گہرا دوست ہے۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کوئی شخص دوسرے کو پچھاڑنے سے پہلوان نہیں ہوتا، بلکہ پہلوان تو وہ ہے، جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو غصہ پی جائے، حالانکہ اس کے اظہار پر قادر بھی ہے تو اللہ ﷻ اسے قیامت کے روز ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔ (ابو داؤد)

یقیناً حور اسی کو ملے گی، جو جنت میں جائے گا لھذا معلوم ہوا کہ غصہ پینے والا ان شاء اللہ ﷻ جنت میں جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کسی بندے نے اللہ ﷻ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر نہیں پیا، جسے وہ اللہ ﷻ کی رضا جوئی کی خاطر پی

لے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو اپنی زبان کی حفاظت کرے، اللہ ﷻ اس کے عیب چھپالے گا۔ اور جو اپنا غصہ روکے، اللہ ﷻ اس سے قیامت کے دن اپنا عذاب روک لے گا اور جو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں معذرت کرے، اللہ ﷻ اس کے عذر کو قبول فرمالے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سہل بن معاذ ﷜ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

بے شک نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جو شخص غصہ پی جائے، حالانکہ وہ اس کے اظہار پر قادر ہو، تو اللہ ﷻ اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سرداروں میں بلائے گا اور اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ (ابوداؤد)

اس طریقہ علاج کا پانچواں اصول یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے غصے کو ضبط کرنے کے واقعات بار بار پڑھیں، تاکہ ان کی برکات سے فیضیاب ہونے کے باعث ضبطِ غضب میں آسانی واقع ہو جائے۔ چند واقعات ''محاسبے کے ساتھ'' ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ اخلاق میں سب لوگوں سے اچھے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا۔ میں نے کہا خدا کی قسم! نہیں جاؤں گا، لیکن میرے دل میں یہی تھا کہ جاؤں گا، کیونکہ مجھے رسول خدا ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ میں باہر نکلا تو

بازار میں کھیلنے والے لڑکوں کے پاس ٹھہر گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے آ کر میرے کندھے پکڑ لئے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ تبسم ریز تھے۔ فرمایا، اے **اُنَیس**! جہاں کا میں نے تمہیں کہا تھا، وہاں جاؤ۔ میں نے عرض کی، جی اچھا میں جاتا ہوں۔

خدا کی قسم! میں نے سات یا نو سال آپ ﷺ کی خدمت کی، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میرے کسی کام کے جواب میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟.... اور جو نہ کیا، اس کے لئے فرمایا ہو کہ یہ کام کیوں نہ کیا۔ (ابوداؤد)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم (رحمہ اللہ) سفر فرماتے ہوئے رات کے وقت دمشق پہنچے۔ نمازِ عشاء کے بعد مسجد کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ آپ نے امامِ مسجد سے درخواست کی کہ مجھے عبادت کی غرض سے رات کو مسجد میں رہنے دیا جائے۔ امام نے غصے میں آ کر طنزاً کہا، تو ابراہیم بن ادھم ہی تو ہے! چل یہاں سے۔ یہ کہہ کر انہیں مسجد سے باہر کر دیا۔

آپ ساری رات سخت سردی میں مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے عبادت میں مشغول رہے۔ نمازِ فجر کے وقت مسجد کا دروازہ کھلا، تو اندر چلے گئے۔ نماز کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور شور مچ گیا کہ اللہ ﷻ کے ولی حضرت ابراہیم بن ادھم (رحمہ اللہ) تشریف لائے ہیں۔ ہر طرف سے لوگ ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ امام صاحب بہت شرمندہ ہوئے، بار بار حضرت سے معذرت کرتے رہے،

آپ جواباً فرماتے ،معذرت کس بات کی، آپ نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء)

مروی ہے کہ

حضرت سیدنا احنف بن قیس (رحمہ اللہ) سے کسی نے پوچھا،آپ نے عمدہ اخلاق کس سے سیکھے؟....ارشاد فرمایا،حضرت قیس بن عاصم سے۔سائل نے دوبارہ دریافت کیا،ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے تھے؟....ارشاد فرمایا،

ایک بار وہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ان کی کنیز سیخ لے کر آئی ،جس پر بھنے ہوئے گوشت کا بڑا سا ٹکڑا تھا، اچانک سیخ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضرت کے بیٹے کو لگی،جس سے بچے کا فوری طور پر انتقال ہوگیا۔یہ منظر دیکھ کر لونڈی سخت دہشت زدہ ہوگئی۔آپ نے اس کی یہ حالت ملاحظہ کی،تو فرمایا،

خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں،جامیں نے تجھے اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر آزاد کیا۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت سیدنا ابوعثمان حیری (رحمہ اللہ) کو ایک دعوت میں بلایا گیا،تا کہ ان کے صبر وتحمل کی آزمائش کی جائے۔چنانچہ جب آپ دعوت میں پہنچے،تو میزبان نے باہر ہی روک کر معذرت ظاہر کی کہ کھانا ختم ہو چکا ہے۔

یہ سن کر آپ بلا برا مانے واپس تشریف لے جانے لگے۔لیکن ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ میزبان پیچھے پیچھے پہنچا اور معذرت کر کے آپ کو واپس لے آیا، لیکن پھر حسب سابق لوٹا دیا۔اس نے یہی عمل تقریباً تیس (30) بار کیا۔

آخر کار میزبان آپ سے ازحد متاثر ہو گیا اور اس کی زبان پر یہ تعریفی

کلمات جاری ہوگئے، حضرت! آپ تو واقعی صبر کے پہاڑ ہیں۔ آپ نے اس کے جذبات سنے تو عاجزی کے ساتھ فرمایا،

جو کچھ تم نے دیکھا، یہ تو ایک کتے کی عادت ہے کہ جب اس کو بلاتے ہیں تو قریب آجاتا ہے اور جب اس کو دھتکارتے ہیں تو واپس ہوجاتا ہے۔ پس میرے اس عمل میں کون سی قابل قدر بات ہے؟..... (تذکرۃ الاولیاء)

بیان کیا گیا ہے کہ

ایک بار حضرت شیخ ابوعثمان حیری (رحمہ اللہ) ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کسی نے بے خیالی میں چھت سے بہت سی خاک نیچے پھینکی، جو تمام آپ کے سر اور کپڑوں پر گری۔ آپ نے بدن و کپڑے جھاڑے اور اللہ ﷻ کا شکر ادا کیا۔ لوگوں نے تعجب کے ساتھ عرض کی، حضور! آپ کس بات کا شکر ادا کر رہے ہیں؟..... ارشاد فرمایا،

اس بات کا کہ جو شخص، آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ہو، اگر اس کے سر پر خاک ڈالی جانے پر ہی اکتفاء کیا جائے تو کیا یہ مقامِ شکر نہیں؟..... (کیمیائے سعادت)

مروی ہے کہ

ایک فقیر مدینہ منورہ کی ایک گلی میں بیٹھا تھا۔ اتفاقاً امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے۔ بے توجہی میں آپ کا پاؤں، فقیر کے پاؤں پر پڑ گیا۔ وہ ناراض ہوکر چلایا، اندھا ہوگیا ہے، کیا نظر نہیں آتا؟.....

آپ نے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ جواب دیا، اندھا تو نہیں ہوں، لیکن نادانستہ طور پر مجھ سے قصور ضرور سرزد ہوا ہے۔ برائے مہربانی مجھے معاف کر دو۔

(احیاء علوم الدین)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت سیدنا مالک بن دینار (رحمہ اللہ) کے پڑوس میں مکان کرایہ پر لیا اور بغض وعناد کی بنا پر اپنی چھت پر ایک ایسا پرنالہ تعمیر کروایا، جس کا رخ آپ کے صحن کی جانب تھا۔ وہ روزانہ اس کے ذریعے بہت سی غلاظت آپ کے صحن میں گرا دیتا تھا، جس کی بناء پر آپ کی جائے نماز بھی نجس ہو جاتی۔ لیکن آپ ہمیشہ صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے، حتیٰ کہ زبان پر کلماتِ شکایت بھی جاری نہ کیے۔

یہودی آپ کے صبر و تحمل سے بے حد متاثر ہوا، چنانچہ ایک دن خود ہی آیا اور عرض کی، جناب! میرے پرنالے کی وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟.... آپ نے نرمی سے جواب دیا، پریشانی تو ہوتی ہے، جو غلاظت گرتی ہے، اس کو روزانہ دھوڈالتا ہوں۔ یہودی یہ جواب سن کر مزید متاثر ہوا، پوچھا، آپ کو اتنی تکلیف کے باوجود غصہ نہیں آتا؟.... آپ نے جواب دیا، ہمارے رب کا فرمان ہے،

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ غصہ پینے والے، لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ (آل عمران۔134)

یہودی ان آیاتِ مقدسہ کو سن کر بے حد متاثر ہوا، چنانچہ عرض کی، یقیناً آپ کا دین نہایت ہی عمدہ ہے، آج سے میں سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بیان کیا گیا ہے کہ

ایک شخص حضرت سیدنا احنف بن قیس (رحمہ اللہ) کو بلا سبب برا بھلا کہہ رہا تھا، لیکن آپ خاموشی سے گھر کی جانب رواں دواں تھے۔ جب آپ کا محلّہ قریب آیا، تو آپ ٹھہر گئے اور فرمایا،

اے جوان! اگر کوئی اور بات تمہارے دل میں رہ گئی ہے تو وہ بھی کہہ ڈالو، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ محلے میں میرا کوئی واقف کار تمہاری باتیں سن کر تمہیں ایذاء نہ پہنچادے۔ (رسالہ قشیریہ)

جب عقلی و نقلی و عملی دلائل سے جان لیا گیا کہ نفسانی غصے اور اس کے اظہار میں خرابیاں ہی خرابیاں اور فائدے کے پہلو نہ ہونے کے برابر ہیں تو اب عملی علاج میں بھی بالکل دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے لئے درج ذیل اعمال اختیار کرنا ضروری ہیں۔

(i) کسی بہت زیادہ غصہ پینے والے کی صحبت میں رہنے کی کوشش کریں، تاکہ اس کی صحبت اور بہترین طرزِ عمل کی بناء پر آہستہ آہستہ ضبط کی عادت پڑ جائے۔

(ii) جب بھی غصہ آئے فوراً خاموش ہوجائیں، ورنہ جیسے جیسے زبان الفاظ ادا کرتی جائے گی، ویسے ویسے ٹمپریچر ہائی ہوتا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے،

جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیئے کہ خاموش ہوجائے۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

(iii) یاد رہے،تو غصہ آنے پر فوراً ''اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم'' پڑھ لیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں،

دو اشخاص میں سے ایک نے دوسرے کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی سخت بات کہی، جس کی بناء پر دونوں کا غصہ بڑھتا گیا، حتیٰ کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کے بارے میں گمان کیا کہ اس کی ناک شدتِ غضب سے پھٹ پڑے گی۔ یہ ملاحظہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

میں ایک ایسا جملہ جانتا ہوں کہ اگر غصے میں آنے والا اسے کہہ لے، تو وہ جملہ اس کا غصہ لے جائے گا (اور وہ جملہ یہ ہے) **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم** (یعنی اے اللہ! میں شیطان مردود سے تیری پناہ چاہتا ہوں)۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

(iv) اگر اس طرح غصہ نہ جائے، تو کھڑے ہونے کی صورت میں بیٹھ جائیں اور اگر بیٹھے ہیں، تو لیٹ جائیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ،

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو، تو اسے چاہیئے کہ بیٹھ جائے۔ اگر اس طرح غصہ چلا جائے، تو بہتر، ورنہ لیٹ جائے۔ (ترمذی)

(v) اگر غصہ بہت ہی شدید ہو اور ماقبل ذکر کردہ کسی بھی طریقے سے نہ جا رہا ہو، تو اب فوراً جا کر وضو کر لیں، ان شاء اللہ عزوجل ضرور دور ہو جائے گا۔

حضرت عطیہ ابن عروہ سعدی ﷺ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے تو تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیئے کہ وضو کر لے۔ (ابوداؤد)

(vi) مزید مشورہ ہے کہ جب بھی غصے کا اظہار ہو جائے تو فوراً اللہ ﷻ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور حسب استطاعت کچھ نہ کچھ صدقہ کرنے کی عادت ڈال لیں ...یا... ہر مرتبہ اپنے لئے کسی سخت عبادت کو بطورِ کفارہ مقرر کر لیں۔ مثلاً ۱۲ رکعات نفل.. یا.. تین نفل روزے... یا.. ہزار بار درودِ پاک وغیرہ۔ لیکن اس طریقہ علاج کے لئے ہمت اور استقامت بہت ضروری ہے ورنہ خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اللہ ﷻ ہر ایک کو غیر شرعی غصے کے اظہار سے

محفوظ فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

توکل نہ ہونے کا بیان

باطنی بری صفات میں سے ایک، ذاتِ باری تعالیٰ پر توکل وبھروسہ نہ ہونا بھی ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت اس مرض میں شدت کے ساتھ مبتلاء ہے، لیکن ہر قلبی بیماری کی مثل، اس مرض کی عدم معرفت بھی، احتیاط وترکِ توبہ کی جانب مائل نہیں ہونے دیتی۔

اس عمل قلب کو بری صفت قرار دیے جانے کی وجہ، اس بارے میں اللہ ﷻ کے احکامات کی خلاف ورزی کا ارتکاب اور وعدہ خداوندی پر اعتماد کا نہ ہونا ہے۔ اللہ ﷻ نے قرآن عظیم میں کئی مقامات پر توکل کا حکم ارشاد فرمایا، چنانچہ

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے،

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو، اگر تم مومن ہو۔ (آیت۔23)

اورسورۂ یونس میں ان الفاظ میں حکم فرمایا،

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ۔ اگر تم ایمان لے آئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم مسلمان ہو۔

(آیت۔84)

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اور مومنین کو چاہیے کہ فقط اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ (آیت۔122)

اسی سورت میں کچھ آگے ارشاد ہوا،

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط پس جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرلو، تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ (آیت۔159)

اور اس توکل کے نتیجے میں وعدۂ خداوندی ہے،

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، تو وہ اسے کافی ہے۔ (طلاق۔3)

چنانچہ ہر مسلمان کو چاہیے تھا کہ اللہ ﷻ پر ایسا توکل کرتا، جیسا اس کا حق ہے تاکہ احکاماتِ خداوندی پر عمل کی سعادت کے حصول کے ساتھ ساتھ، اس کے وعدوں پر اعتماد کا اظہار بھی ہو جاتا، لیکن معاشرے پر نگاہ دوڑائی جائے، تو معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ لٰہذا ضروری ہے کہ دیگر صفات کی مثل اس کے بارے میں بھی دامنِ احتیاط کو مضبوطی سے تھاما جائے۔

لیکن اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ مذکورہ احکامات پر عمل کی سعادت اسی وقت حاصل ہوگی، جب توکل کا صحیح مفہوم پیشِ نظر ہوگا۔ نیز اس کی علامات کا اپنی ذات میں مشاہدہ، پھر شدید احتساب اور قلب میں اس بری صفت کی موجودگی پر مطلع

ہونے کی صورت میں علاج بھی لازم وضروری ہے۔چنانچہ اب بالترتیب ان امور کو بیان کیا جائے گا۔

توکل کالغوی معنی بھروسہ کرنا ہے اوراس صفت سے متصف کومتوکل کہتے ہیں۔شرعا متوکل کی تعریف یہ ہے۔

المتوکل علی اللہ الذی یعلم ان اللہ کافل رزقہ وامرہ فیرکن الیہ وحدہ ولایتوکل علی غیرہ ۔یعنی متوکل وہ شخص ہے، جواس بات کواچھی طرح جان لے کہ اللہ ﷻ اس کے رزق اور معاملات کی کفالت کرنے والا ہے، چنانچہ پھر وہ فقط اسی پر بھروسہ رکھتا ہے، اس کے غیر پر توکل نہیں کرتا۔

(لسان العرب۔جلد 15۔220)

متوکل کی تعریف سے توکل کی شرعی تعریف بھی واضح ہوجاتی ہے کہ

توکل، اللہ ﷻ پر رزق اور دیگر معاملات میں کامل بھروسہ کرنے کانام ہے یعنی انسان کے قلب میں یہ خیال راسخ ہوجائے کہ میرے تمام کاموں، خصوصا رزق کا حقیقی کفیل، فقط اللہ ﷻ ہے۔

اوراس خیال کے دل میں راسخ ہوجانے کے بعد وہ صرف اللہ ﷻ پر بھروسہ رکھے۔اگرکبھی اپنی حاجات کی تکمیل کے لئے کسی غیر کی جانب مائل بھی ہو، تو اسے فقط ایک وسیلہ تصور کرے اوراس کی جانب رجوع کے وقت بھی توجہ، من جانب اللہ ہی ہونی چاہیئے۔

اس کے برعکس اگرکوئی ذاتِ باری تعالٰی پر اعتماد کے بجائے، فقط دنیوی

اسباب کی جانب متوجہ رہے اور اللہ ﷻ کے وعدے کے بجائے مخلوق کی جانب سے کئے گئے وعدوں پر اعتماد رکھے۔ اللہ ﷻ کے وعدے کے باوجود قلب میں بے قراری و بے یقینی محسوس ہو، جب کہ خلق کی طرف سے کئے گئے وعدوں پر اطمئنان قلب و کیفیاتِ یقین حاصل ہوں، تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا شخص عدمِ توکل کا شکار ہو چکا ہے۔

ایسے حضرات کے لئے یہ فرمانِ باری ﷻ خصوصی توجہ چاہتا ہے،

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ۔ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں (زمر۔۱)

اس روایت پر بھی غور فرمائیں،

منقول ہے کہ

ایک عابد نے بغیر کسی مال کے مسجد میں اعتکاف کیا۔ امام مسجد نے حالتِ بے سروسامانی دیکھ کر کہا، اگر تم مال کماتے تو یہ تمہارے لئے افضل تھا۔ عابد خاموش رہا۔ امام نے اسی بات کو کئی مرتبہ دہرایا، آخر کار عابد بولا، دراصل مسجد کے پڑوس میں ایک یہودی کا گھر ہے، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دو روٹیاں روزانہ دے جایا کرے گا۔ امام نے کہا اچھا! اگر اس نے وعدہ کیا ہے، تو تمہارے مسجد میں اعتکاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ سن کر عابد نے کہا،

اے امامِ مسجد! تم عقیدۂ توحید میں کمی کے باعث، اللہ ﷻ اور اس کی مخلوق کے درمیان کھڑے ہوئے ہو، اگر تم امام نہ ہوتے تو اچھا تھا، کیونکہ تم نے یہودی کے وعدے کو اللہ ﷻ کی رزق کی ضمانت پر فوقیت دی ہے۔ (احیاءعلوم الدین)

توکل ومتوکل کی تعریف سے یہ بھی بخوبی واضح ہوگیا کہ اسباب وذرائع اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں، جب کہ انہیں فقط ایک وسیلہ سمجھا جائے اور اللہ ﷻ کے وعدے پر کامل یقین واعتماد حاصل ہو۔

قرآن عظیم کی تعلیمات اور ہمارے نبی کریم ﷺ و دیگر اکابرین اسلام کے قول وعمل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ ﷻ پر اعتماد کے ساتھ ساتھ اسباب کے اختیار کے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے حکم توکل کے باوجود اسباب کی تیاری کا جا بجا حکم دیا گیا ہے، بلکہ بعض مقامات پر اسباب کی موجودگی کو عبادت کی فرضیت کا سبب بنایا گیا ہے۔ درج ذیل دلائل ملاحظہ ہوں۔

❁ فرمان باری ﷻ ہے،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اور جتنی تمہیں استطاعت ہو، ان کے لئے قوت تیار رکھو اور جتنے گھوڑے باندھ سکو، باندھو تا کہ ان سے، ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ، جو اللہ اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا کچھ دوسروں کے قلوب میں، جنہیں تم نہیں جانتے۔

(الانفال۔60)

قُوَّة ، کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ امام فخر الدین رازی (رحمہ اللہ) ارشاد فرماتے ہیں،

یہاں قوت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو قوت کے حصول کے لئے سبب واقع

ہوں۔ اور مفسرین نے اس بارے میں چند صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلی، قوۃ سے مراد ہتھیاروں کی مختلف اقسام ہیں۔

دوسری، مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت پاک کو منبر پر تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا، سن لو کہ قوۃ، تیر اندازی (میں مہارت کا حصول) ہے۔ آپ ﷺ نے اسے تین مرتبہ بیان فرمایا۔

اور **تیسری** یہ کہ بعض اکابرین نے فرمایا، قوۃ سے مراد قلعے ہیں۔

(التفسیر الکبیر۔ جلد5۔ صفحہ 499)

کچھ آگے مزید ارشاد فرمایا،

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد کے لئے تیر، اسلحے، گھوڑوں اور تیر اندازی کی تربیت کے ساتھ تیاری کرنا فرض کفایہ ہے۔ (ایضاً)

❁ حج کی فرضیت کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا،

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط یعنی اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔ (ال عمران۔ 97)

علامہ فخر الدین رازی (رحمہ اللہ) **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں،

کسی شے کی طرف راستے کی استطاعت، منزل تک پہنچنے کے ممکن ہونے کا نام ہے۔ چنانچہ اس امکان کے حصول میں، صحت بدن، درندوں اور دشمن کی جانب

سے تلف کے خوف کا زوال، کھانے پینے کی اشیاء کا نہ ہونا، اتنے مال پر قادر ہونا کہ جس سے زادِ راہ اور سواری خریدی جا سکے، تمام قرضوں کا ادا کرنا اور امانتوں کا لوٹا دینا معتبر ہے۔ اور اگر اس پر کسی کا نان نفقہ واجب ہو تو اس پر اس وقت تک حج فرض نہ ہوگا، جب تک کہ اتنا مال نہ چھوڑے کہ جو اس کے آنے جانے کے دوران گھر والوں کو کفایت کرے۔ (تفسیر کبیر۔ جلد 3۔ صفحہ 304۔ 305)

امام قشیری فرماتے ہیں کہ

میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق (رحمہ اللہ) کو فرماتے سنا کہ توکل کے تین مراتب ہیں۔

{1} توکل... {2} تسلیم... {3} تفویض...

توکل ابتداء ہے، تسلیم درمیانی درجہ ہے اور تفویض انتہائی درجہ ہے۔ متوکل کو اللہ ﷻ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے اور تسلیم کا درجہ رکھنے والا صرف اس پر اکتفاء کرتا ہے کہ اللہ ﷻ کو اس کی حالت کا علم ہے اور تفویض والا شخص اللہ ﷻ کے حکم پر راضی ہوتا ہے (خواہ وہ حکم اس کے موافق ہو یا بظاہر مخالف۔) توکل انبیاء کی صفت ہے، تسلیم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اور تفویض رحمتِ عالم ﷺ کی۔ (رسالہ قشیریہ)

اس قول میں ذکر کردہ مرتبہ رسول ﷺ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل حدیث کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنھا) سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ (ایک سفر میں) بیدار رہے تھے، جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں

جلوہ افروز ہوئے تو فرمایا،

لیت رجلا من اصحابی صالحا یحرسنی اللیلۃ ۔

یعنی کاش! آج رات، میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص ہماری حفاظت کرے۔ اچانک آپ ﷺ نے ہتھیاروں کی آواز سماعت فرمائی، پوچھا، کون ہے؟.... باہر سے کہا گیا، سعد بن ابی وقاص ہوں، آپ ﷺ کی حفاظت کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ سوگئے۔ (بخاری)

واضح رہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 67، **وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا) کے نزول کے بعد رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کو اپنی حفاظت سے منع فرمایا دیا تھا۔ لیکن یہ حکم فقط اللہ ﷻ کے آپ ﷺ کی حفاظت کا معاملہ اپنا ذمۂ کرم پر لے لینے کی بناء پر تھا، نہ کہ طلبِ حفاظت کے لئے حفاظتی اقدامات کو ناجائز ثابت کرنے کے لئے۔

مذکورہ حدیثِ پاک سے حاصل ہونے والے نکات کی نشاندہی فرماتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی (رحمہ اللہ) ارشاد فرماتے ہیں،

مذکورہ حدیث میں دشمن سے ہوشیار رہنے اور (اور اس کی طرف سے پہنچنے والے نقصان سے) حفاظت اختیار کرنے کا بیان ہے...اور...اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں پر لازم ہے کہ دشمنوں کی طرف سے قتل کر دیے جانے کے خوف کے باعث اپنے سلطان کی حفاظت کریں...اور...یہ بھی ثابت ہوا کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ توکل فعلِ قلب ہے اور اختیارِ اسباب، عملِ بدن۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ جلد 10۔ صفحہ 204)

رزق کے بارے میں اللہ ﷻ کا واضح فرمان عالیشان ہے،

وَمَامِنْ دَآ بَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّاعَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں، جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (ھود۔6)

مذکورہ آیت کریمہ اور اختیار توکل کے احکام پر مشتمل آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اپنے اہل بیت کے لئے نان نفقہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا،

بنی نضیر کی دولت ایسی ہے، جو اللہ ﷻ نے جنگ کے بغیر ہی اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمادی۔ اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے اور نہ ہی جنگ لڑنا پڑی، پس وہ مال خاص رسول اللہ ﷺ کا حق ہوا۔ **آپ اس میں سے اپنے اہل و عیال کو ایک سال کا خرچ عنایت فرمادیتے**۔ پھر باقی کو ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ سامان جہاد میں استعمال فرماتے۔ (بخاری)

احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حفاظت کے معاملے میں ظاہری اسباب کو اختیار فرمایا، جیسا کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کے فطرے کے غلے کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا کہ ایک شخص آیا اور غلہ چرانے لگا (الی آخرہ)۔ (بخاری)

❁ غزوات وسرایا میں رحمت عالم ﷺ اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اسلحے کے ساتھ ہی جہاد فرمایا کرتے تھے، کہیں بھی ثابت نہیں کہ ان نفوس قدسیہ نے بغیر ہتھیار میدان جنگ میں پہنچ کر توکل علی اللہ کا عملی درس دینا پسند فرمایا ہو۔ چنانچہ

مروی ہے کہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے بتایا کہ آپ کا چہرۂ انور زخمی اور سامنے کے دندان مبارک شہید کر دیئے گئے تھے اور خود کو سر مبارک پر توڑ دیا گیا تھا۔ (بخاری)

❁ **عملی تعلیم** کے ساتھ ساتھ رحمت عالم ﷺ نے قولی طور پر بھی اس بات کو صراحتہً بیان فرمایا ہے، چنانچہ

حضرت ابوخزامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں،

انہوں نے کہا کہ میں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی کہ آپ اس منتر کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ جسے ہم (بیماری وغیرہ دور کرنے کی غرض سے) پڑھتے ہیں اور اس دواء کے بارے میں کہ جس کے ذریعے ہم علاج کرتے ہیں اور (اسلحے وغیرہ سے) بچاؤ کے بارے میں کہ جسے ہم (حالت جنگ وغیرہ) میں اختیار کرتے ہیں، کیا یہ امور اللہ عزوجل کی قضاء وقدر کو بدل دیتے ہیں؟... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ھی من قدر اللہ**۔ یعنی تمام مذکورہ چیزیں، اللہ عزوجل کی قضا وقدر سے ہی ہیں۔ (ترمذی)

❁ **حضرت انس بن مالک** رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کی،

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا میں اس اونٹنی کو کھلا چھوڑ دوں اور اللہ ﷻ پر بھروسہ کروں؟..... متوکل اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ اس کی ٹانگوں میں رسی باندھ اور پھر اللہ پر توکل کر۔ (ترمذی۔ کنزالعمال)

ﷺ صحبتِ نبی ﷺ کی برکات سے فیضیاب ہونے والے صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے زیادہ کون توکل کے مفہوم کو سمجھتا ہوگا؟..... لیکن اس کے باوجود مروی ہے کہ،

(جب لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ سخت کر دیا تو) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حضرت حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) سے فرمایا، اپنی تلواریں لے کر جاؤ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے دار کی طرح چوکس وہوشیار کھڑے رہو، کسی حملہ کرنے والے کو اندر نہ جانے دینا۔ اسی طرح حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دوسرے اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) نے بھی اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے سے روکو۔ (تاریخ الخلفاء۔ صفحہ 244)

ﷺ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (رحمہ اللہ) رسالہ قشیریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

یاد رکھو! توکل کا مقام دل ہے۔ پس بندے کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ تقدیر اللہ ﷻ کی جانب سے ہے، چنانچہ اگر کوئی چیز مشکل محسوس ہو تو اسی کی تقدیر کی بناء پر ہوگی اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے.. یا.. آسان ہو، تو وہ بھی اللہ ﷻ ہی کے آسان کرنے سے ہوگی۔ **لھذا اس صورت میں ظاہری حرکات وکوشش،**

توکل کے منافی نہیں۔ (صفحہ 348)

❁ **حضرت سہل بن عبداللہ تستری** (رحمہ اللہ) اختیارِ اسباب ظاہری کو سنت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

توکل، رحمتِ کونین ﷺ کا حال تھا اور کسب کرنا (یعنی اختیارِ اسباب) آپ ﷺ کی سنت ہے۔ لھذا جو رسول اللہ ﷺ کے حال پر رہنا چاہے، اسے آپ ﷺ کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ (رسالہ قشیریہ صفحہ 351)

❁ **بلکہ آپ نے اسباب کی جانب** متوجہ ہونے پر طعن کو سنت پر طعن کرنا قرار دیا ہے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے،

جس نے کسی کو کوشش اختیار کرنے پر طعن کیا، اس نے سنت پر طعن کیا۔ (رسالہ قشیریہ صفحہ 353)

❁ **اسبابِ ظاہری اختیار** کرنے کے بارے میں، "**توکل علی اللہ** پر حامل" ایک ولی کامل کا عمل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت فرغانی (رحمہ اللہ) نے ارشاد فرمایا، حضرت ابراہیم خواص (رحمہ اللہ) توکل میں یکتا تھے اور اس بارے میں بہت دقیق باتیں کیا کرتے تھے، اس کے باوجود ہمیشہ اپنے ساتھ سوئی، دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھا کرتے۔ ایک دن کسی نے دریافت کیا کہ آپ تو اپنے آپ کو ہر چیز سے روکتے ہیں، پھر یہ چیزیں کیوں اٹھائے پھرتے ہیں؟.....آپ نے جواب دیا،

اس قسم کی چیزوں سے توکل پر کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ ﷻ

کے بہت سے فرائض بھی ہیں۔ ہمارے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ پھٹ جاتا ہے، پس اگر اپنے پاس سوئی دھاگہ نہ رکھوں تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے، جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر لوٹا نہ رکھوں تو طہارت زائل ہونے پر پاکی کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہے؟...لھذا اگر تمہیں کوئی فقیر لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر نظر آئے، تو خود غور کر لو کہ اس کی نماز کیسی ہوگی؟....

(رسالہ قشیریہ۔صفحہ 353)

بلکہ امام غزالی (رحمہ اللہ) نے ترکِ اسباب کا نام توکل رکھنے کو ظن جہال، بلکہ گناہ قرار دیا ہے لھذا ارشاد فرماتے ہیں،

کبھی گمان کیا جاتا ہے کہ توکل کا معنی، بدن کے ذریعے کسب اور دل کے ذریعے تدبیر کو ترک کر دینے اور زمین پر گر جانے (کا نام) ہے، جیسے زمین پر گرا ہوا میوہ۔ یا۔ تختے پر پڑا ہوا گوشت۔ اور یہ جاہلوں کا خیال ہے، کیونکہ ایسا نظریہ رکھنا شریعت میں حرام ہے۔ شرع نے متوکلین کی تعریف کی ہے، تو دینی درجات میں سے کسی درجے تک "دینی لحاظ سے ممنوعہ اشیاء کے ذریعے" کس طرح پہنچا جا سکتا ہے؟....

(احیاء العلوم۔جلد 4۔صفحہ 282)

ان تمام دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اسباب و ذرائع اختیار کرنے کو توکل کے خلاف قرار دینا بالکل غلط ہے۔ ہاں اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات اکابرین اسلام سے ترکِ اسباب اور اس کی تلقین بھی ثابت ہے، جیسا کہ

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے بچھو نے ڈس لیا۔میری والدہ نے مجھے قسم دی کہ تم ضرور دم کراؤ گے۔ والدہ کے حکم کی وجہ سے میں دم کروانے پر مجبور ہو گیا،لیکن جب دم کرنے والے نے دم کرنا چاہا،تو میں نے اسے وہ ہاتھ پکڑا دیا،جس پر بچھو نے نہ کاٹا تھا(اس طرح والدہ کی دل جوئی بھی ہو گئی اور توکل بھی کامل رہا)۔ (احیاءعلوم الدین)

مروی ہے کہ

ایک بزرگ بسلسلۂ ریاضت کسی جنگل میں تھے۔شیطان آیا اور وسوسے ڈالنے لگا کہ

آپ کے پاس اس ویرانے میں کچھ بھی نہیں اور یہ ایسا جنگل ہے کہ جس میں ہلاک کر دینے والی اشیاء بکثرت ہیں اور اس میں نہ تو کسی آبادی کا نشان ہے اور نہ کسی انسان کا گزر ہے،آپ کھائیں گے کہاں سے؟ پئیں گے کہاں سے؟.....

بزرگ نے اس شیطانی وسوسے کو محسوس کرتے ہوئے ، اللہ عزوجل پر کامل بھروسہ کر کے،دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ بغیر زادِ راہ،اس جنگل کو طے کروں گا،کسی سے کوئی چیز نہ لوں گا اور اس وقت تک نہ کھاؤں گا،جب تک میرے منہ میں زبردستی گھی اور شہد نہ ڈالا جائے۔

اس ارادے سے ساتھ ہی آپ نے جنگل کے بالکل سنسان حصے کی طرف رخ کیا اور سفر طے کرنا شروع ہو گئے۔فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح چلتا رہا حتی کہ ایک روز دیکھا کہ ایک قافلہ راستہ بھول کر میری طرف آ رہا ہے۔میں انہیں دیکھتے ہی

زمین پر لیٹ گیا تا کہ وہ مجھے نہ دیکھ پائیں، لیکن اللہ ﷻ کی شان کہ وہ سیدھے چلتے ہوئے مجھ تک پہنچ گئے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں، وہ آپس میں کہنے لگے،

شائد اس کا زادِ راہ ختم ہو چکا ہے اور بھوک و پیاس کی شدت سے بے ہوش ہے، اس لئے گھی اور شہد لاؤ تا کہ اسے ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ میں ڈالیں۔

چنانچہ گھی اور شہد لایا گیا، یہ دیکھ کر میں نے اپنا منہ سختی سے بند کرلیا۔ انہوں نے چھری منگوا کر میرا منہ زبردستی کھولا اور اس میں گھی اور شہد ڈال دیا۔ اس صورتِ حال پر میں ہنس دیا اور آنکھیں کھول دیں۔ میری یہ حرکت دیکھ کر وہ کہنے لگے، یہ تو کوئی پاگل لگتا ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم! میں پاگل ہرگز نہیں ہوں۔ پھر میں نے اپنا تمام واقعہ انہیں سنایا، تو وہ بھی حیران ہوئے۔ (منہاج العابدین)

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ

میں نے زمانہ طالبِ علمی میں دورانِ سفر، اپنے اسلافِ اکرام رضی اللہ عنہم کی سنت کے مطابق، آبادی سے دور ایک مسجد میں، بغیر کسی سازوسامان کے قیام کیا۔ شیطان نے کھانے پینے سے متعلق وسوسے ڈال کر میرے توکل میں خلل ڈالنے کی کوشش کی، چنانچہ ان وسوسوں کے جواب میں، میں نے تہیہ کرلیا کہ

اب یہیں رہوں گا اور حلوے کے علاوہ کچھ بھی نہ کھاؤں گا اور حلوہ بھی اس وقت تک نہ کھاؤں گا کہ جب تک ایک ایک لقمہ کر کے میرے منہ میں نہ ڈالا جائے۔

چنانچہ میں دروازہ بند کر کے عبادت میں مشغول ہوگیا۔ جب رات کا

ابتدائی حصہ گزرا تو کسی نے زور زور سے دروازہ بجایا۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک بڑھیا، ایک نوجوان کے ساتھ کھڑی ہے اور اس کے ہاتھ میں ڈھکا ہوا تھال ہے، جس سے حلوے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے انہیں اندر آنے دیا، بڑھیا نے تھال میرے آگے رکھ دیا اور کہنے لگی،

یہ نوجوان، میرا بیٹا ہے، میں نے اس کے لئے حلوہ تیار کیا تھا، دورانِ گفتگو اس نے قسم کھالی کہ میں یہ حلوہ کسی مسافر کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔

چنانچہ تو بھی کھا، تاکہ میرا بیٹا بھی کھا سکے، اللہ ﷻ تجھ پر اپنا رحم فرمائے۔ اس کے بعد بڑھیا نے ایک لقمہ بنا کر میرے منہ میں ڈالا اور دوسرا اپنے بیٹے کے منہ میں، وہ اسی طرح لقمے کھلاتی رہی حتیٰ کہ میں نے سیر ہو کر حلوہ کھایا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں دل ہی دل میں اللہ ﷻ کی حسنِ تدبیر پر دیر تک حیران ہوتا رہا۔

(منہاج العابدین)

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی،

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ اور اس زندہ ذات پر بھروسہ کرو، جس کے لئے موت نہیں۔ (فرقان۔58)

پھر فرمایا، اس آیت کے بعد کسی بندے کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کی پناہ لے۔

(احیاء علوم الدین)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تارک الدنیا سے پوچھا،

آپ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں؟.... اس نے کہا، مجھے نہیں معلوم، میرے

رب سے پوچھو، وہ مجھے کہاں سے کھلاتا پلاتا ہے۔ (ایضاً)

مروی ہے کہ

حضرت ذوالنون مصری ﷫ سے پوچھا گیا توکل کیا ہے؟...فرمایا، دوستوں سے علیحدگی اور اسباب سے انقطاع توکل ہے۔ (ایضاً)

منقول ہے کہ

کسی نے حضرت ابوعبداللہ ﷫ سے توکل کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا، ہر حال میں اللہ ﷯ سے تعلق قائم رکھنا۔ سائل نے عرض کی، مزید کچھ بتائیے۔ فرمایا، ہر اس سبب کو چھوڑ دینا، جو کسی دوسرے سبب تک پہنچاتا ہو، حتیٰ کہ اللہ ﷯ ہی ہر کام کا کفیل قرار پائے۔ (ایضاً)

حضرتِ عیسیٰ ﷤ کا فرمان ہے،

پرندے کی جانب دیکھو، نہ وہ کھیتی باڑی کرتا ہے، نہ غلہ کاٹتا ہے اور نہ ہی مال جمع کرتا ہے، پھر بھی اللہ ﷯ اسے ہر دن کی غذا عطا فرما رہا ہے۔ (ایضاً)

اور حضرت سہل ﷫ نے توکل کے سلسلے میں ارشاد فرمایا،

یہ تدبیر کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ اللہ ﷯ نے مخلوق کو پیدا فرما کر ان کو اپنی ذات سے پردے میں نہیں رکھا، ان کا حجاب ان کی تدبیر ہی ہوتی ہے۔ (ایضاً)

مروی ہے کہ

حضرت بشر ﷫ چرخے بنایا کرتے تھے، پھر آپ نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کو ایک بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نامی بزرگ نے لکھا، مجھ تک یہ

بات پہنچی ہے کہ آپ اپنے رزق کے لئے چرخوں سے مدد لیتے ہیں۔ بتایئے، اگر اللہ ﷻ آپ کی سماعت وبصارت لے جائے تو آپ کے رزق کا کون کفیل ہوگا؟ حضرت بشر ؒ کے دل میں یہ بات اثر کرگئی، چنانچہ آپ نے کام بند کر کے تمام اوزار تقسیم کر دیئے۔ (ایضاً)

لیکن ہر ایک کے لئے اس قسم کا توکل اختیار کرنا ممکن نہیں، کیونکہ اس کے لئے اللہ ﷻ کی خصوصی مدد کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے امور درکار ہوتے ہیں، جن سے عوام کی اکثریت محروم ہوتی ہے، لہٰذا "صرف آزمانے کی نیت سے" اس قسم کی کوشش بعض اوقات رہا سہا توکل بھی ختم کردیتی ہے۔ اس لئے اپنی ہمت ووسعت کے مطابق اور حکمت کے ساتھ، توکل واختیارِ اسباب میں توازن برقرار رکھنا چاہیئے۔ درج ذیل واقعے پر غور کیجئے۔

ایک شخص نے اللہ ﷻ پر توکل کا ارادہ کر کے ویران پہاڑ پر ٹھکانہ بنالیا اور اس امید پر دن گزارنے لگا کہ اللہ ﷻ غیب سے اسبابِ حیات مہیا فرمائے گا۔ لیکن سات دن کا فاقہ گزرنے کے باوجود کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ بھوک سے نڈھال قریبی گاؤں میں پہنچا اور ایک گھر سے کھانا مانگا۔ صاحبِ خانہ نے اسے تین روٹیاں دیں۔ یہ روٹیاں لے کر چلا، تو اس گھر کا کتا بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ سوچ کر کہ یہ بھی میری طرح ہی بھوکا ہے، اس نے ایک روٹی اسے ڈال دی۔ کتے نے کھا کر پھر پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ اس نے دوسری بھی ڈال دی۔ کتے نے اس مرتبہ بھی پہلے والا عمل کیا۔ اس نے تیسری بھی ڈال دی، کتے نے اسے بھی کھالیا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا،

او کتے !تو تو بڑا حریص ہے، تینوں روٹیاں کھا کر بھی پیچھے آ رہا ہے؟....اللہ ﷻ نے کتے کو بولنے کی قوت عطا فرمادی، اس نے بزبان فصیح کہا، لالچی میں ہوں یا تو؟....جس گھر سے تو نے روٹی مانگی، وہ ایک یہودی کا گھر تھا۔وہ میرا مالک ہے۔وہ مجھے مارے یا دھتکارے، سردی ہو یا گرمی، کھانا دے یا نہ دے، میں اس کا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا، لیکن تو کیسا متوکل ہے، کہ سات دن کا فاقہ ہوا، تو اپنا مالک کا در چھوڑ کر اس کے دشمن کے دروازے پر دستک دے ڈالی؟....کتے کی نصیحت نے اس شخص کے قلب پر گہرا اثر کیا، چنانچہ اس نے دوبارہ ہمت کی اور پہاڑوں پر چلا گیا اور اس بار اللہ ﷻ کے فضل وکرم سے توکل میں کمال حاصل کیا۔ (ذکر خیر)

نیز یہ فرمان باری تعالی ملاحظہ فرمائیے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ اور زادراہ ساتھ لو، بے شک سب سے بہتر زادراہ تقوی ہے۔ (بقرہ۔195)

اس کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بعض یمنی حضرات حج کے لئے بغیر سازوسامان کے روانہ ہوتے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے، لیکن مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے اور کبھی غصب وخیانت کے مرتکب ہوتے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف الاعتقاد شخص کے آزمائشی توکل کے بارے میں ارشاد فرمایا،

اگر کوئی شخص کسی ایسی گھاٹی میں جائے، جہاں پانی یا سبزہ وغیرہ کچھ نہ ہو، نہ

وہاں کوئی قافلہ وغیرہ ٹھہرتا ہو اور یہ توکل کر کے بیٹھ جائے تو گناہ گار اور خود کو ہلاک کرنے والا ہوگا۔ (احیاء علوم الدین)

کیونکہ ناکام رہنے کی صورت میں ذاتِ باری تعالیٰ سے مایوسی بڑھے گی، جو آہستہ آہستہ کفر کی جانب بھی لے جاسکتی ہے۔

اس سلسلے میں یہ ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مروی ہے کہ

ایک زاہد بستی سے الگ ہو کر پہاڑ کے دامن میں اس نیت سے بیٹھ گیا کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا جب تک کہ اللہ ﷻ براہِ راست عطا نہ فرمائے۔ سات دن تک حسبِ توقع نتیجہ نہ نکلا، حتیٰ کہ مرنے کے قریب ہوگیا۔ آخر کار بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوا،

اے میرے رب ﷻ! اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو جو رزق تو نے میرے مقدر میں لکھ رکھا ہے، مجھے عطا فرمادے، ورنہ میری روح قبض کرلے۔

اللہ ﷻ کی جانب سے الہام ہوا کہ

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں تجھے اس وقت تک رزق نہ دوں گا، جب تک کہ تو لوگوں کے درمیان جا کر نہ رہے گا۔

یہ فیصلہ سن کر وہ شہر میں داخل ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ اس کی جانب متوجہ ہونا شروع ہوگئے ہیں، کوئی کھانا لا رہا ہے تو کوئی مشروب۔ اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر اس کے دل میں شیطان نے ذاتِ باری تعالیٰ سے متعلق وسوسہ ڈالنا

چاہا تو اللہ ﷻ نے اسے الہام فرمایا کہ

تو چاہتا ہے کہ اپنے دنیوی زہد کی وجہ سے میری حکمت کو بدل دے۔ کیا تو نہیں جانتا میں اپنے بندوں کو اپنے دستِ قدرت سے رزق عطا فرمانے کے بجائے، لوگوں کے ہاتھوں سے دینا زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ (ایضاً)

اس سلسلے میں مزید وضاحت و معرفت کے لئے امام غزالی ﷫ کی تحریر کا درج ذیل خلاصہ انتہائی نافع ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں،

اختیارِ اسباب کے اعتبار سے متوکلین کے کئی مقامات ہیں۔

پہلا مقام،

یہ حضرت خواص ﷫ اور ان جیسے بزرگوں کا مقام ہے یعنی وہ لوگ جو زادِ راہ کے بغیر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور محض اللہ ﷻ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ انہیں ایک ہفتے یا اس سے بھی زیادہ صبر کی طاقت عطا فرمائے گا یا انہیں کوئی سبزی وغیرہ کھانے کو مل جائے گی یا کوئی چیز نہ ملی تو وہ موت پر راضی ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو شخص زادِ راہ ساتھ لے کر چلے تو اس کے سامان کے گم ہونے کے امکانات بھی تو ہیں ..یا.. اگر یہ راستہ بھٹک کر بھوک کی حالت میں مرجاتا ہے، تو یہ صورت زادِ راہ لے جانے کی حالت میں بھی متوقع ہے۔

دوسرا مقام،

ان لوگوں کا ہے، جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جائیں، لیکن کسی شہر یا گاؤں میں ہی ہوں۔ یہ مقام، پہلے کی بنسبت کمزور مقام ہے، لیکن ایسا شخص بھی متوکل ہے،

کیونکہ وہ کمائی اور ظاہری اسباب کو چھوڑ دیتا ہے اور پوشیدہ اسباب کے اعتبار سے اپنے معاملے کی تدبیر میں اللہ ﷻ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے۔لیکن شہر میں ہونے کی بناء پر وہ اسباب رزق سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ شہر میں رہائش بھی حصول رزق کے اسباب میں سے ہے۔لیکن جب اس کی نظر صرف اس ذات کی جانب ہو، جس نے شہر والوں کو اس تک رزق پہنچانے پر مقرر کیا ہے مخلوق کی جانب نہ ہو تو اس سے توکل باطل نہیں ہوتا۔

یہاں توکل کا ثبوت اس احتمال کی بناء پر ہے کہ لوگ اس سے غافل ہو جائیں اور اسے ضائع کر دیں، چنانچہ اسے اللہ ﷻ پر کامل اعتماد ہوتا ہے کہ وہ اپنے فضل سے انہیں اس کے حال سے آگاہ کرے گا اور وہ اس کی خبر گیری کے لئے ضرور حرکت میں آئیں گے۔

تیسرا مقام،

ان لوگوں کا ہے، جو باقاعدہ کسب اختیار کریں۔لیکن یہ کوشش بھی انہیں توکل سے باہر نہ نکالے گی، بشرطیکہ ان کے قلوب، اپنی کفایت وقوت وجاہ و پونجی پر مطمئن نہ ہوں، بلکہ باعث اطمینان قلب، فقط اللہ ﷻ کی ذات ورحمت ہو۔

اس کسب کے باوجود توکل کا ثبوت اس لئے ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ اللہ ﷻ ان تمام چیزوں کو ایک لحظہ میں ہلاک کر دے، چنانچہ اس کی نظر صرف اس سچے کفیل پر ہوتی ہے، جو ان تمام چیزوں کی حفاظت کرتا اور اس کے لئے اسباب کو آسان بناتا ہے۔نیز وہ اپنی کفایت و پونجی و کسب کو اللہ ﷻ کی قدرت کے مقابلے میں اس طرح

جانے، جیسے حکم صادر کرنے والے بادشاہ کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے، پس اس کی توجہ قلم پر نہیں، بلکہ بادشاہ کے قلبی میلان کی جانب ہوگی کہ وہ کس بات کے ساتھ قلم کو حرکت دیتا اور کس جانب مائل ہوتا ہے۔

پھر اگر یہ شخص فقط اپنے اہل وعیال کے لئے کماتا ہے یا اس لئے کہ مساکین میں تقسیم کرے گا تو یہ بدن کے اعتبار سے کمانے والا، جب کہ دل کے لحاظ سے سب سے علیحدہ شمار ہوگا۔ اس شخص کی حالت اس کی حالت سے بہتر ہے، جو گھر میں بیٹھ جاتا ہے۔ (ایضاً)

ایک عام مسلمان کے لئے کم ازکم اس تیسرے درجے کے توکل کا اختیار کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس سے محرومی کا مطلب توکل کے سلسلے میں قرآنی احکام کی تعمیل سے مکمل طور پر دور ہونا ہے اور یہ چیز یقیناً قابل گرفت ہے۔

اس تفصیل کے بعد ایک امر بھی خصوصاً قابل توجہ ہے کہ اگر دل اللہ ﷻ پر اسی طرح کامل بھروسہ کیے ہوئے ہو، جس کا شریعت تقاضا کرتی ہے، تو کسب کی مثل، مال کا جمع کرنا بھی توکل کے منافی نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا اہل خانہ کے لئے ایک سال کا غلہ جمع رکھنا بہترین دلیل ہے۔ نیز درج ذیل واقعے پر بھی غور فرمائیے۔

حضرت حسین مغازلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ

میں چاشت کے وقت حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر تھا۔ اسی اثنا میں ایک

کمزور، گندمی رنگ اور ہلکی داڑھی والا ایک شخص آیا۔ حضرت اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ مجھے کافی حیرت ہوئی، کیونکہ آپ کسی کے استقبال کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ پھر آپ نے مجھے ہتھیلی بھر درہم دیے اور فرمایا، جس قدر اچھا کھانا مل سکتا ہو لاؤ۔ حالانکہ اس سے قبل کبھی آپ نے اس قسم کا مطالبہ نہ کیا تھا۔ بہر حال میں کھانا لے آیا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس شخص کے ساتھ مل کر کھانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کو کسی کے ساتھ کھانا کھاتے نہ دیکھا گیا تھا۔ جب کھانا کھا چکے، تو پھر بھی بہت سا کھانا بچ گیا۔ اس مہمان نے وہ تمام کھانا ایک کپڑے میں جمع کیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ میں نے اس کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت نے میری کیفیات پر مطلع ہو کر فرمایا، شائد تمہیں اس شخص کے عمل پر اعتراض ہے؟.... میں نے عرض کی، جی ہاں، کیونکہ وہ بغیر اجازت باقی کھانا اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ آپ نے فرمایا،

وہ ہمارے بھائی حضرت فتح موصلی ؒ تھے۔ وہ موصل سے ہمیں ملنے آئے تھے۔ کھانا ساتھ لے جا کر دراصل انہوں نے ہمیں سکھانا چاہا تھا کہ جب توکل صحیح ہو، تو مال جمع کرنے میں حرج نہیں۔ (احیاء علوم الدین)

یہاں تک تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدم توکل، انسان کے لئے اللہ ﷻ کی حکم عدولی اور وعدۂ خداوندی پر اعتماد نہ ہونے کی بناء پر قابل گرفت ہے، لٰھذا ہر مسلمان کو اپنی ذات میں اس کی علامات کا مشاہدہ ضروری ہے، تا کہ موجودگی کی صورت میں علاج کی جانب توجہ ممکن ہو سکے۔

عدم توکل کی علامات میں سے سب سے بڑی علامت، خالق سے زیادہ مخلوق پر اعتماد کا زیادہ ہو جانا ہے۔

جب یہ مرض دل میں جگہ پاتا ہے تو انسان اللہ ﷻ کے وعدوں کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلاء ہو جاتا ہے، جب کہ مخلوق کی جانب سے کیے گئے وعدے پختہ محسوس ہونے لگتے ہیں۔

نیز انسان کا اپنے موجود اشیاء پر اعتماد قوی، جب کہ اللہ ﷻ کی امداد پر یقین انتہائی کم ہو جاتا ہے۔

غور کیجئے کہ یہی کیفیات آپ کے قلب پر بھی قبضہ تو نہیں جما چکیں؟.....
اگر جواب ہاں میں ہے تو علاج کی جانب توجہ کیجئے، اس سے قبل کہ پھر توجہ دینا نافع نہ رہے۔ چنانچہ

۞ من جانب اللہ، اس صفت کی موجودگی پر حاصل ہونے والے فوائد کو پیش نظر رکھنا بے حد نافع ہے۔ مثلاً

۞ اس کی بناء پر اللہ ﷻ کی خصوصی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے،

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔ (طلاق۔3)

۞ یہ صفت آخرت میں جنت میں دائمی ٹھکانے کے حصول کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے،

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۖۗ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ہم ضرور انہیں جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہترین ٹھکانہ ہے۔ وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ (عنکبوت۔58۔59)

یونہی فرمانِ عالیشان ہے،

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ○ اور وہ جو اللہ کے پاس ہے، بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہ ان کے لئے ہے، جو ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (شوریٰ۔36)

✿ اس صفت کامل کے حامل حضرات، اللہ ﷻ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ○ بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آلِ عمران۔159)

✿ ایسے حضرات کا ایمان کامل ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ۖ صلے محض (کامل) ایمان والے وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا یقین اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

(انفال۔2)

✿ اس کی برکت سے گرفتِ شیطان کمزور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ

فرمان باری تعالیٰ ہے،

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ بے شک اس کا ان لوگوں پر کوئی قابو نہیں، جو ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (نحل۔99)

اس سلسلے میں درج ذیل احادیث بھی بے حد موثر ہیں۔ چنانچہ

✿ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ عزوجل پر اس طرح توکل (یعنی بھروسہ) کرو، جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا، جیسے پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح بھوکے جاتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

(ترمذی)

✿ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، جو شخص فاقہ میں مبتلاء ہو جائے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان کرے، تو اس کا فاقہ ختم نہیں کیا جاتا اور جو رزق تنگ ہونے پر اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرے، تو اللہ عزوجل اسے جلد یا بدیر رزق عطا فرمائے گا۔

(ترمذی)

✿ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے موسم حج میں تمام امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے ان میں اپنی امت کو دیکھا، تو انہوں نے (اپنی کثرت کی بناء پر) میدان و پہاڑ سب کو گھیر رکھا تھا۔ مجھے ان کی کثرت نے تعجب و خوشی میں مبتلاء کر دیا۔ مجھ سے پوچھا گیا، کیا آپ اس پر راضی ہیں؟..... میں نے کہا، ہاں راضی ہوں۔ کہا گیا، ان کے ساتھ ستر ہزار (70000) مزید ہیں، جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ کون لوگ ہیں؟... فرمایا، وہ لوگ جو اپنا جسم نہیں داغتے، نہ بدشگونی میں مبتلاء ہوتے ہیں، نہ ہی (شرکیہ کلمات کے ساتھ) دم کرتے ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! دعا کیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ عزوجل! عکاشہ کو بھی ان میں سے کر دے۔ ایک دوسرے صحابی کھڑے ہوئے

اورعرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! دعا کیجئے کہ اللہ ﷻ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ (بخاری)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا، جوسب سے (امیدکا) تعلق توڑکراپنے رب کی جانب آتا ہے،تو اللہ ﷻ ہرمشکل میں اس کی کفایت فرماتا ہے اوراسے وہاں سے رزق دیتا ہے، جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اورجودنیا سے تعلق جوڑتا ہے،تو اللہ ﷻ اسے دنیا کے حوالے کردیتا ہے۔ (شعب الایمان)

توکل کے سلسلے میں اکابرین کے عمل اوراس کے جواب میں اللہ ﷻ کی جانب سے کی جانے والی کرم نوازیوں کامشاہدہ بھی بے حدمفید ثابت ہوگا۔ چنانچہ

مروی ہے کہ

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے ان سے پوچھاکہ دوران خدمت آپ نے کوئی عجیب واقعہ ملاحظہ فرمایا ہو،تو بیان کیجئے۔ انہوں نے بتایا،

ایک مرتبہ ہم مکہ مکرمہ جاتے ہوئے، کئی دن اس طرح رہے کہ کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ پھرہم کوفہ داخل ہوئے تو حضرت ایک ویران مسجد میں قیام پزیر ہوئے۔ پھرمیری جانب متوجہ ہوکرفرمایا، بھوک لگ رہی ہے؟..... میں نے عرض کی، جی ہاں۔ فرمایا، دوات اورکاغذ لاؤ۔ میں لے آیا۔ آپ نے لکھا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ تو ہی ہر حالت میں مقصود ہے اور ہر مقصد میں تیری ہی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

پھر یہ شعر لکھا،

انا حامد انا شاکر انا ذاکر انا جائع انا ضائع انا عاری

ھی ستۃ وانا الضمین لنصفھا فکن الضمین لنصفھا یاباری

مدحی لغیرک لھب نار خضتھا

فاجر عبیدک من دخول النار

(میں تعریف کرنے والا، شکر کرنے والا اور ذکر کرنے والا ہوں۔ میں بھوکا، پیاسا اور برہنہ ہوں۔ اے باری تعالیٰ! یہ چھ باتیں ہیں۔ ان میں نصف کا میں ضامن ہوں، پس باقی تین کا تو ضامن ہو جا۔ تیرے غیر کے لئے میری تعریف، آگ کا شعلہ ہے، میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس تو اپنے بندے کو دخول نار سے بچالے۔)

پھر یہ رقعہ مجھے دے کر فرمایا، جاؤ، اپنے دل کو غیر خدا سے متعلق نہ کرنا اور جس شخص سے سب سے پہلے ملاقات ہو، یہ رقعہ اسے دے دینا۔

میں باہر نکلا۔ سب سے پہلے جس سے ملاقات ہوئی، وہ ایک خچر سوار تھا۔ میں نے رقعہ اسے دیا۔ اس نے پڑھا تو رونے لگا۔ پھر پوچھا، یہ لکھنے والا کہاں ہے؟..... میں نے کہا، فلاں مسجد میں ہے۔ اس نے مجھے ایک تھیلی دی، جس میں چھ سو دینار تھے اور چلا گیا۔ میں نے کسی سے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ عیسائی ہے۔ میں حضرت کے پاس واپس آیا اور تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، ان دیناروں کو ہاتھ نہ لگانا، وہ شخص ابھی آئے گا۔ تھوڑی دیر بعد واقعی وہ شخص حاضر ہوا،

حضرت کے سر کو بوسہ دیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (احیاء علوم الدین)

مروی ہے کہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ فلاں فقیر کو اجرت سے کچھ زیادہ دینا۔ انہوں نے دینے کی کوشش کی، لیکن فقیر نے زائد مال واپس کر دیا۔ حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، اب دوبارہ جا کر دو، وہ لے لے گا۔ حسب حکم دوبارہ پیش کیا گیا تو اس نے بغیر کسی انکار کے قبول کر لیا۔ حضرت سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو ارشاد فرمایا،

دراصل پہلے فقیر کا نفس اس زائد مال کی تاک میں تھا، جس کی بناء پر توکل علی اللہ میں خلل پیدا ہو رہا تھا، چنانچہ اس نے مال واپس کر دیا۔ مال واپس کرنے کی وجہ سے قلبی طمع ختم ہو گئی اور دل مکمل طور پر اللہ عزوجل کی جانب متوجہ ہو گیا، چنانچہ دوسری بار لینے سے منع نہ کیا۔ (ایضا)

منقول ہے کہ

حضرت ابو جعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور متوکلین میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک اپنا توکل چھپائے رکھا، اس طرح کہ میں اس دوران بازار سے جدا نہ ہوا، میں روزانہ ایک دینار کماتا، لیکن رات کے لئے ایک پیسہ بھی نہ رکھتا تھا، نہ ہی اپنی راحت کے لئے کچھ خرچ کرتا کہ حمام میں غسل وغیرہ کرلوں، بلکہ رات آنے تک سارا مال صدقہ کر دیتا۔ (ایضا)

مروی ہے کہ

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے سفر میں کیا عجیب بات دیکھی ہے؟...فرمایا، میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔آپ نے میرے ساتھ رہنا چاہا،لیکن میں ان سے جدا ہوگیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا نفس ان کے ذریعے سکون حاصل کرے اور اس طرح میرے توکل میں نقصان پیدا ہو۔ (ایضا)

حضرت یعقوب بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں ایک دن حرم میں دس دن بھوکا رہا،بھوک سے شدید نڈھال ہوگیا، تو خیال آیا کہ وادی میں چلنا چاہیے ،شائد وہاں کچھ مل جائے۔وہاں پہنچا تو ایک پرانا شلغم پایا، میں نے اسے اٹھالیا،لیکن دل میں وحشت پیدا ہوئی اور یوں محسوس ہوا،جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ دس دن کے فاقے کے بعد بھی تیرے حصے میں سڑا ہوا شلغم آیا۔ چنانچہ میں نے اسے پھینک دیا اور مسجد میں دوبارہ داخل ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد ایک عجمی آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔پھر ایک تھیلا نکالا اور کہا یہ تمہارے لئے ہے۔میں نے پوچھا تم نے اسے میرے لئے کیسے خاص کرلیا؟...اس نے کہا کہ

ہم پندرہ دن سے سمندر میں پھنسے ہوئے تھے، چنانچہ میں نے منت مانی کہ اگر اللہ عزوجل نے مجھے بچالیا تو مجاورین میں جو شخص مجھے سب سے پہلے نظر آئے گا، یہ تھیلا اسے صدقہ کروں گا اور سب سے پہلے آپ ہی مجھے ملے ہیں،لھذا اسے قبول فرمائیے۔

میں نے تھیلا کھولا،تو اس میں مصر کا میدہ، چھلے ہوئے بادام اور برفیاں تھیں۔میں نے اس میں سے تھوڑا سا لیا اور باقی واپس کر دیا۔پھر اپنے آپ سے کہا،

تیرا رزق تو تیری طرف محوِ سفر تھا اور تو اسے وادی میں تلاش کر رہا تھا۔ (ایضاً)

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

مجھ پر کچھ قرض تھا، جس کی بناء پر قلب اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔ ایک رات خواب میں دیکھا، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا،

اے بخیل! تو ہمارے حساب میں اتنا ہی قرض اور لے، لینا تیرا کام ہے، ادا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

اس کے بعد میں نے کبھی بھی سبزی فروش، قصاب یا کسی دوسرے کا حساب نہیں کیا (یعنی غیب سے ہی ادائیگی ہوجاتی تھی)۔ (ایضاً)

حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں مکہ مکرمہ کی جانب محوِ سفر تھا، زادِ راہ کافی مقدار میں موجود تھا۔ راستے میں ایک عورت ملی، کہنے لگی،

اے بنان! تم اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتے ہو تاکہ کماؤ اور زادِ راہ ساتھ رکھتے ہو؟ .... کیا تمہارا وہم ہے کہ اللہ عزوجل تمہیں عطا نہ فرمائے گا؟ ....

یہ سن کر مجھے شرمندگی محسوس ہوئی اور میں نے اپنا تمام زادِ راہ راستے میں ہی چھوڑ دیا۔ پھر تین دن ایسے گزرے کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ چلتے چلتے ایک پازیب ملی، میں نے سوچا اسے اٹھا لینا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مالک ملے اور جب میں یہ اسے واپس کروں، تو وہ مجھے کھانے کے لئے کچھ دے دے۔ اس خیال کے ساتھ ہی دیکھا کہ وہی عورت پھر سامنے کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے،

تم تو بالکل تاجر ہو، کہتے ہو کہ شائد اس پازیب کا مالک تمہیں کچھ عطا کر دے؟.....

پھر اس نے کچھ دراہم میرے سامنے پھینکے اور بولی، انہیں خرچ کرو۔ تو وہ دراہم مکہ مکرمہ پہنچنے تک کافی رہے۔ (ایضاً)

آپ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ

آپ کو خدمت کے لئے ایک لونڈی کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے اس بارے میں کہا۔ ان سب نے مل کر لونڈی کی قیمت جمع کی اور اس کی خریداری کے لئے قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دنوں بعد ایک قافلہ آیا۔ ان سب نے ایک لونڈی کا انتخاب کیا، لیکن جب اس کے مالک سے بات کی تو اس نے کہا، یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔ جب اصرار کیا گیا تو اس نے بتایا، بھائیو! یہ حضرت بنان حمال رحمہ اللہ کے لئے ہے۔ سمرقند کی ایک عورت نے ان کے لئے بطورِ تحفہ بھیجی ہے، بتاؤ میں کسی کا تحفہ کیسے بیچ سکتا ہوں؟..... (ایضاً)

حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

میں دورانِ سفر ایک جنگل میں داخل ہوا، زادِ راہ ختم ہو چکا تھا لٰہذا شدید بھوک نے حالت خراب کر دی۔ اچانک مجھے ایک بستی نظر آئی۔ اس پر نظر پڑتے ہی دل نے سکون محسوس کیا۔ اس کے ساتھ ہی خیال آیا کہ میں نے اللہ عزوجل کے علاوہ پر بھروسہ کیا اور اس سے سکون کا متلاشی ہوا، چنانچہ قسم کھائی کہ اس بستی میں داخل نہ ہوں گا، ہاں مجھے اٹھا کر لے جایا جائے تو الگ بات ہے۔ چنانچہ میں نے ریت میں

ایک گڑھا کھودا اور اپنے جسم کو سینے تک اس میں چھپادیا۔ جب آدھی رات گزری تو میں نے سنا کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا،

اے بستی والو! اللہ ﷻ کے ایک ولی نے خود کو ریت میں قید میں کیا ہوا ہے، اس کے پاس جاؤ۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ مجھ تک پہنچ گئے اور مجھے اٹھا کر بستی میں لے گئے۔ (ایضاً)

روایت میں ہے کہ

ایک شخص، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کسی حاجت کی غرض سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا،

تو نے عمر کی جانب ہجرت کی ہے یا خدا کی طرف؟.... جا قرآن سیکھ، اللہ ﷻ تجھے عمر کے دروازے سے بے نیاز کر دے گا۔

چنانچہ وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ گوشہ نشین ہو کر مشغول عبادت ہے۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، میرا دل تمہیں دیکھنے کا خواہشمند تھا، تم ہمارے پاس سے کہاں چلے گئے تھے؟.... اس نے عرض کی، میں نے قرآن کی تلاوت کی تو اس نے مجھے عمر اور آل عمر رضی اللہ عنہ سے بے نیاز کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ ﷻ تجھ پر رحم فرمائے تو نے اس میں کیا پایا؟.... اس نے عرض کی، میں نے اس میں یہ آیت پائی،

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ یعنی اور آسمان میں

تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ (ذاریات۔22)

چنانچہ میں نے کہا کہ میرا رزق تو آسمان پر ہے اور میں اسے زمین پر تلاش کررہا ہوں۔

یہ سن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد آپ اکثر اس کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں محوِ سفر تھا کہ بے خیالی میں ایک کنویں میں گر گیا۔ دل میں خیال آیا کہ کسی کو مدد کے لئے پکارنا چاہیئے ،لیکن فوراً اس خیال کو رد کیا اور قسم کھالی کہ کسی سے مدد نہ مانگوں گا۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ کنویں کے پاس سے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا، آؤ اس کنویں کا منہ بند کردیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی مسافر بے خیالی میں اس میں گر جائے۔ چنانچہ وہ دونوں بانس اور چٹائی لائے ،تاکہ منہ کو مکمل طور پر بند کرسکیں۔ ان کے ارادوں کو دیکھ کر، میں نے اپنی موجودگی کا احساس دلوانے کے لئے چیخنا چاہا ،لیکن پھر اپنی قسم یاد آئی اور سوچا، کس کے سامنے چلاؤں ، اللہ عزوجل تو ان دونوں سے قریب ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی دل پرسکون ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد کوئی چیز آئی اور اس نے اپنے دونوں پیر کنویں میں لٹکا دئے۔ گویا کہہ رہی تھی انہیں پکڑ کر اوپر آجاؤ۔ اس کی آواز میں گنگناہٹ تھی۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ لٹک گیا اور اس نے مجھے کھینچ کر باہر نکال دیا۔ باہر نکل کر دیکھا کہ وہ ایک درندہ تھا۔ اچانک ایک آواز آئی کہ اے ابوحمزہ! کیا یہ اچھی بات نہیں کہ ہم نے تمہیں موت کے ذریعے،

موت سے بچالیا۔ (ایضاً)

حضرت احمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں ایک جنگل میں تھا۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی ۔میرے دل نے مجبور کیا کہ اللہ عزوجل سے کھانے کا سوال کروں ،لیکن میں نے سوچا کہ یہ توکل کے خلاف نہ ہو۔پھر دل نے کہا کہ صبر کا ہی سوال کرلو۔جب میں نے اس کا ارادہ کیا،تو غیب سے ایک آواز آئی ،کوئی کہہ رہا تھا،

و یزعم انہ منا قریب وانا لانضیع من اتانا

ویسألنا علی الاقتار جھدا کانا لا نراہ و لا یرانا

(اوروہ گمان کرتا ہے کہ ہم سے قریب ہے اور بے شک ہم اسے ضائع نہیں کرتے جو ہماری جانب آتا ہے اور تنگی میں صبر کا سوال کرتا ہے، گویا کہ ہم اسے اور وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا)۔ (ایضاً)

منقول ہے کہ

ایران کے ایک بادشاہ نے کسی عقلمند سے پوچھا،اس کی کیا وجہ ہے کہ کبھی بیوقوف کو رزق ملتا ہے،لیکن عقلمند محروم رہ جاتا ہے؟....اس نے جواب دیا،دراصل خالق وصانع نے چاہا کہ اس کی ذات کو پہچانا جائے ،چنانچہ اگر ہر عقلمند کو رزق ملتا اور ہر بیوقوف محروم رہتا،تو یہ گمان ہوتا کہ اس کی عقل اس رزق تک رسائی کا سبب بنی ہے، لیکن جب انہوں نے اس کے خلاف دیکھا،تو جان لیا کہ رازق کوئی اور ہے،لھذا اب وہ ظاہری اسباب پر توکل واعتماد نہیں کرتے۔ (ایضاً)

❁ صفتِ توکل سے متصف شخص کی صحبت میں رہنے کی کوشش کی جائے ، تاکہ اس کو دیکھ کر باطن مضبوط ہو اور اختیارِ توکل کی رکاوٹ ختم ہوجائے۔

اللہ ﷻ ہر شخص کو عدم توکل کی بری صفت سے نجات اور

توکل جیسی اعلیٰ صفت سے متصف ہونے کی توفیق

رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

بے صبری کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک، قلب کا بے صبری میں مبتلاء ہونا بھی ہے۔ یہ ایک ایسا باطنی گناہ ہے، جس میں مسلمانوں کی اکثریت مبتلاء ہے، لیکن اسے گناہ شمار کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

یہاں جس **بے صبری کو گناہ قرار دیا جارہا ہے، اس کی صحیح مراد،** جاننے کے لئے، صبر کا لغوی وشرعی معنی جاننا لازم ہے۔ چنانچہ

صبر کا لغوی معنی ہے، روکنا۔ اور شرعاً، خلافِ مرضی نفس کاموں پر زبان وقلب کو شکوہ واعتراض سے اور اس کے نتیجے میں ظاہری اعضاء کو ہر قسم کی غیر شرعی کاروائیوں سے روکنے کا نام صبر ہے۔

اگر خلافِ مرضی نفس کاموں پر غور کیا جائے، تو تین قسم کے امور سامنے آتے ہیں۔

{i} اللہ ﷻ کی جانب سے آنے والی آزمائشیں۔

{ii} عبادات پر استقامت۔ کیونکہ بدنی عبادات کی ادائیگی پر پابندی اور مالی عبادات میں رضائے الٰہی کی خاطر مال کو خود سے جدا کرنا، نفس پر بے حد گراں گزرتا ہے، لھذا یہ استقامت وانفاق، اس کی مرضی کے برخلاف ہے۔

{iii} فضول وحرام کاموں سے اجتناب۔ کیونکہ نفس انسانی، ہمہ وقت

نت نئے گناہوں کے ذریعے حصول لذت کا متمنی رہتا ہے۔ چنانچہ گناہوں سے کنارہ کشی پر صبر بھی اس کی مرضی کے بالکل خلاف ہے۔

اگر مزید تفکر سے کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ صبر کی کم از کم تین اقسام ہیں۔

- اللہ ﷻ کی جانب سے آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر۔
- استقامتِ عبادات پر صبر۔
- گناہوں سے اجتناب پر صبر۔

تعریف واقسامِ صبر کی روشنی میں بے صبری کا مفہوم یہ ہوگا کہ

بے صبری، اللہ ﷻ کی جانب سے آنے والی آزمائشوں کو ناگوار جاننا، ان کی آمد پر زبان وقلب کو شکوہ وشکایت واعتراض کے لئے آزاد چھوڑنا اور ظاہری اعضاء سے اس بے چینی کا اظہار کرنا، عبادات سے اجتناب اور گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے۔

چونکہ اللہ ﷻ کے افعال حکیمانہ پر زبان اعتراض دراز کرنا، احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عبادات میں کوتاہی اور گناہوں کا دلیرانہ ارتکاب، قلبی بگاڑ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، لھذا دل کی یہ کیفیت اور پھر اس نتیجے میں ظاہری اعضاء کے ذریعے مختلف انداز میں اس کا خلافِ شرع اظہار، گناہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

مشاہدہ کیا جائے تو بے صبری کا یہ عنصر، خواتین میں بکثرت پایا جاتا ہے، لھذا انہیں اس معاملے میں زیادہ احتیاط وتوجہ کی ضرورت ہے۔

چونکہ اس کی تعریف پہلے ذکر کر دی گئی، لھذا اب بقیہ امور یعنی اس کی ممانعت، قباحت، دنیوی واخروی نقصانات، موجودگی کی علامات، محاسبہ اور علاج کو بیان کیا جائے گا۔ چنانچہ

قرآن وحدیث میں بے صبری کی ممانعت ،حکم صبر کے ذریعے جانی جاسکتی ہے یعنی جہاں جہاں صبر کا حکم اور گناہوں سے پرہیز پر تلقین کی گئی ہے، وہاں ممانعت خود بخود ثابت ہوگی، کیونکہ صبر و بے صبری ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو ضدیں، ایک مقام پر ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ

اللہ عزوجل کا فرمان ہے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ع اے ایمان والو صبر کرو، صبر میں دشمنوں سے آگے رہو، سرحد کی نگرانی کرو اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(آل عمران۔200)

مزید ارشاد فرمایا،

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط نماز اور صبر سے مدد طلب کرو۔

(البقرہ۔45)

ایک اور مقام پر فرمان ہے،

وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ج اور صبر اختیار کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(انفال۔46)

اور اس میں پوشیدہ نقصانات کو حسبِ سابق دو اقسام یعنی دنیوی و اخروی میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دنیوی نقصانات میں سے ایک، انسان کے وقار کا زائل ہونا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اللہ ﷻ کے افعال کے بارے بے ادبی کے الفاظ ادا کرتا نظر آئے یا عبادات سے جان چرائے اور گناہوں کا دلیرانہ و آزادانہ ارتکاب کرے، تو لوگوں کی نگاہوں میں اس کی ذات اور قول کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، بلکہ اسے نگاہِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔

ایک نقصان یہ بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ بے صبری کا مظاہرہ کرنے والے کی نصیحت بے اثر ہو جاتی ہے، کیونکہ خود بے عملی میں گرفتار، عمل کی دعوت دے، تو عموماً لوگ اثر قبول نہیں کرتے اور سامنے نہیں تو اس کی غیر موجودگی میں اس کی "**بے عملی کے باوجود تبلیغ کی کوشش**" کو نشانہ تنقید بنایا جاتا ہے، جس سے رہا سہا قبول کیا گیا اثر بھی زائل ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ شخص، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی فضیلتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

ایک نقصان، طلاق وغیرہ کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہی بے صبری، فریقِ ثانی کو اذیت پہنچانے کی غرض سے، جلد بازی کے ساتھ الفاظِ طلاق ادا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور یوں گھر کے گھر اور کئی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

ایک نقصان، لڑائی جھگڑے کی شکل میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ گلی محلوں، بس اسٹاپ، بسوں ویگنوں اور ہوٹل وغیرہ میں "تو تو میں میں" اور "دست و گریبانی"

اسی کا نتیجہ ہے۔

مزید نقصان، مخلص دوستوں سے محرومی کا سامنا کرنا بھی ہے، کیونکہ بے صبری کی وجہ سے بسا اوقات تلخ جملے، طنز، بے جا غصے کا اظہار اور سب کے سامنے ذلیل کرنا وغیرھا جیسے غیر اخلاقی افعال سرزد ہو جاتے ہیں، جس سے سالوں کی دوستی ومحبت، جدائی ونفرت میں بدل جاتی ہے۔

اسی بے صبری کے نتیجے میں کبھی کبھی انسان اپنی صحت بھی تباہ وبرباد کروا بیٹھتا ہے، کیونکہ فضول اشیاء کے استعمال سے اجتناب اور کبھی عشق ومحبت میں ناکامی پر صبر نہ کرسکنا، آہستہ آہستہ نشے کا عادی بنا دیتا ہے اور یوں بھی کئی گھر ویران ہو جاتے ہیں۔

غرض درست مشاہدے کی صلاحیت رکھنے والا، بے صبری کی تعریف واقسام ذہن میں رکھ کر، اپنے اطراف پر نگاہ دوڑائے، تو با آسانی جان سکتا ہے کہ معاشرے کے بگاڑ میں دیگر امور کے ساتھ ساتھ بے صبری کو بھی بہت بڑا دخل حاصل ہے۔

اور اخروی نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے ایک صبر کے ثواب سے محرومی ہے۔ کیونکہ مصیبت کے نازل ہونے پر صبر، بے شمار اجر وثواب کا سبب واقع ہوتا ہے، جیسا کہ علاج کے ضمن میں عرض کیا جائے گا، لیکن جب اللہ ﷻ کے حکم پر عمل کی سعادت حاصل نہ ہوئی، تو یقیناً اس عظیم عمل کے بدلے میں ملنے والا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

اس کا ایک نقصان، سنت پر عمل سے محرومی ہے۔ کیونکہ مصیبت و آلام اور اللہ ﷻ کی ناپسندیدگی والے کاموں سے اجتناب پر صبر، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام واکابرین اسلام کی سنت کریمہ ہے لہذا جو مسلمان بے صبری کا مظاہرہ کرے گا، تو ان نفوس قدسیہ کی سنت پر عمل کے ثواب سے محروم رہے گا۔

اس کا ایک اور نقصان، اللہ ﷻ کی ناراضگی میں گرفتار ہونا ہے۔ کیونکہ جب اللہ ﷻ نے صابرین سے محبت کا اظہار فرمایا، تو یقیناً بے صبری سے ناراض ہی ہوگا۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ عمل، اللہ ﷻ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ اس پر بطور ثبوت یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

سید الکونین ﷺ کا فرمان ہے کہ

بڑا ثواب بڑی آزمائش کے ساتھ ملتا ہے، اللہ ﷻ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے، تو اسے بلاء و مصیبت میں مبتلاء کر دیتا ہے۔ پھر جو آزمائش پر راضی رہا، اس کے لئے رضا و خوشنودی ہے اور جو ناراض ہوا، اس کے لئے ناراضگی ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک اور نقصان کفر میں مبتلاء ہونا اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے، کیونکہ بسا اوقات صبر کی عادت نہ رکھنے والا، اچانک آنے والی ناگہانی آفت سے گھبرا کر زبان پر ایسے کلمات لے آتا ہے، جن کی شریعت میں سخت ممانعت ہے اور ان کی بناء پر علماء نے حکم کفر دیا ہے، جیسا کہ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

کسی مسکین نے اپنی محتاجی کو دیکھ کر کہا، اے خدا فلاں بھی تیرا بندہ ہے، اس

کوتو نے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں اور میں بھی تیرا بندہ ہوں، مجھے کس قدر رنج و تکلیف دیتا ہے، آخر یہ کیسا انصاف ہے؟.... ایسا کہنا کفر ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے،

کسی سے نماز پڑھنے کو کہا، اس نے جواب دیا، نماز پڑھتا تو ہوں، مگر اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا.. یا.. کہا، تم نے نماز پڑھی، کیا فائدہ ہوا..؟ یا.. کہا، نماز پڑھ کے کیا کروں؟ اور کس کے لئے پڑھوں؟ ماں باپ تو مر گئے.. یا.. کہا، بہت پڑھ لی، اب دل گھبرا گیا ہے.. یا.. کہا، پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں، یہ سب کفر ہے۔

اسی میں ہے،

بیماری میں گھبرا کر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں کہنے لگا، تجھے اختیار ہے، چاہے کافر مار یا مسلمان، یہ کفر ہے۔ یونہی مصائب میں مبتلا ہو کر کہنے لگا تو نے میرا مال لیا، اولاد لے لی اور یہ لیا، وہ لیا، اب کیا کرے گا اور کیا باقی ہے، جو تو نے نہ کیا؟.... اس طرح کہنا کفر ہے۔

اور کبھی جہالت اور گناہوں سے پرہیز نہ کرنے والی بے صبری،

دونوں مل کر، بربادیِ آخرت کا سبب بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

شراب پیتے، زناء کرتے، جوا کھیلتے یا چوری کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا، کفر ہے۔

نیز اگر ایسا شخص موت کی سختی، عذاباتِ قبر، میدانِ محشر میں ذلت و رسوائی،

جہنم کے عذاب اور جنت سے محرومی کی اذیت میں مبتلا نظر آئے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ اس پر بے شمار احادیثِ کریمہ بطورِ دلیل وثبوت پیش کی جاسکتی ہیں۔ خصوصاً وہ تمام آیات واحادیثِ کریمہ، جن میں گناہوں پر عذاب بیان کیا گیا ہے۔

نقصانات کے بعد بے صبری کی علامات کی جانب توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ بنیادی بات یاد رکھنا بہتر ہے کہ صبر کی اقسام کی مثل، بے صبری کی بھی مختلف اقسام اور ہر قسم کی کچھ مخصوص علامات ہیں۔ چنانچہ

اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت، کسی جانی یا مالی نقصان پر اللہ ﷻ کی جانب سے دل میں بے چینی وتنگی واعتراض محسوس کرے، دوسروں کے سامنے اس بے قراری کو ناگوار انداز سے بیان کرنے کی عادت میں مبتلاء ہو، عبادات بوجھ محسوس ہوتی ہوں اور باوجود آفاتِ گناہ جاننے کے، ان کے ارتکاب سے نہ رک سکے تو اسے خود کو اس مرض میں مبتلاء سمجھنا چاہیے۔

پھر اگر اپنی قلبی کیفیات اور ظاہری اعمال پر دیانت دارانہ محاسبانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس مرضِ عام میں ابتلاء کا جاننا مزید آسان ہوسکتا ہے، چنانچہ خود سے جواب تلاش کیجئے کہ

- جب کوئی کام مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تو کیا آپ لوگوں پر برسنے کے ساتھ ساتھ، (معاذ اللہ) زبان یا بذریعۂ قلب، اللہ ﷻ پر بھی غصہ اتارتے ہیں؟.....
- کیا اللہ ﷻ کی جانب سے آزمائش کے جواب میں، آپ کے قلب

میں یا زبان پر ''کیوں؟ ...کس لئے؟ ...کس وجہ سے؟ ...وغیرہ'' جاری ہوتا ہے؟ ....

- کیا آپ کو عباداتِ الٰہیہ بوجھ محسوس ہوتی ہیں؟ ....
- کیا آپ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں کچھ خرچ کرتے ہوئے تنگ دلی محسوس کرتے ہیں، نیز فرض و واجب مالی عبادات میں کوتاہی، عادت میں شامل ہے؟ ....
- کیا گناہوں سے بچنا انتہائی دشوار، بلکہ بسا اوقات ناممکن محسوس ہوتا ہے؟ ...نیز کیا گناہوں میں کسی گناہ کی عادت بہت زیادہ پختہ ہو چکی ہے؟ ...کیا آپ کے اطراف میں فقط ایسے دوست رہتے ہیں، جن کا انتہائی مرغوب کام نت نئے گناہوں سے حصولِ لذت ہے؟ ....

اگر ان میں سے کسی ایک بھی سوال کا جواب ہاں میں آئے تو آپ یقیناً مرض بے صبری میں گرفتار او محتاج علاج ہیں۔ اور جب **ثابت ہو گیا کہ یہ عمل قلب**، ایمان کی بربادی تک کا سبب بھی بن سکتا ہے تو ایک ذی شعور مسلمان کو **علاج کی جانب متوجہ ہونے میں** قطعاً دیر نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن ہر شخص اولاً اپنی ذات میں بے صبری کی قسم کو تلاش کرے، تاکہ اس کے مطابق علاج اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ مثلاً

جسے گناہوں کی عادت ہے، وہ گناہوں سے اجتناب سے متعلق بے صبری کا علاج اختیار کرے۔

جسے عبادات پر استقامت حاصل نہیں ہوتی، وہ نیک اعمال پر پابندی اختیار کرنے سے متعلق بے صبری پر غور کرے۔

جس کی زبان وقلب، اللہ ﷻ کی جانب سے وارد ہونے والی آزمائشوں پر شکوہ واعتراض سے نہیں رک پاتے، اسے ان کولگام دینے کے بارے میں سوچنا ہوگا۔

چنانچہ علاج کے سلسلے میں پہلے ان امور کا ذکر کیا جائے گا، جو ہر قسم کی بے صبری کے علاج کے سلسلے میں معاون ثابت ہوسکتے، اس کے بعد معینہ قسم سے متعلق کلام کریں گے۔

بے صبری کی قسم متعین کیے بغیر درج ذیل نکات پر غور وعمل، ہر ایک کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔لھذا

✿ سب سے **پہلے صبر کے فضائل پر غور وتفکر** کیا جائے، تاکہ نفس ان انعامات کے لالچ میں بے صبری کے ترک پر رضامند ہوجائے۔چنانچہ

اللہ ﷻ کا فرمان عالیشان ہے،

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ بے شک اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

(البقرہ۔153)

مزید ارشاد فرمایا،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ ○ اور اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

(آل عمران۔146)

صبر کی مدح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ع

اور جس نے صبر کیا اور درگزر سے کام لیا تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں ۔(شوریٰ۔43)

اس وصفِ عظیم پر اخروی انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ،

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ اور وہ جنہوں نے اپنے رب کی رضا کی خاطر صبر کیا، نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے عطا فرمایا، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کیا اور بھلائی کے ذریعے، برائی کو دور کرتے رہے، انہی کے لئے اخروی گھر کا نفع ہے ۔وہ اور ان کے آباء، وازواج واولادمیں سے جو قابل ہوں گے، رہنے کے باغات میں داخل ہوں گے اور فرشتے ہر دروازے سے یہ کہتے داخل ہوں گے کہ تم پر سلامتی نازل ہو، یہ تمہارے صبر کا بدلہ ہے ۔ (رعد۔24)

صبر کی بناء پر بنی اسرائیل پر کرم کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ط اور بنی اسرائیل پر، ان کے صبر کی برکت سے، تیرے رب کا اچھا وعدہ پورا ہو گیا ۔ (اعراف۔137)

صبر کی بناء پر وعدہ بخشش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ مگر وہ جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (ھود۔ 11)

صابرین کے لئے اخروی انعام کی خبر ان الفاظ میں بیان فرمائی،

اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا لا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

بے شک میں نے آج کے دن ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں۔

(مومنون۔ 111)

ان حضرات کے لئے دائمی جنت کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا،

اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلَامًا ۝ خَالِدِیْنَ فِیْھَا ۔ یعنی انہیں ان کے صبر کے بدلے میں جنت کا سب سے اونچا بالا خانہ بطور انعام ملے گا اور وہاں تحیت وسلام کے ساتھ ان سے ملاقات کی جائے گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (فرقان۔ 75)

ان حضرات کو اعمال کا اجر دوگنا دیا جائے گا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا یعنی انہیں صبر کی بناء پر ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا۔ (قصص۔ 54)

احادیث کریمہ میں بھی کئی مقامات پر اس وصف نفیس کی مدح کی گئی

ہے، چنانچہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ ۔یعنی صبر آدھا ایمان ہے۔

(احیاء علوم الدین)

مزید ارشاد فرمایا،

اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ ۔صبر، جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (ایضاً)

مزید فرمان ہے،

جو چیز تجھے بری معلوم ہو، اس پر صبر کرنے پر جنت میں خیر کثیر ہے۔

(ترمذی)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا،

اگر صبر آدمی ہوتا تو کریم ہوتا، اللہ تعالیٰ کو صبر کرنے والے محبوب ہیں۔

(طبرانی)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے،

اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ بِالصَّبْرِ عِبَادَۃٌ ۔یعنی صبر کے ساتھ کشادگی کا انتظار عبادت ہے۔ (کنز العمال)

ان فضائل کے مطالعے کے بعد یقیناً ہر مسلمان ضرور اقرار کرے گا کہ صبر کرنا مصیبت پر شکوہ کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

ان فضائل پر تفکر کے ساتھ ساتھ بے صبری کے نتیجے میں ان سے محروم رہ جانے کے بارے میں بھی بار بار غور کیا جائے تو نور علیٰ نور ہوگا۔

فضائل پر غور و تفکر کے بعد، اس سلسلے میں اکابرین کے عمل کا جائزہ بھی باعث برکت ہے۔ چنانچہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ایک یہودی کا، رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا۔ ایک دن آپ ﷺ، اصحاب کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ اس نے راستے میں ہی رقم کا تقاضا کرڈالا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فی الحال میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو تجھے دوں۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں اس وقت تک آپ کو نہیں جانے دوں گا، جب تک آپ ﷺ میرا قرض ادا نہ کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو میں تیرے ساتھ ہی رہوں گا۔ پھر آپ ﷺ جلوہ افروز ہوگئے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن کی فجر وہیں ادا فرمائیں۔

ساتھ جانے والے بعض صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) نے یہودی کو اشاروں، کنایوں میں ڈرانا دھمکانا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) کے ان اشاروں کو ملاحظہ فرمالیا (چنانچہ انہیں اس سے منع کیا)۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ایک یہودی آپ ﷺ کو روکے ہوئے ہے؟.... آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے میرے رب عزوجل نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عہد والے یعنی ذمی کافر پر ظلم کروں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر جب دن چڑھا تو وہ یہودی آیا اور اللہ ﷻ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے بولا،

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے اپنا آدھا مال، اللہ کی راہ میں دیا۔ میں نے جو کچھ آپ سے سلوک کیا، یہ صرف اس لئے تھا کہ میں آپ میں وہ صفات دیکھ لوں جو توریت میں مذکور ہیں۔وہ صفات یہ ہیں کہ

محمد ﷺ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، ان کی جائے ولادت مکہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ ہے اور ان کی سلطنت شام میں ہے، نہ سخت دل ہیں، نہ سخت زبان، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، نہ بری باتوں سے متصف ہیں اور نہ ہی سخت برے کلام سے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں۔ یہ میرا مال ہے، آپ ﷺ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمائیں، جو رب ﷻ نے آپ ﷺ کو ارشاد فرمایا۔ (راوی فرماتے ہیں کہ) وہ یہودی بڑا مال دار تھا۔ (بیہقی)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے اس یہودی سے ایک مقررہ مدت کے لئے قرض لیا ہوا تھا۔ابھی مدت تمام نہ ہوئی تھی کہ اس نے مطالبہ کرڈالا۔

نیز وہ یہودی، ذمی کافر تھا۔ذمی وہ کافر ہوتا ہے کہ جسے جزیہ (ٹیکس) اور

حاکمِ اسلام کی اطاعت کے وعدے کے بدلے میں مسلمانوں کے ملک میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ ان سے جزیہ کے بدلے میں امن و محافظت فراہم کرنے کا معاہدہ کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے رحمتِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ ﷻ نے منع فرمایا ہے کہ میں کسی عہد والے کافر پر ظلم کروں۔

منصبِ حکومت اور ہر طرح کی قدرت وقوت، حاصل ہونے کے باوجود رسول کریم ﷺ کا صبر و برداشت سے کام لینا، ہر امتی کے لئے یقیناً قابلِ توجہ اور لائق تقلیدِ عمل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو سیف لوہار کے ہاں گئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی والدہ کے شوہر تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر چوما اور سونگھا۔

کچھ عرصے بعد ہم پھر آپ ﷺ کے ساتھ صاحبزادے کے پاس آئے۔ اس وقت وہ جانکنی کے عالم میں تھے۔ انہیں ملاحظہ فرما کر رحمتِ کونین ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ﷺ بھی رو رہے ہیں؟...آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابنِ عوف! یہ رحمت و محبت کے آنسو ہیں (شکوہ و شکایت کے نہیں)۔ اس کے بعد بھی آپ ﷺ کے آنسو بہتے رہے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غم میں ڈوبا ہوا ہے، مگر ہم زبان سے وہی بات

کہیں گے، جو ہمارے رب تعالیٰ کو محبوب ہے (یعنی صبر و شکر کے کلمات) اور اے ابراہیم! بے شک ہم تیری جدائی اور فراق پر غمناک ہیں۔ (بخاری و مسلم)

مروی ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت سری سقطی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) وعظ فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک بچھو کسی طرف سے آ کر آپ کے کپڑوں میں داخل ہو گیا اور کاٹنا شروع کر دیا۔ لیکن آپ اسی مستقل مزاجی سے بیان فرماتے رہے۔ جب فارغ ہوئے تو بچھو کو باہر نکالا۔ لوگوں کو بے حد تعجب ہوا، چنانچہ عرض کی، حضور! آپ نے اسے پہلے کیوں نہیں ہٹایا، اس نے تو کئی مرتبہ کاٹ لیا ہوگا؟... فرمایا، ہاں کاٹا تو تھا، لیکن مجھے شرم آئی کہ صبر و تحمل سے متعلق بیان کروں اور میرا عمل اس کے برخلاف ہو۔

(تذکرۃ الاولیاء۔ صفحہ 19)

کہا جاتا ہے کہ

حضرت امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدے کی مخالفت فرماتے تھے۔ جس کی بنا پر بغداد کے معتزلہ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دربارِ خلافت میں شکایت لگا دی، جس کے نتیجے میں آپ کو ایک ہزار کوڑے لگائے گئے۔ لیکن اتنی شدید اذیت برداشت کرنے کے باوجود آپ نے اس باطل عقیدے کو درست قرار نہ دیا۔

جب آپ کو چھوڑ دیا گیا تو لوگوں نے پوچھا، حضور! جن فتنہ پردازوں کی وجہ سے آپ کو اتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے

ہے؟.... فرمایا،

وہ اپنے خیال کے مطابق مجھے گمراہ خیال کرتے ہیں لھذا انہوں نے مجھے جو بھی اذیتیں دی ہیں، اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر دی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں ان سے کچھ بھی مواخذہ نہیں کروں گا۔ (تذکرۃ الاولیاء۔ صفحہ 132)

✿ **نیز اس کے بیان کردہ اور اس کے علاوہ بھی نقصانات** پر وقتاً فوقتاً غور کرنا اور ممکن ہو تو دوسروں کے سامنے بار بار بیان کرنا بھی اس سلسلے میں ایک نافع عمل ہے۔

✿ **اس کے علاوہ کسی صابر و شاکر کی مسلسل صحبت** اختیار کی جائے تو بہت بہتر ہے، کیونکہ کسی صابر کے صبر کا لگاتار مشاہدہ، دیکھنے والے کے نفس میں یقیناً اس وصفِ عظیم کی ہمت پیدا کرے گا اور پھر اسے بھی مختلف امور پر صبر دشوار محسوس نہ ہوگا۔

✿ **من جانب اللہ نازل ہونے والی** آزمائشوں کی حکمتیں ذہن نشین رکھنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ یہ عمل ضرور فائدہ پہنچائے گا۔ چنانچہ

اس کا ایک بہت بڑا سبب خود انسان کے گناہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ **نبی اکرم** ﷺ نے ارشاد فرمایا،

بندے کو جو بھی مصیبت یا اس سے کم و بیش تکلیف پہنچتی ہے تو وہ "گناہ" کی وجہ سے ہی پہنچتی ہے اور جو کچھ اللہ ﷻ معاف فرما دیتا ہے، وہ بہت ہے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی،

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ یعنی اور تمہیں جو مصیبت پہنچی، وہ اس کے سبب سے ہے، جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا (یعنی گناہ) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) بہت کچھ معاف فرمادیتا ہے۔

(الشوریٰ۔30) (ترمذی)

چنانچہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ جب کسی آزمائش میں مبتلاء ہو، تو اپنے اعمال پر ایک محاسبانہ نگاہ ضرور ڈالے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ "**الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے**" والا معاملہ نظر آئے اور اس محاسبانہ نظر کی برکت سے اللہ ﷻ کے بجائے خود پر غصہ آنے لگے۔

ایسی صورت میں زبان اعتراض دراز کرنے کی مکروہ کوشش سے بہتر، خود کو ملامت کرتے ہوئے گناہوں پر کامل توبہ کی سعی احسن ہے۔

یونہی اس کی بارگاہ میں مقبول ہوجانا بھی اس کا سبب واقع ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ

سید الکونین ﷺ کا فرمان ہے کہ

بڑا ثواب بڑی آزمائش کے ساتھ ملتا ہے، اللہ ﷻ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے، تو اسے بلاء و مصیبت میں مبتلاء کردیتا ہے۔ پھر جو آزمائش پر راضی رہا، اس کے لئے رضا و خوشنودی ہے اور جو ناراض ہوا، اس کے لئے ناراضگی ہے۔ (ابن ماجہ)

اسی طرح مروی ہے کہ

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی،

یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا، سوچ لو! کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟... وہ بولا، خدا کی قسم! میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ اس نے یہ بات تین بار کہی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

اگر تو سچا ہے، تو پھر پوری طرح فقر وتنگدستی کے لئے تیار ہوجا۔ یقیناً فقیری، محبت کرنے والے کی طرف اس سے بھی تیز دوڑتی ہے، جتنا سیلاب اپنی انتہا کی طرف بڑھتا ہے۔ (ترمذی)

یعنی جب محبتِ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت کا سبب واقع ہونے لگی گی، تو من جانب اللہ اس معاملے میں صدق واخلاص کا امتحان لیا جائے گا، جس کی ایک شکل، عشقِ رسول ﷺ کی وجہ سے شدید آزمائشوں میں مبتلاء ہونا بھی ہے۔

اگر آزمائش کا سبب، حبِ خدا اور رسول (ﷻ و ﷺ) نظر آئے، تو ایسی صورت میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ **اس صورت میں شکوہ وشکایت کا مطلب گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ ﷻ اور رسولِ خدا ﷺ کی توجہ خاص سے محرومی بھی** ہے۔ لھذا ان نفوسِ قدسیہ سے محبت کے تقاضے پورے کرنے سے قبل، ذہن کو آزمائشوں کے لئے تیار رکھنا، بہت ضروری ہے۔

اس کا تیسرا سبب، اللہ ﷻ کی جانب سے آزمائش کے وعدے کی تکمیل ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے ہر شخص کو آزمانے اور اس آزمائش پر پورا اترنے کی صورت میں انعامات عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o یعنی ضرور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور اموال و جان و پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے، تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم کو اسی کی جانب لوٹنا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی جانب سے درودیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (بقرہ۔155،156،157)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہر مسلمان کو اللہ ﷻ کے اس وعدے کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، تا کہ آنے والی مصیبت کی آمد، اچانک و شدید محسوس نہ ہو۔ کیونکہ مصیبت کا اچانک وقوع پزیر ہونا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بے حد متاثر کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں درست فیصلہ اور خلاف شرع باطنی تقاضوں پر کنٹرول مشکل ترین ہو جاتا ہے۔

یہاں تک وہ امور بیان ہوئے، جو ہر قسم کی بے صبری کے علاج کے سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اب ان امور کا بیان ہوگا، جن کا تعلق خاص قسم کی بے صبری سے ہے۔

ان میں سب سے پہلے گناہوں سے پرہیز نہ ہو سکنے کے سلسلے میں

بے صبری کا علاج ہے۔

اس سلسلے میں سب سے افضل اور موثر عمل، استطاعت ہونے کی صورت میں نکاح کرنا اور اس کی قدرت نہ ہو تو بکثرت روزے رکھنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کے ایک گروہ کو اسی کی تلقین ارشاد فرمائی۔ چنانچہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں، وہ روزے رکھے کہ روزہ شہوت کو قطع کر دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

دوسرا عمل، اچھی اور نیک صحبت کو اختیار کرنا اور بری وغلط دوستیاں ترک کرنا ہے۔ کیونکہ جب تک غلط سوسائٹی سے تعلق قائم رہے گا، گناہ سے بچنا تقریباً تقریباً ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں یہ ایمان افروز حدیث بغور مطالعہ فرمائیے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

شفیع محشر ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا، جس نے ننانوے (99) قتل کیے، پھر اسے توبہ کا خیال آیا۔ چنانچہ اس نے روئے زمین پر موجود سب سے زیادہ علم رکھنے والے کے بارے میں جستجو کی۔ کسی نے اسے ایک عابد کے پاس بھیج دیا، وہ اس عابد کے پاس پہنچا اور تمام معاملہ بیان کر کے پوچھا، کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟.... اس نے کہا، نہیں۔ قاتل نے غصے میں اسے بھی قتل کر دیا۔ اس

طرح پورے سو (100) قتل ہو گئے۔

پھر اس نے دوبارہ سب سے زیادہ صاحبِ علم کی جستجو کی تو اسے ایک عالم کا پتا بتایا گیا۔ اس نے عالم کو تلاش کر کے اپنی توبہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا،

ہاں، تیرے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟۔۔۔ لیکن اس کے لئے فلاں علاقے میں چلا جا، وہاں کچھ لوگ اللہ ﷻ کی عبادت کر رہے ہوں گے، تو بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ ﷻ کی عبادت کر، اور اپنے علاقے کی طرف مت آنا یہ بروں کا علاقہ ہے (چنانچہ اگر یہیں رہا تو دوبارہ گناہوں میں مشغول ہو جائے گا)۔

یہ سن کر وہ توبہ کے ارادے سے مذکورہ علاقے کی طرف چلا۔ ابھی نصف راستہ ہی چلا تھا کہ ملک الموت علیہ السلام تشریف لے آئے اور اس کی روح قبض کر لی۔

اب (مشیتِ الٰہی کے تحت) رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔

رحمت کے فرشتوں کا دعویٰ تھا کہ یہ شخص توبہ کے ارادے سے اس طرف آیا تھا، لھذا اسے ہم لے کر جائیں گے۔ جب کہ عذاب کے فرشتے بضد تھے کہ اس نے کبھی نیکی کا کام نہیں کیا، لھذا یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔

(ابھی یہ جھگڑا جاری تھا کہ اللہ ﷻ کے حکم سے) ایک فرشتہ انسانی شکل میں آیا۔ انھوں نے اسے اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کہا۔ اس فرشتے نے کہا،

دونوں طرف کا فاصلہ ناپا جائے، یہ جس علاقے سے قریب ہوگا، اس طرف

کے فرشتے اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

چنانچہ جب فاصلہ ناپا گیا،تو وہ اس علاقے سے زیادہ قریب تھا کہ جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ نیک لوگوں سے ایک بالشت قریب تھا،لھذا اسے انہی میں سے کر دیا گیا۔ (مسلم)

تیسرا عمل،گناہوں پر اللہ ﷻ کے ناراض ہونے کی صورت میں مرتب ہونے والی سزاؤں پر بار بار غور رے،چاہے،وہ موت کے وقت،قبر میں اور میدان محشر میں ظاہر ہو یا جہنم میں۔ مثلاً

اللہ عزوجل کا فرمان ہے،

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۙ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ؕ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا

حَمِيْمٌ ۙ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝ اور جسے اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی۔ میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سب زور جاتا رہا۔ (اس کے لئے فرشتوں سے کہا جائے گا) اسے پکڑو، پھر اس کی (گردن میں) طوق ڈالو، پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ، پھر ایسی زنجیر جس کی لمبائی ستر گز ہے، اسے پرو دو۔ بے شک یہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور کھانے کے لئے فقط دوزخیوں کا پیپ ہے۔ اسے فقط خطا کار ہی کھائیں گے۔ (الحاقۃ۔18)

نیز ان احادیث کریمہ پر غور فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ملک الموت کے روح قبض کرنے کی تکلیف، تلوار کے ہزار واروں سے زیادہ سخت ہے۔ (شرح الصدور)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ

موت دنیا و آخرت کی ہولناکیوں میں سب سے زیادہ ہولناک ہے۔ یہ آروں کے چیرنے سے، قینچیوں کے کاٹنے سے، ہانڈیوں میں ابلنے سے زائد ہے، اگر مردہ زندہ ہو کر لوگوں کو موت کی سختی کے بارے میں بتادے، تو ان کا نیند و عیش سب

ختم ہو جائے۔ (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا)

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، بنی اسرائیل کے واقعات بیان کیا کرو، کیونکہ ان میں عجیب عجیب باتیں ظہور پزیر ہوئی ہیں۔ (پھر آپ ﷺ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ) بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایک قبرستان میں گئے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ کسی مردے کو ہمارے سامنے ظاہر کرے، تا کہ ہم اس سے قبر کے احوال دریافت کریں۔ چنانچہ جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو اچانک ایک سیاہ رنگ کا مردہ ظاہر ہوا، اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا۔ اس نے کہا اے لوگو! تم نے مجھے کیوں پریشان کیا، مجھے مرے ہوئے سو سال ہو چکے ہیں، لیکن میں موت کی گرمی اب تک محسوس کر رہا ہوں، تو اللہ ﷻ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔ (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ)

اور....

حضرت سمرہ بن جندب ﷺ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی اپنے اصحاب سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں سے کسی نے آج کوئی خواب دیکھا ہے؟.... ایک روز اسی طرح سوال کر کے ارشاد فرمایا، آج رات میرے پاس دو شخص آئے اور کہا، چلئے۔ میں ان کے ساتھ چلا۔ چلتے چلتے ہم ایک مقام پر پہنچے، میں نے دیکھا کہ ایک شخص لیٹا ہوا اور دوسرا اس کے پاس ایک بڑا سا پتھر لئے کھڑا ہے۔ وہ پے در پے اس پتھر سے لیٹے ہوئے شخص کا سر کچلتا ہے،

لیکن اس کا سر ہر بار درست ہو جاتا ہے۔میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟....آنے والوں نے کہا، آگے چلئے۔پھر ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے، جو گدی کے بل سو رہا تھا اور دوسرا شخص لوہے کا ایک چمٹا لئے، اس کے پاس کھڑا تھا۔وہ چمٹے سے لیٹے شخص کی باچھیں، ایک طرف سے پکڑ کر چیرتا ہوا گدی تک کھینچ کر لے جاتا، پھر اس کے نتھنوں اور آنکھ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا۔جب دوسری جانب ایسا کرتا تو اتنے میں پہلی جانب درست ہو جایا کرتی تھی، وہ اسی طرح بار بار کرتا رہا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟....کہا گیا، آگے چلئے۔پھر ہم ایک تنور پر پہنچے، جس میں سے شور کی آواز آ رہی تھی، میں نے جھانک کر دیکھا تو اس میں برہنہ مرد و عورت تھے، جب ان کے نیچے سے شعلے ان کی جانب لپکتے تو وہ شور مچاتے تھے۔میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟....کہا گیا، آگے چلئے۔پھر ہم ایک خون کی طرح سرخ نہر پر پہنچے، اس میں ایک شخص تیر رہا تھا، جب کہ کنارے پر ایک شخص بہت سے پتھر لئے کھڑا تھا۔تیرنے والا اس کے پاس آتا، تو اپنا منہ کھول دیتا تھا، یہ شخص اس کے منہ میں ایک پتھر ڈال دیتا، وہ واپس جا کر دوبارہ لوٹتا تو پھر یہی معاملہ ہوتا۔میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟....کہا گیا، آگے چلئے۔

(اس کے بعد چند امور کا ذکر ہوا) اس کے بعد فرمایا،

میں نے ان سے کہا، جو کچھ میں نے رات میں دیکھا، اس کی تفصیل بیان کرو۔انہوں نے کہا،

پہلا شخص وہ تھا، جس نے قرآن پڑھ کر بھلا دیا تھا (یعنی یا تو یاد کر کے بھول گیا تھا یا اس پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا) اور فرض نمازوں کے وقت سو جایا کرتا تھا۔اس کے ساتھ یہ برتاؤ قیامت تک ہوتا رہے گا۔دوسرا شخص جھوٹا تھا، اس کے ساتھ بھی یہ برتاؤ

قیامت تک ہوتا رہے گا۔ برہنہ مرد وعورتیں ،زانی لوگ تھے اور نہر میں تیرنے والا سود خور تھا۔ (بخاری)

یادرہے کہ یہ عذاباتِ قبر تھے، جو نبی کریم ﷺ کو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ چونکہ نبی کا خواب وحی الٰہی کی ایک صورت ہی ہوتا ہے، لھذا ان عذابات کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے سفرِ معراج سے واپسی پر وہاں کے احوال سناتے ہوئے ارشاد فرمایا، میں ایک ایسے مقام سے گزرا، جہاں کچھ تھال رکھے ہوئے تھے، جن میں بہترین گوشت تھا، لیکن کوئی بھی ان کے قریب نہ جاتا تھا۔ جب کہ کچھ تھالوں میں سڑا ہوا گوشت تھا، جس کو بہت سے لوگ کھا رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ ....انہوں نے جواب دیا، یہ وہ لوگ ہیں، جو حلال چھوڑ کر حرام کی طرف آتے ہیں۔ پھر میں آگے بڑھا تو ایک ایسی قوم کو دیکھا، جن کے پیٹ گھڑے کی مانند بڑے بڑے تھے۔ جب ان میں سے کوئی کھڑا ہوتا تو وزن کی بناء پر فوراً گر پڑتا اور کہتا، اے میرے رب عزوجل! قیامت قائم نہ کر۔ وہ لوگ قومِ فرعون کی گزرگاہ میں پڑے ہوئے تھے، جب بھی کوئی قوم گزرتی تو انہیں روند ڈالتی تھی۔ وہ مسلسل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گریہ وزاری کر رہے تھے۔ میں نے ان کے عذاب کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے سود خور ہیں۔ پھر میں نے ایک اور قوم دیکھی، جن کے ہونٹ اونٹ کی مثل موٹے تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے، پھر وہ آگ ان کے نیچے سے نکل جاتی تھی۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔

مزید ایک قوم کو دیکھا کہ ان کے پہلو کا گوشت کاٹ کر خود انہیں کو کھلایا جا رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ اسی طرح کھا، جیسے تو اپنے بھائی کا گوشت کھاتا تھا۔ پوچھنے پر کہا گیا کہ یہ غیبت اور عیب جوئی کرنے والے ہیں۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور بحوالہ بیہقی)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، معراج کی رات میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا، جن کے لوہے کے ناخن تھے اور وہ ان سے اپنے منہ اور سینے کو نوچ رہے تھے۔ بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کی عزت و آبرو لوٹتے تھے۔

(شرح الصدور بحوالہ ابوداؤد)

نیز حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک روز نماز فجر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، آج میں نے ایک خوب دیکھا ہے اور وہ سچ ہے، تم خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ رات میرے پاس ایک آنے والا آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک لمبے چوڑے پہاڑ پر لے گیا، یہاں تک ہم اس کے درمیانی حصے تک پہنچ گئے۔ وہاں میں نے کچھ مرد اور عورتیں دیکھیں، جن کے منہ چرے ہوئے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو کہا کرتے تھے، اسے کرتے نہ تھے۔ پھر کچھ ایسے لوگ دیکھے، جن کی آنکھیں اور کان کیلوں سے ٹھکے ہوئے تھے۔ بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ جو وہ دیکھتے تھے، جو آپ ﷺ نہیں دیکھتے (یعنی حرام) اور وہ سنتے تھے، جو آپ ﷺ نہیں سنتے۔ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، معراج کی رات میں نے کچھ ایسے لوگ دیکھے، جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جن کے سر نماز پڑھنے سے بوجھل ہوتے تھے۔ پھر میں نے کچھ ایسے لوگ دیکھے، جن اگلی پچھلی شرم گاہ پر کچھ کپڑے کے ٹکڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ اونٹ یا بیل کی مثل، کانٹے دار درخت کھا رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟.... کہا گیا، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے صدقات ادا نہیں کرتے تھے۔ پھر کچھ لوگوں کو دیکھا، جن کے پاس ہانڈی میں پکا ہوا گوشت تھا، لیکن وہ اسے چھوڑ کر ایک دوسری ہانڈی سے کھا رہے تھے، جس میں کچا گوشت تھا۔ بتایا گیا کہ یہ ان لوگوں کی مثال ہے، جو پاک بیویوں اور شوہروں کے ہوتے ہوئے غیروں کے پاس رات گزارتے تھے۔ پھر کچھ ایسے لوگ دیکھے، جن کی زبانیں لوہے کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟.... بتایا گیا کہ یہ فتنہ پھیلانے والے علماء ہیں۔ (بیہقی)

چوتھا عمل قرآن وحدیث میں بیان کردہ ان انعاماتِ الٰہیہ کو بار بار بغور پڑھنا ہے، جو اللہ عزوجل کے نیک بندوں کو عطا کیے جائیں گے۔ مثلاً

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے،

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۠

زمانے کی قسم انسان ضرور خسارے میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک

اعمال کیے اور آپس میں حق اور صبر کی تلقین کی۔ (سورۃ عصر)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ

جب میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ اس کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ اب اگر عذاب، اس کے سر کی جانب سے آنا چاہتا ہے تو قرأت قرآن اسے بچاتی ہے۔ پیروں کی جانب سے نمازوں کا قیام، ہاتھوں کی جانب سے صدقہ و دعا کے لئے ہاتھ بڑھانا و اٹھانا اور منہ کی جانب سے ذکر الٰہی و روزہ رکھنا، اسے محفوظ رکھتے ہیں۔

اور نماز اور صبر قبر کے ایک کونے میں موجود رہتے ہیں، تا کہ کوئی کمی رہ جائے، تو یہ اسے پورا کریں۔ غرضیکہ اس کے نیک اعمال اس سے عذاب کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اس کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا تجھے برکت عطا فرمائے تو سکون کے ساتھ سو جا۔ (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا)

پانچواں عمل، اکابرین کے خوفِ خدا کے باعث گناہوں سے بچنے

اور ان پر مرتب ہونے والے انعامات کی تفصیل پر مشتمل واقعات کا مطالعہ ہے۔ اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ

میں نے یہ حدیث، رسول اللہ ﷺ سے ایک دو مرتبہ نہیں، بلکہ سات بار سے بھی زائد سنی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بنی اسرائیل کی قوم میں ایک کفل نامی

شخص تھا، جو کسی بھی گناہ سے نہ چوکتا تھا۔ایک مرتبہ ایک مجبور عورت، اپنی حاجت کے لئے اس کے پاس آئی، اس نے اسے گناہ پر راضی ہونے کی شرط پر ساٹھ دینار دینے کا وعدہ کیا۔عورت اپنی مجبوری کے باعث تیار ہوگئی۔جب وہ اس کے پاس گناہ کے ارادے سے بیٹھا،تو عورت کانپنے اور رونے لگی۔کفل نے اس سے پوچھا، تجھے کس چیز نے رلایا، میں نے تجھے اس کے لئے مجبور تو نہیں کیا تھا؟....عورت نے کہا کہ

یہ بات نہیں، دراصل یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جو میں نے کبھی بھی نہیں کیا، مگر آج صرف ایک مجبوری نے مجھے اس کی طرف مائل کر دیا ہے۔

جوان نے کہا،تو اپنی مجبوری کی وجہ سے ایک ایسا کام کر رہی ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا۔پھر وہ اس کے پاس سے ہٹ گیا اور بولا،تم چلی جاؤ اور یہ دینار بھی میں نے تمہیں بخشے۔پھر اس نے اپنے آپ سے کہا، خدا کی قسم! اب کفل کبھی بھی اللہ ﷻ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔اتفاقاً، اسی رات اس کا انتقال ہوگیا۔جب صبح ہوئی،تو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا، **قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِلْكِفْلِ** ۔یعنی بیشک اللہ ﷻ نے کفل کی مغفرت فرمادی ہے۔ (ترمذی)

حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالٰی) فرماتے ہیں کہ

ایک فاحشہ عورت کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ دنیا کا تہائی حسن اس کے پاس ہے۔وہ اپنے ساتھ گناہ کی اجازت کے سو دینار لیتی تھی۔ایک مرتبہ ایک عابد کی نگاہ اس پر پڑگئی اور وہ اس کے قرب کے لئے بے چین ہوکر سو دینار جمع کرنے میں مشغول ہوگیا۔جب مطلوبہ رقم پوری ہوگئی،تو اس کے پاس پہنچا اور دینار پیش کر کے

قرب کا متمنی ہوا۔ فاحشہ نے اپنے وکیل سے دینار پرکھوائے اور پھر اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب عابد گناہ کے ارادے سے فاحشہ کے نزدیک بیٹھا تو اس پر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیشی کا خوف غالب آ گیا، اس کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور اس کی شہوت دم توڑ گئی۔ فاحشہ سے بولا، مجھے چھوڑ دے، میں واپس جانا چاہتا ہوں اور یہ سو دینار بھی تو ہی رکھ لے۔

عورت نے کہا، یہ کیا، میں تجھے پسند آئی تو نے اتنی محنت سے یہ دینار جمع کیے اور جب تو قادر ہوا تو اب واپس جانا چاہتا ہے؟....

عابد نے کہا، میں اپنے رب ﷻ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا ہوں، اس لئے میرا تمام عیش ہوا ہو گیا ہے۔ طوائف پر اس بات کا بہت گہرا اثر ہوا، چنانچہ کہا، اگر واقعی یہ بات ہے تو میرا خاوند تیرے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ عابد نے کہا، مجھے چھوڑ دے میں جانا چاہتا ہوں۔ عورت نے کہا، میں تجھے صرف اس شرط پر جانے دوں گی کہ تو مجھ سے شادی کر لے۔ عابد نے کہا، جب تک میں یہاں سے نکل نہ جاؤں، یہ نہیں ہو سکتا۔ عورت نے کہا، اچھا، اگر میں بعد میں تیرے پاس آؤں تو کیا تو مجھ سے شادی کر لے گا؟ عابد نے کہا، ٹھیک ہے۔ پھر اس نے منہ چھپایا اور اپنے شہر کو نکل کھڑا ہوا۔

عورت نے بھی توبہ کی اور عابد کے شہر پہنچ گئی، لیکن جب تلاش کرتی ہوئی، عابد کے سامنے پہنچی تو اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اس کا دم نکل گیا۔ عورت نے لوگوں سے پوچھا، کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے؟.... بتایا گیا کہ ایک بھائی ہے، جو بہت غریب ہے۔ عورت اس کے بھائی کے پاس پہنچی اور کہا، میں تیرے بھائی کی

محبت کی بناء پر تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ باہم رضامندی سے دونوں نے شادی کر لی۔ پھر اس عورت کے سات بیٹے ہوئے اور سب کے سب نیک وصالح بنے۔
(ذم الھویٰ لابن جوزی)

مروی ہے کہ

بنی اسرائیل کا ایک عابد، اپنے عبادت خانے میں مصروفِ عبادت رہا کرتا تھا۔ گمراہ حاسدین کا ایک گروہ، ایک طوائف کے پاس پہنچا اور اسے پیسوں کی پیشکش کر کے عابد کو بہکانے کے لئے تیار کر لیا۔ چنانچہ فاحشہ ایک اندھیری رات میں، جب کہ بارش برس رہی تھی، عابد کے پاس آئی اور اس کو پکارا۔ عابد نے باہر جھانکا تو اس سے پناہ کی درخواست کی۔ عابد نے اس کی پرواہ نہ کی اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ وہ طوائف اسے بارش اور اندھیری رات یاد دلا کر پناہ طلب کرتی رہی، حتی کہ اس نے رحم کھا کر دروازہ کھول دیا۔ وہ عابد سے کچھ فاصلے پر جا کر لیٹ گئی اور اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ عابد کا دل بھی اس کی طرف مائل ہو گیا۔

لیکن اسی لمحہ اللہ عزوجل کے خوف نے اس کے دل میں جوش مارا، چنانچہ خود سے بولا واللہ! ایسا نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ تو دیکھ لے کہ آگ پر کتنا صبر کر سکتا ہے۔ پھر وہ چراغ کے پاس گیا اور اپنی ایک انگلی اس کے شعلے میں رکھ دی، حتی کہ وہ جل کر کوئلہ ہو گئی۔ پھر اس نے نماز کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی، لیکن اس کے نفس نے دوبارہ فاحشہ کی طرف بڑھنے کا مشورہ دیا۔ یہ چراغ کے پاس گیا اور اپنی دوسری انگلی بھی جلا ڈالی۔ اس کا نفس اسی طرح خواہش کرتا رہا اور وہ اپنی انگلیاں جلاتا رہا، حتی

کہ اس نے اپنی ساری انگلیاں جلا ڈالیں۔عورت یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، چنانچہ خوف ووحشت کے باعث، اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور اس کا دم نکل گیا۔

(ذم الھویٰ)

چھٹا عمل موت کو کثرت سے یاد کرنا ہے۔کیونکہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا موت کو بکثرت یاد کرو۔یہ گناہوں کو زائل کرتی اور دنیا میں بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔اگر تم اسے مالداری میں یاد کرو گے تو یہ اسے ختم کردے گی (یعنی صدقہ وغیرہ کا بکثرت دل چاہے گا) اور اگر محتاجی میں یاد کرو گے تو تمہیں، تمہاری موجودہ زندگی سے راضی کردے گی۔ (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا)

بے صبری کی معینہ اقسام میں سے دوسری قسم، نیکیوں پر استقامت کے معاملے میں بے صبری ہے۔اس بے صبری کو دور کرنے کا نتیجہ، نفس کا عبادات کی ادائیگی کے وقت ہر قسم کی مزاحمت ورکاوٹ کو ترک کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔چنانچہ

اس بے صبری کو دور کرنے کے لئے سب سے موثر قدم، کسی عبادت پر استقامت حاصل کیے ہوئے شخص کی صحبت اختیار کرنا ہے۔کیونکہ ایسے شخص کی زیارت، باطن میں بالاستقامۃ عبادت اختیار کرنے کی رغبت پیدا کرے گی۔

اس کے بعد، عبادات کے اختیار وترک کے دنیوی واخروی فوائد ونقصانات جانے جائیں اور انہیں ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے، بار بار غور وتفکر کی

سعادت حاصل کی جائے۔ مثلاً ان آیات پر غور فرمائیں۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ ط بے شک اللہ، ایمان داروں اور نیک اعمال کرنے والوں کو ایسے باغات میں داخل فرمائے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ (محمد۔12)

کچھ آگے ارشاد ہوتا ہے،

مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِیْہَآ اَنْہٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ج وَاَنْہٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ ج وَاَنْہٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ج وَاَنْہٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ط وَلَہُمْ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ ط یعنی اس جنت کا حال، جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں چند نہریں ایسے پانی کی ہیں، جو کبھی خراب نہیں ہوتا اور چند ایسے دودھ کی ہیں، جس کا ذائقہ کبھی نہیں بدلتا اور چند ایسی شراب کی ہیں، جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہے اور چند صاف کئے ہوئے شہد کی ہیں اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی جانب سے مغفرت کا تحفہ ہے۔ (محمد۔15)

اس سلسلے میں تیسرا بہترین عمل، کثرت عبادات و اچھے اعمال پر اپنے

اکابرین کی استقامت کے واقعات کو بغور پڑھنا ہے۔مثلاً

حضرتِ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سوال کیا۔آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا۔میں نے پھر سوال کیا۔آپ ﷺ نے پھر عطا فرمایا۔میں نے پھر سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر مال عطا کیا اور فرمایا،

اے حکیم! یہ دنیا کا مال بظاہر بہت ہرا بھرا اور شیریں ہے، جو کوئی اسے اپنے نفس پر سختی رکھ کر لے۔تو اسے اس میں برکت ہوگی اور جو کوئی اپنے دل میں لالچ رکھ کر لے، تو اسے بے برکتی ملے گی۔اس کا حال اس شخص کی مانند ہوگا، جو کھائے اور سیر نہ ہو۔اور اونچا دینے والا ہاتھ، نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

میں نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! قسم اس رب عزوجل کی، جس نے سچائی کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا ہے کہ اب میں مرتے دم تک کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔

مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں انھیں وظیفہ دینے کے لئے بلواتے، مگر آپ نہ لیتے۔پھر حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں انھیں ان کا حصہ دینے کے لئے بلوایا، لیکن آپ نے لینے سے انکار فرما دیا۔آخر حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا،

تم لوگ گواہ رہنا کہ میں حکیم کو ملک کی آمدنی میں سے ان کا حصہ دے رہا ہوں، مگر وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔

غرض یہ کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتے دم تک کسی سے کچھ نہ لیا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ (بخاری)

مروی ہے کہ

امامِ اعظم (قدس سرہ) نے چالیس سال تک، عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (الخیرات الحسان)

حضرتِ سری سقطی (قدس سرہ) کہتے ہیں کہ

میں نے حضرتِ جرجانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو ستو پھانکتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا کہ آپ روٹی کیوں نہیں کھاتے؟.... انھوں نے جواب دیا کہ میں نے روٹی کھانے اور ستو پھانک کر گزارہ کرنے میں 90 تسبیحات کا فرق پایا ہے (یعنی جتنی دیر میں روٹی چبائی جاتی ہے، میں ستو پھانک کر اتنی ہی دیر میں 90 تسبیحات پڑھ لیتا ہوں) چنانچہ چالیس سال ہوگئے، میں نے روٹی نہیں چبائی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

مروی ہے کہ

کسی نے حضرت داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا کہ آپ کی چھت کا شہتیر دیمک کھا چکی ہے اور قریب تھا کہ وہ گر جائے۔ اس نے عرض کی کہ حضرت! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ چھت گرنے والی ہے؟.... فرمایا،

ہمیں ہمارے بزرگوں نے بے کار دیکھنے سے منع فرمایا ہے، لھذا 20 برس ہوگئے، میں نے اوپر سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

امید ہے کہ اگر ان امور پر بار بار غور کیا جائے اور ہدایات کے مطابق عمل کی

سعادت بھی حاصل کی جائے، تو بہت جلد عبادات پر استقامت حاصل ہو سکتی ہے۔

معینہ اقسام میں سے آخری قسم، نقصانات اور بیماری وغیرہ کی شکل میں وارد ہونے والی آزمائشوں پر بے صبری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مؤثر عمل، اپنے اکابرین کے اعمال کا جائزہ ہے، کیونکہ وہ نفوس قدسیہ بھی ان آلام و مصائب سے محفوظ نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے قلوب اور زبانوں کا ہر قسم کے شکوے سے پاک وصاف رہنا ثابت ہے۔ درج ذیل چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ

حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے، تو حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) و بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے منت مانی کہ اگر یہ تندرست ہو گئے، تو ہم تین روزے رکھیں گے۔ اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے صاحبزادوں کو شفا حاصل ہوگئی۔ حسب منت، ان حضرات نے روزے رکھنے شروع کر دئے۔ سحری کے لئے گھر میں کچھ موجود نہ تھا، لہذا فاقے پر ہی روزہ شروع کر دیا۔ دن میں، حضرت علی ؓ دھاگہ تیار کرنے کے لئے کچھ اون، تین صاع جو کی اجرت طے کر کے لائے۔ بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے اس میں سے ایک تہائی کاتا، چنانچہ اجرت میں ایک صاع (یعنی تقریباً ساڑھے چار سیر) جو ملے۔ آپ نے انہیں پیس کر، پانچ نان تیار کئے۔ دو اپنے اور حضرت علی ؓ کے لئے، دو صاحبزادوں اور ایک باندی کے لئے۔

شام کو افطار کے لئے دستر خوان بچھایا گیا۔ ابھی آپ نے روٹی کا ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر صدا لگائی، اے رسول اللہ ﷺ کے گھر والو! میں ایک

فقیر مسکین ہوں، مجھے کھانا دو، اللہ ﷻ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے۔
نداء سن کر حضرت علی ؓ نے ہاتھ روک لیا اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے مشورہ کیا۔
آپ نے کہا ضرور دے دیجئے۔ چنانچہ وہ تمام روٹیاں اسے دے دی گئیں، سب کے
سب فاقے سے رہے اور اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ اس دن بھی
اجرت وصول کر کے پانچ نان تیار فرمائے۔ مغرب کے بعد سب دستر خوان پر بیٹھے تو
ایک یتیم نے اپنی تنگدستی کا ذکر کر کے کھانا مانگا۔ آپ حضرات نے اس دن کی روٹیاں
بھی اس کے حوالے کر دیں اور پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ تیسرے
دن پھر اون کاتنے کی اجرت وصول فرما کر روٹیاں تیار کیں۔ مغرب کے بعد دستر خوان
پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک قیدی نے اپنی سخت حاجت اور پریشانی بیان کر کے مدد طلب
کی۔ آپ حضرات نے یہ روٹیاں بھی اس کے حوالے کر دیں۔ چوتھے روز، روزہ تو نہ
تھا لیکن کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ حضرت علی ؓ، حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو
لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بھوک و کمزوری کی وجہ سے چلنا بھی
دشوار ہو رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، تمہاری تکلیف و تنگی دیکھ کر
مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، چلو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس چلیں۔

آپ ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہی ہیں، بھوک کی
شدت کی بناء پر آنکھیں گڑ گئیں تھیں اور پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ بعد فراغت نبی
کریم ﷺ نے انہیں اپنے سینے سے لگالیا اور اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دعا فرمائی۔ اس پر
حضرت جبرائیل (علیہ السلام)، سورۂ دہر کی یہ آیات لے کر تشریف لائے،

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

یعنی اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (دھر۔8)

امام غزالی (رحمہ اللہ تعالیٰ) ارشاد فرماتے ہیں کہ

ہر دنیوی مصیبت وآفت پر 5 وجوہات کی بناء پر شکر ادا کرنا واجب ہے۔

﴿1﴾ اس بلا کا تعلق جسم سے تھا، دین سے نہ تھا۔

کسی نے حضرت عبد اللہ تستری (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے شکایتاً عرض کی،

حضرت! چور میرے گھر کا تمام مال چرا کر لے گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا،

یہ تو مقامِ شکر ہے، کیونکہ اگر شیطان تمہارا ایمان چرا کر لے جاتا تو تم کیا کر لیتے؟.....

﴿2﴾ کوئی بیماری وبلاء ایسی نہیں کہ دوسری بیماری یا بلاء اس سے بدتر نہ ہو، پس زیادہ کے مقابلے میں کم کا ملنا بھی مقامِ شکر ہے۔

منقول ہے کہ کسی بزرگ کے سر پر کسی نے تھال بھر کر خاک ڈال دی، آپ نے اس پر اللہ ﷻ کا شکر ادا کیا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا، حضرت! یہ شکر کا کون سا وقت ہے؟..... آپ نے فرمایا،

میں تو اس قابل تھا کہ مجھ پر طشت بھر کر انگارے ڈالے جاتے، اب اگر صرف راکھ ڈالی گئی ہے تو کیا یہ مقامِ شکر نہیں ہے؟.....

کسی نے حضرت محمد بن واسع (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاؤں پر زخم دیکھ کر کہا، مجھے اس زخم کی وجہ سے آپ پر ترس آ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا،

جب سے یہ زخم ہوا ہے، میں تو اسی وقت سے اللہ ﷻ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ یہی زخم آنکھ میں نہیں نکلا۔

حضرت عروہ بن زبیر کا پاؤں جل گیا۔ آپ نے اسے ران کے پاس سے کٹوا دیا۔ پھر فرمایا، اے اللہ ﷻ! تیرا بڑا شکر ہے کہ تو نے ایک ہی پاؤں لیا، کم از کم دوسرا تو باقی رکھا ہے۔

﴿3﴾ کوئی دنیاوی عذاب ایسا نہیں ہے کہ جسے آخرت پر موقوف کیا جائے، کیونکہ دنیوی عذاب، اخروی عذاب سے رہائی کا سبب ہے، پس یہ بھی مقامِ شکر ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

جس کو دنیا میں عذاب دیا جاتا ہے، اس کو آخرت میں عذاب نہ دیا جائے گا، کیونکہ سختی اور بلا گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔

﴿4﴾ جو مصیبت آنے والی تھی، وہ لوحِ محفوظ میں لکھی تھی۔ جب وہ آئی اور آکر ٹل بھی گئی، تو یہ بھی مقامِ شکر ہوا۔

حضرت ابو سعید (رحمہ اللہ تعالیٰ) گدھے پر سے گر گئے تو "الحمد للہ" فرمایا۔ لوگوں نے حمدِ باری تعالیٰ کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا،

گدھے پر سے گرنا، روزِ ازل سے مقدر ہو چکا تھا اور گدھے پر سے گرنے سے یہ آفت ٹل گئی، پس اس آفت کے ٹل جانے پر شکر کر رہا ہوں۔

﴿5﴾ دنیائے فانی سے دل لگانا گناہ ہے۔ نیز اسے جنت اور بارگاہِ الٰہی ﷻ میں

حاضری کو مثل قید خانہ تصور کرنا، نادانی ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے،

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ○ یعنی جو آخرت کی کھیتی کا اردہ کرے، تو ہم اس کے لئے اس میں زیادتی کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے، تو ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ (شوریٰ۔20)

چنانچہ مصیبت، انسان کے دل کو دنیا سے بیزار کردیتی ہے اور اب اسے دنیا، قید خانہ اور موت، نجات محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بھی مقامِ شکر ہوا۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان کو اس بے صبری کے مرض سے بچنے کی قوت و ہمت بالاستقامت عطا فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

خوفِ خدا نہ ہونے کا بیان

باطنی گناہوں میں سے ایک **قلب کا اللہ ﷻ کے خوف سے خالی ہونا** بھی ہے۔

مذکورہ بے خوفی کی باطنی گناہوں میں شمولیت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی عدم موجودگی، اللہ ﷻ کی حکم عدولی کے ساتھ ساتھ، دیگر بے شمار گناہوں کا سبب بھی بن جاتی ہے۔کیونکہ عبادات پر استقامت اور بے شمار گناہوں، خصوصاً مخلوق خدا سے پوشیدہ رہ کر کی جانے والی خطاؤں سے بچنا، خوفِ خدا کے بغیر ممکن نہیں۔

یہی وہ اعلیٰ ہتھیار ہے، جس کی موجودگی نفس و شیطان کی ہر چال کو ناکام بنا دیتی ہے۔اس کی برکت سے آخرت کا راستہ بے حد آسان ہو جاتا ہے اور یہ وہ بہترین خوبی ہے کہ جسے اللہ ﷻ نے اپنے ہر محبوب بندے کو عطا فرمایا ہے۔

اس کی عدم موجودگی، اللہ ﷻ کو سخت ناپسند ہے، کیونکہ اس کے نہ ہونے یا کم ہونے کی صورت میں انسان نفس و شیطان کی پیروی میں دلیر اور عبادات کے ارتکاب میں انتہائی سست و کاہل ہو جاتا ہے اور اس طرح آخرت برباد ہو سکتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں عام ہو جانے والے کثیر گناہوں کا سببِ حقیقی، ربِ ذوالجلال کی بے خوفی کو قرار دیا جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔

لھذا اس نعمت عظمیٰ کے حصول اور اس وصف کے ساتھ استقامت کے نزول کے لئے ضروری ہے کہ خوفِ خدا کی حقیقت، قرآن وحدیث میں اس کے حصول کا حکم اور اہمیت (یعنی موجودگی کا فائدہ اور عدم موجودگی کا نقصان)، اس کی اپنی ذات میں موجودگی یا عدم موجودگی کی علامات، محاسبہ اور پھر اس کے حصول یا اس پر استقامت کا طریقہ بھی جانا جائے۔

بتوفیقِ الٰہی اب بالترتیب ان تمام امور کو بیان کیا جائے گا۔

عموماً خوفِ خدا سے مراد، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے ڈرنا مراد لیا جاتا ہے، لیکن یہ بات اس لئے درست نہیں کہ ذات سے ڈرنا اس وقت ممکن تھا کہ جب اس کی ذات کا ادراک ممکن ہوتا، حالانکہ اللہ عزوجل کی ذات کا تصور بھی محال ہے۔

بلکہ دراصل اس کی خفیہ تدبیر، اس کے عذابات، اس کی بے نیازی، اس کے غضب اور اس کے نتیجے میں ایمان کی بربادی وغیرہ سے خوف زدہ رہنے کا نام، خوفِ خدا ہے۔ جیسا کہ کسی شے کی جانب سے پہنچنے والی اذیت سے خوف زدہ شخص کو، اس شے سے ڈرنے والا ہی کہا جائے گا۔

اکابرین کے خوفِ خدا کے واقعات کا مطالعہ کیجئے تو اس تعریف کے مصداق دکھائی دیں گے۔

ہاں یہ ضرور خیال رہے کہ جس مقام پر اللہ عزوجل کی ذات سے ڈرنے کا ذکر ہوگا، جیسے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط یعنی اللہ ﷻ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔ (آل عمران۔28)

تو وہاں بھی اس کی بے نیازی، غضب اور گرفت کا خوف ہی مراد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیری ترجمہ کرنے والے محتاط علماء عظام نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے،

اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔ (کنز الایمان)

چنانچہ اگر کسی مسلمان کے قلب میں اللہ ﷻ کے غضب، اس کے عذابات، اس کی خفیہ تدبیر اور اپنے ایمان کی بربادی کا خوف موجود ہو تو اسے اللہ ﷻ سے ڈرنے والا کہا جاسکتا ہے، بصورتِ دیگر وہ خوفِ رب ﷻ سے عاری ہے۔

قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو اللہ ﷻ سے خوف و ڈر کا واضح حکم ملتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس وصف کے حصول سے غافل ہو تو اسے حکم خداوندی کی تکمیل میں کوتاہی کی بناء پر گناہ گار قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ ﷻ کا فرمان ہے،

وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۔ اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ (بقرہ۔40)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ۔ اے ایمان والو! اللہ

ﷲ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران۔102)

مزید ارشاد ہوتا ہے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ط اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (حجرات۔12)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے،

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اور بے شک ہم نے تم سے پہلے اور بعد والے اہل کتاب کو حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو۔ (نساء۔131)

اس سلسلے میں حکم خداوندی جاننے کے بعد، اس کی اہمیت کے بارے میں مزید غور وتفکر بے حد ضروری ہے، تاکہ بے خوفی کی قباحت اور اس وصفِ حمید کی موجودگی کی برکات کا اندازہ کیا جا سکے۔ چنانچہ

کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ، دو امور سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

(1) اس کی موجودگی کے فوائد سے۔

(2) اس کی عدم موجودگی کے نقصانات سے۔

ویسے تو مذکورہ احکام الٰہی پر سرسری توجہ ہی خوفِ خدا کی اہمیت واضح کرنے کے لئے کافی ہے، لیکن اگر اس کی موجودگی کے فوائد اور عدم موجودگی کے نقصانات پر توجہ کی جائے، تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، اس

کا حصول بہت بڑی سعادت مندی، جب کہ اس کی جانب سے غفلت بدبختی کی علامت ہے۔

اس کی اہمیت کے سلسلے میں غالباً سب سے زیادہ قوی دلیل یہی ہوگی کہ اللہ ﷻ نے اس وصف کو اپنے محبوب ترین بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے،

اَنَــا اَخْـوَفُـكُـمْ لِلّٰـهِ ۔میں تم سب سے زیادہ اللہ ﷻ سے ڈرنے والا ہوں۔ (بخاری)

قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اقوال بزرگان دین میں کئی مقامات پر اس کی اہمیت، مختلف الفاظ و انداز میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

اَفَـاَمِـنُـوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج فَلَا يَـاْمَـنُ مَـكْـرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْـخٰسِرُوْنَ ۝ کیا اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر ہیں؟.... اللہ ﷻ کی خفیہ تدبیر سے فقط خسارہ اٹھانے والی قوم ہی بے خوف رہتی ہے۔ (اعراف ۔99)

مزید ارشاد فرمایا،

هُـدًى وَّرَحْـمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (اعراف ۔154)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا،

جَزَآءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ ۧ ان کے رب کے پاس، ان کی جزاء، رہائش کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اس سے راضی۔ یہ انعام اس کے لئے ہے، جو اپنے رب سے ڈرے۔ (البینہ۔8)

ایک اور مقام پر فرمان ہے،

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ (الرحمٰن۔46)

مزید ارشاد ہوتا ہے،

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ عنقریب نصیحت وہ مانے گا، جو ڈرتا ہے۔

(الاعلیٰ۔10)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ایک شخص نے کبھی بھی کوئی نیکی نہ کی تھی، اس نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں، تو مجھے جلا دینا، پھر آدھی راکھ جنگل میں اڑا دینا، جب کہ آدھی دریا کے سپرد کر دینا۔ رب ﷻ کی قسم! اگر اس نے میری گرفت فرمائی، تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ پورے جہان میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ جب اس شخص کا انتقال ہو گیا، تو اس کی رضا کے مطابق گھر والوں نے

وصیت پوری کر دی۔ اللہ عزوجل نے دریا کو اس کی راکھ جمع کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، اس نے حسبِ حکم اپنے اندر موجود تمام راکھ جمع کر دی۔ پھر جنگل کو یہی حکم دیا، اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر (اس شخص کو زندہ فرما کر) سوال کیا کہ بتا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟..... اس نے عرض کی، یارب! تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ فقط تیرے خوف کی بناء پر تھا۔ یہ سن کر اللہ عزوجل نے اس کی بخشش فرما دی۔ (بخاری، مسلم)

یاد رہے کہ جلانے کی مذکورہ وصیت بنی اسرائیل کے لئے جائز تھی، ہماری شریعت میں ناجائز و ممنوع ہے۔ (فتح الباری۔ ج 11۔ ص 386)

رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اللہ عزوجل کا خوف حکمت کا سرچشمہ ہے (یعنی اس کی برکت سے انسان کو حکمت و دانائی عطا کی جاتی ہے)۔ (بیہقی)

ایک اور مقام پر آپ کا ارشاد ہے،

اَتَمُّکُمْ عَقْلًا اَشَدُّکُمْ خَوْفًا لِلّٰہِ ۔ تم میں دوسروں کی نسبت زیادہ عقل والا وہ ہے، جو دوسروں کے مقابلے میں اللہ عزوجل سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

(کنز العمال۔ ج 3)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، مجھے میری عزت کی قسم! میں اپنے بندے پر دو خوف اور دو امن جمع نہ کروں گا۔ پس اگر میں اسے دنیا میں پر امن رکھوں تو آخرت میں خوف میں مبتلاء کروں گا اور اگر دنیا میں خوف میں مبتلاء کروں تو آخرت میں امن

سے رکھوں گا۔ (بیہقی)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص، اللہ عزوجل سے ڈرے، اس سے ہر چیز ڈرے گی، اور جو اللہ عزوجل کے علاوہ سے ڈرے گا، تو اللہ عزوجل اسے ہر شے سے ڈرائے گا۔

(کتاب الثواب لابن حبان)

مروی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب حق عزوجل کے خوف سے کسی بندے کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں، تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں، جیسے درخت کے پتے۔ (مشکوۃ)

مروی ہے کہ

رسول خدا ﷺ، ایک قریب المرگ نوجوان کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا، تم اس وقت خود کو کیسا پاتے ہو؟....اس نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے امید بھی ہے اور گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

اس موقع پر جب بھی یہ دو باتیں جمع ہو جاتی ہیں، تو اللہ عزوجل اسے وہ عطا فرماتا ہے، جس کی اسے امید ہوتی ہے اور اس سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے خوف محسوس کرتا ہے۔ (مشکوۃ)

مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میرے بعد خوف زیادہ رکھنا۔ (احیاء علوم الدین)

مروی ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عبادت گزار نوجوان کثرت سے عبادت کیا کرتا تھا، حضرت رضی اللہ عنہ اس کی عبادت سے تعجب کیا کرتے تھے۔ یہ جوان روزانہ عشاء کی نماز کے بعد، اپنے بوڑھے باپ کی خدمت کے لئے جایا کرتا تھا۔ راستے میں ایک عورت اس پر فریفتہ ہوگئی، چنانچہ ہر روز اس کو بلاتی اور برائی پر اکسایا کرتی تھی۔ آخر کار ایک دن یہ نوجوان بہکاوے میں آ کر عورت کے گھر کی طرف چل پڑا، لیکن جب دروازے پر پہنچا اور اندر جانے کا ارادہ کیا، تو یہ آیت یاد آ گئی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ بے شک وہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچتا ہے، تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں، پھر اس وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (الاعراف۔ 201)

اس آیت کے یاد آتے ہی دل پر اللہ ﷻ کا اتنا خوف طاری ہوا کہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر گیا۔ جب کافی وقت گزر گیا، تو باپ اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور اٹھوا کر گھر لے گیا۔ جب نوجوان ہوش میں آیا، تو باپ نے کہا، بیٹا! سچ سچ بتانا کیا معاملہ ہوا تھا؟....نوجوان نے پورا قصہ بیان کردیا اور جب یہی آیت پڑھی، تو اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور زمین پر گر کر مر گیا۔ لوگوں نے رات ہی غسل و جنازہ و دفن وغیرہ

کا اہتمام کردیا۔

صبح یہ واقعہ حضرت عمر ﷺ کے سامنے عرض کیا گیا۔ آپ، اس کے باپ کے پاس تعزیت کے لئے گئے اور فرمایا، مجھے رات کو خبر کیوں نہ دی؟.... اس نے عرض کی، یا امیر المؤمنین! رات کا وقت تھا، تکلیف کے خیال سے آپ مطلع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ نے فرمایا، اچھا مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔

قبر پر پہنچ کر آپ نے یہ آیت پڑھی،

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ (الرحمٰن۔46)

راوی کہتے ہیں کہ نوجوان نے قبر سے دوبار جواب دیا، یا امیر المؤمنین! بے شک میرے رب نے مجھے دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔ (شرح الصدور)

روایت کیا گیا ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک نوجوان بہت حسین وجمیل تھا، یہ ٹوکریاں بیچا کرتا تھا۔ ایک دن آواز لگاتا ہوا، بادشاہ کے محل تک جا پہنچا، جہاں شہزادی کی لونڈی کی اس پر نگاہ پڑ گئی۔ وہ جلدی سے اندر گئی اور شہزادی سے کہا، آج میں نے ایک ایسے خوبصورت نوجوان کو باہر دیکھا ہے کہ اس جیسا پہلے کبھی نظر نہیں آیا۔ شیطان نے شہزادی کے دل میں برائی کا ارادہ ڈالا، چنانچہ بولی، کسی طرح اسے اندر لے آ۔ لونڈی اس نوجوان کے پاس گئی اور کہا، اے جوان! اندر آؤ ہم بھی خریدیں گے۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو لونڈی نے دروازہ بند کردیا۔

تھوڑی دیر بعد شہزادی بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔نوجوان نے کہا،آپ اپنی ضرورت کی چیز خرید لیں،تو میں جاؤں۔اس نے کہا،ہم نے تمہیں کچھ خریدنے کے لئے نہیں بلایا، بلکہ اپنے نفس کی حاجت پوری کرنے کے لئے بلایا ہے۔نوجوان نے کہا،خدا سے ڈراوراس سے باز آجا۔اس نے کہا،

اگرتو میری بات نہیں مانے گاتو بادشاہ سے کہہ دوں گی کہ تو برے ارادے سے اندر آیا تھا۔

نوجوان نے اسے کافی نصیحت کی،مگر وہ نہ مانی۔آخر کار نوجوان نے کچھ سوچ کر کہا،اچھا، مجھے وضو کے لئے پانی چاہیئے۔کہنے لگی، مجھ سے بہانے نہ کر۔پھر لونڈی سے کہا،اس کے واسطے چھت پر وضو کا پانی رکھ دو،تا کہ یہ کسی طرح بھاگ نہ سکے۔

محل کی چھت زمین سے تقریباً چالیس گز اونچی تھی۔جب وہ اوپر پہنچا،تو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوا،

اے اللہ ﷻ! مجھے برے کام پر مجبور کیا جارہا ہے،لیکن میں اپنے آپ کو یہاں سے گرادینا،ارتکابِ گناہ سے بہتر سمجھتا ہوں۔

پھر وہ بسم اللہ کہہ کر چھت سے کود پڑا۔اللہ ﷻ نے فوراً ایک فرشتے کو بھیجا، جس نے اس کا بازو پکڑ کر بغیر کسی تکلیف کے پہنچے،اسے زمین پر کھڑا کردیا۔

اس نے اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دعا کی،اے اللہ ﷻ! اگرتو چاہے،تو مجھے بغیر اس تجارت کے بھی روزی عطا فرما سکتا ہے۔دعا کرتے ہی اس کے پاس غیب سے ایک سونے کی تھیلی آپہنچی۔اسے دیکھ کر پھر عرض گزار ہوا کہ الٰہی! اگر یہ میری دنیا کی

روزی ہے تو اس میں مجھے برکت دے اور اگر اس کے سبب میرا اخروی ثواب کم ہو جائے گا تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔غیب سے آواز آئی،تو نے چھت سے گرتے وقت جو صبر اختیار کیا تھا، یہ سونا اس کا ایک جزء ہے۔یہ سن کر اس نے التجاء کی،اے رب کریم! جو چیز میرے اخروی ثواب کو گھٹا دے، مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔

چنانچہ اس سے وہ سونا پھیر لیا گیا۔ (ذم الھویٰ لا بن جوزی)

مروی ہے کہ

بصرہ میں ایک بزرگ مسکی (یعنی مشکبار) کے نام سے مشہور تھے، کیونکہ ان بزرگ کی خاصیت تھی کہ یہ عطر استعمال نہ کرنے کے باوجود، ہر وقت ایک خاص قسم کی خوشبو سے معطر رہا کرتے تھے۔ایک مرتبہ کسی نے باصرار اس کی وجہ دریافت کی،تو آپ نے ارشاد فرمایا،

ہاں میں واقعی کوئی خوشبو استعمال نہیں کرتا، دراصل میرا قصہ بڑا عجیب ہے۔ میں بغدادِ معلّی کا رہنے والا ہوں۔میں جوانی میں بے حد حسین وجمیل تھا اور ایک کپڑے والے کی دکان پر کام کیا کرتا تھا۔ایک دن دکان پر ایک بڑھیا آئی اور کچھ قیمتی کپڑے نکلوائے،پھر دکان والے سے بولی،

میں ان کپڑوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں، اس نوجوان کو میرے ساتھ بھیج دیجئے، جو پسند آئیں گے،رکھ لیں گے،باقی اس کے ہاتھ واپس بھیج دوں گی۔

مالک نے مجھے اس کے ساتھ جانے کا کہا۔وہ مجھے ایک عالیشان گھر میں

لے گئی اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔کچھ دیر بعد ایک نوجوان عورت کمرے میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کر کے میرے پاس بیٹھ گئی۔میں گھبرا کر اس سے دور ہو گیا،مگر وہ برائی کے ارادے سے میرے پیچھے پڑ گئی۔میں نے اسے ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئی۔

اچانک میرے ذہن میں اس سے بچنے کی ایک ترکیب آئی ،لھذا میں نے اس سے کہا، مجھے بیت الخلاء کی حاجت ہے۔اس نے اجازت دے دی۔میں نے اندر جا کر، دل مضبوط کر کے وہاں کی نجاست اپنے پورے بدن پر مل لی ،اب جیسے ہی میں باہر آیا، وہ گھبرا گئی اور پاگل پاگل کا شور مچا دیا۔میں نے وہاں سے بھاگ کر ایک باغ میں پناہ لی اور غسل وغیرہ کر کے گھر کو روانہ ہو گیا۔رات جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے میرے چہرے اور لباس پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہا، مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟.....سنو!میں جبرائیل علیہ السلام ہوں۔پس جب میری آنکھ کھلی تو میرے سارے بدن اور لباس میں سے یہی خوشبو آ رہی تھی جو آج تک قائم ہے۔ (روض الریاحین)

منقول ہے کہ

حضرت یوسف بن الحسین (رحمۃ اللہ علیہ) ابتداء میں چند دوستوں کے ساتھ عرب کے ایک قبیلے میں پہنچے۔وہاں امیر عرب کی لڑکی آپ پر عاشق ہو گئی ، چنانچہ ایک روز موقع پا کر تنہائی میں آپ تک پہنچ گئی اور قلبی معاملہ عرض کرنا چاہا۔آپ اس کے تیور بھانپتے ہی ،خوف خدا عزوجل کے باعث کانپنے لگے اور اسے وہیں چھوڑ کر بہت

دور بھاگ گئے۔آپ کو ساری رات نیند نہ آسکی۔دوسرے دن بھی یہی حال رہا، تیسرے دن آپ سوئے تو خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی۔آپ نے تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا تو ارشاد ہوا

تیرے لڑکی کے پاس سے بھاگنے کے باعث، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان فرشتوں کے ہمراہ تمہاری ملاقات کو بھیجا ہے اورتم کو بشارت دی ہے۔ (ایضاً)

ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ''عیون الحکایات'' میں روایت کیا کہ

تین شامی بھائی، رومیوں سے جہاد میں مشغول تھے۔ایک مرتبہ رومی بادشاہ نے انھیں گرفتار کرلیا اور پیشکش کی کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو میں نہ صرف اپنی حکومت میں سے تمھیں حصہ دوں گا، بلکہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بھی تمھارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔لیکن ان تینوں نے صاف انکار کر دیا۔انہیں راضی کرنے کے لئے بادشاہ نے تیل کی تین دیگیں، تین روز تک آگ پر چڑھائے رکھیں اور ان کو ڈرانے کے لئے روزانہ وہ دیگیں دکھلاتا، لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔بالآخر سب سے بڑے کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا، پھر دوسرے کے ساتھ بھی اسی طرح کیا گیا، اب تیسرے کی باری تھی کہ ایک رومی سردار کھڑا ہوا اور کہا، اے بادشاہ! میں اسے اس کے دین سے توبہ کروا سکتا ہوں۔بادشاہ نے پوچھا، وہ کیسے؟...اس نے کہا، یہ عرب والے عورتوں کو بے حد پسند کرتے ہیں، چنانچہ میں اسے اپنی حسین وجمیل بیٹی کے سپرد کر دیتا ہوں، وہ اسے خود ہی اپنی جانب مائل کر لے گی۔بادشاہ نے اس کی بات مانتے ہوئے مہلت دے دی۔سردار نے اپنی بیٹی کو تمام معاملہ سمجھا کر مجاہد کو اس

کے سپرد کردیا۔کئی دن گزرنے کے بعد اس نے بیٹی سے پوچھا کہ کیا تو اپنے ارادے میں کامیاب ہوئی ؟....لڑکی نے کہا نہیں ،میرا خیال ہے کہ اس کے دونوں بھائی چونکہ اسی شہر میں قتل کیے گئے ہیں ،لھذا اس کا دل یہاں نہیں لگتا ،ہمیں کسی دوسرے شہر میں منتقل کر کے مزید مہلت دی جائے ۔چنانچہ انھیں دوسرے شہر میں منتقل کر دیا گیا ۔لیکن وہاں بھی وہ جوان حسب سابق دن بھر روزے سے رہتا اور رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دیتا ،لیکن اس کی توجہ قطعاً لڑکی کی جانب نہ ہوتی ۔اس پارسائی کو دیکھ کر وہ لڑکی اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے اسلام قبول کرلیا ۔پھر وہ دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ،دن میں چھپتے اور رات میں سفر طے کرتے ۔

ایک دن گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی ،انھوں نے گمان کیا کہ شاید بادشاہ کے سپاہی گرفتاری کی غرض سے قریب پہنچ گئے ہیں ،لیکن اب جو غور سے دیکھا ،تو اسی مجاہد کے دونوں شہید بھائی ،ملائکہ کی جماعت کے ساتھ سامنے کھڑے تھے ۔اس نے سلام کر کے ان کا حال دریافت کیا ۔انھوں نے کہا ،بس تھوڑی دیر کے لئے تکلیف ہوئی اور پھر ہمیں جنت الفردوس عطا کر دی گئی ۔ (شرح الصدور)

منقول ہے کہ

حضرت سلیمان بن بشار (رحمۃ اللہ علیہ) بہت صاحب جمال تھے ۔آپ اپنا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں حج کو جارہا تھا ،جب مدینے سے نکل کر ابواء پڑاؤ کیا ،تو میرا ساتھی اناج لانے کے لئے چلا گیا ۔اتنے میں ایک عورت آئی ،جو حسن میں عرب کی ماہ جبین تھی اور مجھ سے برائی کے ارادے کا اظہار کیا ۔یہ سن کر میں سر جھکا کر

رونے لگا اور اس قدر رویا کہ وہ عورت مایوس ہو کر چلی گئی۔ جب میرا رفیق واپس آیا اور میرے چہرے پر رونے کے آثار دیکھے تو وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے ٹالنا چاہا۔ لیکن وہ مصر رہا، آخرکار میں نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ تمام قصہ سن کر وہ بھی رونے لگا۔ میں نے کہا تم کیوں رو رہے ہو؟۔۔۔ اس نے کہا، اس لئے کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یقیناً مجھ سے انکار نہ ہو سکتا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے اور طواف وسعی سے فارغ ہو گئے، تو میں ایک حجرے میں جا کر سو گیا، خواب میں ایک نہایت ہی حسین و جمیل شخص کو دیکھا، پوچھا، آپ کون ہیں؟۔۔۔ انھوں نے جواب دیا، میں نبی اللہ، یوسف علیہ السلام ہوں۔ میں نے عرض کی، عزیزِ مصر کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ بہت عجیب وغریب ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، لیکن اعرابی عورت کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ (کیمیائے سعادت)

منقول ہے کہ

ایک رئیس اپنے باغ میں پہنچا، وہاں اس نے مالی کو اس کی بیوی کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ عورت کے حسین وجمیل ہونے کی بناء پر رئیس کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا اور برائی کا ارادہ دل میں جڑ پکڑنے لگا۔ اس نے مالی کو کسی کام کے لئے روانہ کر دیا۔ جب دونوں تنہا رہ گئے، تو اس نے عورت سے کہا، باغ کے سب دروازے بند کر دے۔ عورت فوراً اس کی نیت بھانپ گئی، بہرحال تھوڑی دیر بعد اس کے پاس پہنچی تو اس نے پوچھا، سب دروازے بند کر دیئے؟۔۔۔ اس نے جواب دیا، ہاں، لیکن ایک دروازہ رہ گیا ہے۔ رئیس نے پوچھا، وہ کون سا؟۔۔۔ اس نے کہا، وہ، جو میرے اور

میرے رب ﷻ کے درمیان ہے۔ یہ بات سنتے ہی رئیس پر زبردست خوف خدا طاری ہوا اور وہ گناہ سے توبہ کرتا اور روتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ (کشف المحجوب)

حضرت فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے،

جو اللہ ﷻ سے ڈرتا رہے تو یہ خوف، ہر قسم کی بھلائی تک پہنچنے کے سلسلے میں اس کی رہنمائی کرے گا۔ (احیاء علوم الدین)

حضرت یحیی بن معاذ (رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے،

بروز قیامت وہ زیادہ بے خوف ہوگا، جو آج اللہ ﷻ سے زیادہ ڈرتا ہوگا۔

(احیاء علوم الدین)

حضرت شیخ شبلی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے،

میں نے جس دن بھی اللہ ﷻ کا خوف محسوس کیا، اس ہی دن مجھ پر حکمت وعبرت کے ایسے دروازے کھلے کہ جنہیں میں نے اس سے پہلے کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔

(احیاء العلوم)

مذکورہ اہمیت کے پیش نظر، اپنی ذات میں خوف خدا کی موجودگی یا عدم موجودگی کی علامات کی تلاش از حد ضروری ہے۔ ذیل میں درج علامات نہ صرف محاسبے میں آسانی پیدا کریں گی، بلکہ خوف خدا رکھنے کا دعویٰ کرنے والے بہت سے حضرات، خوش فہمی کی دنیا سے باہر نکلنے میں کامیابی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ

فقیہ ابو اللیث سمرقندی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ

اللہ ﷻ کے خوف کی علامت، سات چیزوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

{1} انسان کی زبان میں، اس طرح کہ خوف خدا (ﷻ) رکھنے والا اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان اور فضول باتوں سے روکے گا اور اسے اللہ ﷻ کے ذکر، تلاوتِ قرآن اور علمی گفتگو میں مشغول رکھے گا۔

{2} اس کے دل میں، اس طرح کہ وہ اپنے دل سے دشمنی، بہتان اور مسلمان بھائیوں سے حسد کو دور کرے گا۔

{3} اس کی نظر میں، اس طرح کہ وہ اپنی نظر کو حرام و نا جائز وغیرہ سے بچائے گا۔ دنیا کی جانب رغبت سے نہ دیکھے گا، بلکہ جب بھی نگاہ اٹھائے گا، عبرت حاصل کرنے کے لئے اٹھائے گا۔

{4} اس کے شکم میں، اس طرح کہ وہ اپنے پیٹ میں حرام کو داخل نہ کرے گا، کیونکہ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔

{5} اس کے ہاتھ میں، اس طرح کہ وہ اپنے ہاتھ کو کبھی بھی حرام کی جانب نہ بڑھائے گا، بلکہ ہمیشہ اللہ ﷻ کی اطاعت میں ہی استعمال کرے گا۔

{6} اس کے قدم میں، اس طرح کہ وہ اللہ ﷻ کی نافرمانی کے لئے انہیں نہ اٹھائے گا، بلکہ اس کی اطاعت اور رضا کی خاطر استعمال کرتے ہوئے علماء و صلحاء کی جانب اٹھائے گا۔

{7} اس کی اطاعت و فرماں برداری میں، اس طرح کہ وہ اپنی عبادت کو خالص اللہ ﷻ کے لئے سرانجام دے گا اور ریاء و نفاق سے ڈرتا رہے گا۔

(مکاشفۃ القلوب۔ خوف و مرض کا بیان)

اگر مزید وضاحت درکار ہو، تو درج ذیل امور پر غور کرنا چاہیئے۔

[1] حقیقی خوف خدا رکھنے والا کسی بھی فرض یا واجب کردہ عبادت کو جان

بوجھ کر ترک نہ کرے گا۔

[2] دانستہ کوئی بھی گناہ نہ کرے گا خواہ چھوٹا ہو بڑا، اور چاہے اکیلا ہو..یا گھر والوں..اور..بے تکلف دوستوں کے درمیان۔

[3] اگر کبھی بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو بھی جائے، تو توبہ میں بالکل دیر نہ کرے گا۔

[4] بروزِ قیامت اپنے گناہوں پر گرفت سے ڈرتا رہے گا۔

[5] اپنی موت کو بار بار یاد کرے گا۔

[6] صرف نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا۔

محاسبے کے بغیر اپنی ذات کے، کسی وصف سے متصف ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مکمل معرفت کا حصول ممکن نہیں۔

اور اس سلسلے میں محاسبہ اس لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وصف کی موجودگی مزید شکر اور عدم موجودگی کا یقین، حصول کے لئے کوشش آغاز کا سبب بنتا ہے۔

محاسبے کے سلسلے میں خود سے درج ذیل سوالات کے جوابات طلب کیجئے، شریعت کو مطلوب خوفِ خدا کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا علم بآسانی حاصل جائے گا۔

{1} کیا آپ کی زبان، جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان اور فضول باتوں سے محفوظ ہے؟....کیا اسے فقط اچھی باتوں، اللہ ﷻ کے ذکر، تلاوتِ قرآن اور علمی گفتگو میں مشغول رکھتے ہیں؟....

{2} کیا آپ اپنے قلب میں دوسرے مسلمان بھائیوں سے متعلق دشمنی اور حسد محسوس کرتے ہیں؟.....

{3} کیا آپ خود کو حرام و ناجائز کھانے، پینے اور لباس وغیرہ سے بچاتے ہیں؟....کیا آپ کے دل میں دنیا کی شدید رغبت پائی جاتی ہے؟.....

{4} کیا آپ دیدہ دلیری کے ساتھ اعلانیہ یا چھپ کر گناہ کرتے ہیں؟.....

{5} کیا آپ کو گناہوں سے وحشت محسوس ہوتی ہے؟.....

{6} کیا کسی گناہ کے ارتکاب کے فوراً بعد توبہ کی جانب مائل ہو جاتے ہیں؟.....

{7} کیا آپ فرض و واجب کردہ عبادات کو جان بوجھ کر ترک کرنے کے عادی ہیں؟.....

{8} کیا آپ اپنی موت اور روزِ قیامت پر گرفت سے ڈر محسوس کرتے ہیں؟.....

{9} کیا آپ اکثر نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں یا اللہ ﷻ کے نافرمانوں کے ساتھ رہنا محبوب رکھتے ہیں؟.....

اگر محاسبہ کرنے پر اپنی ذات میں خوفِ رب العلی کی مذکورہ علامات مفقود نظر آئیں، تو خود کو ہرگز ڈر و خوف رکھنے والا تصور نہ کریں اور اس سلسلے میں اپنے بارے میں عوامی آراء کو بالکل اہمیت نہ دیں، بلکہ علاج کی جانب توجہ کرنے کی سعی کو لازم جانیں۔ کیونکہ خوفِ خدا نہ ہونے کے باوجود خود کو خائف تصور کرنا، نیز اس کا

دعویٰ کرتے نظر آنا، قطعاً مناسب نہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ کلام اسی قسم کے حضرات کے لئے ہے، آپ فرمایا کرتے تھے،

اگر تم سے پوچھا جائے کہ کیا تم اللہ عزوجل سے ڈرتے ہو تو تم خاموش رہو، کیونکہ اگر نہ کہو گے تو یہ کفر ہے۔۔اور۔۔اگر ہاں کہو گے تو جھوٹ ہوگا۔

(احیاء علوم الدین)

بے خوفی کے علاج یا اس کے حصول یا اس پر استقامت کے سلسلے میں درج ذیل امور پر توجہ کرنا، سعادت مندی ہے۔

۞ اللہ عزوجل کی عظمت وقدرت وجلال وغضب پر غور وتفکر کا سلسلہ طویل کیا جائے، تاکہ اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہو اور پھر یہ معرفت، بے خوفی سے دور کر کے، خوفِ رب عزوجل کے حصول کا راستہ آسان بنا دے۔

اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اپنے خوف کو اہل معرفت کے ساتھ ہی مخصوص فرمایا ہے، چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے،

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں فقط اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر۔28)

اس سلسلے میں درج ذیل آیات وواقعات پر غور کرنا بھی بے حد مفید رہے گا۔

وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی

السَّمَآءِ ○ اور اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی شے مخفی نہیں۔ (ابراہیم۔38)

سورہ جن میں جنوں کا قول نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا،

وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ اور یہ کہ ہم کو یقین ہوا کہ ہم اللہ عزوجل کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ راہ فرار اختیار کر کے قبضے سے باہر ہو سکتے ہیں۔ (جن۔12)

اس ضمن میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

منقول ہے کہ ایک بار ملک الموت (علیہ السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں آئے اور ایک شخص کی طرف تعجب سے کچھ دیر تک دیکھتے رہے۔ جب ملک الموت چلے گئے تو اس شخص نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون تھے؟.... آپ علیہ السلام نے بتایا کہ ملک الموت تھے۔ اس نے کہا وہ میری طرف یوں دیکھتے تھے کہ گویا میری روح قبض کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟.... اس نے عرض کی کہ مجھے ہندوستان میں پہنچا دیجئے۔ آپ علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا، جس نے اسے ہندوستان پہنچا دیا۔

پھر ملک الموت (علیہ السلام)، آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو آپ علیہ السلام نے پوچھا، آپ علیہ السلام اس شخص کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے تھے؟.... انہوں نے کہا، مجھے تعجب اس بات پر تھا کہ اللہ عزوجل کا حکم تھا کہ اس کی روح ہندوستان میں قبض کروں، لیکن جب میں آپ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور یہ یہاں بیٹھا نظر آیا تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ اپنی موت کے مقام پر اس قدر جلد کیسے پہنچ سکے گا، لیکن جب میں ہندوستان

پہنچا تو اسے خود سے پہلے وہاں پایا۔ (شرح الصدور۔بتغیر ما)

مزید ارشاد ہوتا ہے،

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ۔ بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے۔ (بروج۔12)

ایک مقام پر ارشاد ہے،

وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ط اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ o اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ ط ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لا لَّہُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ o وَمَا نُؤَخِّرُہٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ o یَوْمَ یَاْتِ لَاتَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ج فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ o فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ o اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے، جب بستیوں کی ان کے ظلم پر گرفت فرماتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بے شک اس میں اس کے لئے نشانی ہے، جو آخرت کے عذاب سے ڈرے۔ یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور وہ حاضری کا دن ہے۔ اور ہم نے اسے ایک مخصوص مدت کے لئے مؤخر کیا ہوا ہے۔ جب وہ دن آئے گا کہ کوئی اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کر سکے گا تو ان میں سے بعض بد بخت ہوں گے اور کوئی خوش بخت۔ تو جو بد بخت ہیں، وہ دوزخ میں ہوں گے اور اس میں گدھے کی طرح

آواز نکالیں گے۔ (ھود۔102 تا 106)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا،

وَلَوْشِئْنَالَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰاھَاوَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ اور اگر ہم چاہتے تو ضرور ہر جان کو ہدایت عطا فرما دیتے، لیکن میری جانب سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ میں ضرور ضرور جنوں اور انسانوں، سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (سجدہ۔13)

۞ اکابرین کے خوفِ خدا کے واقعات بکثرت پڑھیں۔جیسا کہ مروی ہے کہ

حضرت **مِسوَر ابن مَخرِمہ** رضی اللہ عنہ، قرآن پاک سنکر بے تاب ہو جاتے، ایک دن ایک اجنبی شخص نے جو آپ کی اس کیفیت سے واقف نہ تھا، آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی،

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا ○ جس دن ہم پرہیز گاروں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر لے جائیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے (مریم۔85)

آپ نے سن کر فرمایا،

میں پرہیز گاروں میں داخل نہیں، میں مجرموں میں داخل ہوں، اس آیت کو پھر پڑھو۔

اس نے دوبارہ پڑھی، آپ نے ایک چیخ ماری اور جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ (احیاء علوم الدین)

اسی طرح مروی ہے کہ

شیخ عطا سلمی (رحمہ اللہ علیہ)، اللہ ﷻ کے خوف کے باعث چالیس سال تک نہیں ہنسے اور نہ آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک بار آسمان کی طرف دیکھ لیا تو دہشت کے مارے گر پڑے۔ اس رات آپ نے یہ دیکھنے کے لئے اپنے چہرے پر کئی بار ہاتھ پھیرا کہ کہیں میرا چہرہ سیاہ تو نہیں پڑ گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بیان کیا گیا ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ علیہ) پوری رات روتے رہے۔ لوگوں نے عرض کی، آپ تو صاحبِ تقویٰ بزرگوں میں سے ہیں، پھر اس قدر رونے کی کیا وجہ ہے؟.... فرمایا،

میں اس دن کے لئے روتا ہوں کہ جس دن مجھ سے کوئی ایسی خطا ہو گئی ہو کہ اللہ ﷻ باز پرس کر کے یہ فرمادے کہ اے حسن! ہماری بارگاہ میں تیری کوئی وقعت نہیں اور ہم تیری پوری عبادت کو رد کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

منصور بن عمار (رحمہ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

میں حج کے دوران کوفہ کی ایک گلی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اندھیری رات میں کسی ضرورت سے نکلا کہ اچانک میں نے ایک گھر سے یہ دعا سنی،

اے میرے خدا (ﷻ)! تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم، میں نے اپنے

گناہوں کے ذریعے تیرا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور میں گناہوں کے کرتے وقت تجھ سے بے خبر بھی نہ تھا، لیکن مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا اور تیری ڈھیل دینے والی پردہ پوشی نے مجھے جراءت مند کر دیا۔ میری بدبختی نے گناہ پر میری مدد کی اور میں اپنی جہالت سے گناہوں میں مبتلا ہوگیا۔ اب میں، تیرے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ تو میرے عذر کو قبول فرمائے گا۔ اگر تو نے میرے عذر کو قبول نہ فرمایا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو ہائے عذاب میں میرے غم کی درازی۔

جب وہ خاموش ہوا تو میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی،

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ ان پر سخت شدید فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انھیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (التحریم۔6)

اس کے بعد میں نے ایک شدید چیخ اور زور سے گرنے کی آواز سنی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں اپنی حاجت پوری کر کے گھر واپس آ گیا۔

صبح اسی طرف گیا تو وہاں سے رونے کی آوازیں سنیں، دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کر رہے ہیں۔ اسی لمحے ایک بہت بوڑھی عورت کو روتے ہوئے دیکھا، معلوم ہوا کہ یہ اس میت کی ماں ہے۔ وہ کہہ رہی تھی،

اللہ ﷻ میرے بیٹے کے قاتل کو جزائے خیر نہ دے کہ اس نے میرے بیٹے پر ایسی آیت تلاوت کی، جس میں عذاب کا ذکر تھا، جب اس نے یہ آیت سنی تو ہیبتِ الٰہی کا اس کے دل پر غلبہ ہوا اور اس کا دم ہی نکل گیا۔

میں بوجھل قدموں کے ساتھ واپس آ گیا۔ رات، اس لڑکے کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، اللہ ﷻ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟..... اس نے جواب دیا، وہی جو شہدائے بدر کے ساتھ کیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا، وہ کیسے؟..... جواب ملا، اس لئے کہ اللہ ﷻ نے ان کو کافروں کی تلوار سے شہید کیا اور مجھے اپنے خوف کی تلوار سے۔

(احیاء علوم الدین)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ فرماتے تھے،

کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

کبھی فرماتے،

کاش! میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے۔

ایک مرتبہ

ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہو دیکھا تو ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا،

تو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ سے کوئی حساب کتاب نہ لیا جائے گا۔ کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔

(تاریخ الخلفاء)

مروی ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر قرآن پاک کی آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے اور کئی دن تک لوگ آپ کی عیادت کو آتے رہتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے، کاش! عمر، اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔

ایک دن آپ اونٹ پر کہیں جا رہے تھے کہ کسی نے قرآن پاک کی عذاب کی آیت پڑھی، تو خوفِ الٰہی کے باعث اونٹ سے نیچے گر گئے۔ لوگوں نے اٹھا کر گھر پہنچایا اور آپ پورے ایک مہینے بیمار رہے۔ (ایضاً)

سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ارشاد فرماتی ہیں کہ

جب ہوائیں تبدیلی ہوتی اور سخت آندھی چلتی، تو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ آپ کھڑے ہو جاتے اور کبھی حجرۂ مبارکہ سے باہر جاتے، کبھی اندر تشریف لاتے۔ (مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ الاستسقاء)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے دریافت فرمایا، کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل (علیہ السلام) کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟.... انہوں نے جواب دیا، جب سے اللہ عزوجل نے جہنم کو پیدا فرمایا ہے، وہ خوفِ خدا (عزوجل) کے باعث نہیں ہنسے۔

(مجمع الزوائد۔ کتاب صفۃ النار)

حضرت یزید رقاشی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

ایک دن حضرت داؤد (علیہ السلام) لوگوں کو وعظ سنانے اور اللہ ﷻ سے ڈرانے کے لئے باہر تشریف لائے۔ آپ کا وعظ سننے والے چالیس ہزار افراد تھے۔ جب آپ نے وعظ فرمایا تو ان میں سے تیس ہزار افراد خوف خدا (ﷻ) کے باعث انتقال کر گئے۔ (احیاء علوم الدین)

ایک مرتبہ حضرت علی ؓ نے فرمایا،

میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے، لیکن آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ اس حال میں صبح کرتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے، رنگ زرد اور چہرے پر گرد و غبار ہوتا تھا۔ ان کی راتیں اللہ ﷻ کے لئے سجدے اور قیام میں گزرتیں۔

وہ صبح ہونے پر اللہ ﷻ کا ذکر کرتے تو اس طرح کانپتے جیسے ہوا سے درخت کے پتے کانپتے ہیں۔ اور وہ اس قدر کثرت سے روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور خدا (ﷻ) کی قسم! اب میں ایسی قوم کے ساتھ ہوں، جو غفلت میں رات گزارتے ہیں۔

پھر آپ کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد شہادت تک کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ (احیاء علوم الدین)

حضرت موسیٰ بن مسعود (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

جب ہم حضرت سفیان ثوری (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس بیٹھتے تو ان کے خوف اور جزع و فزع کو دیکھ کر یوں سمجھتے کہ گویا ہمارے اردگرد جہنم ہے۔ (ایضاً)

مروی ہے کہ

حضرت زرارہ بن ابی اوفی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے یہ آیت پڑھی،

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۔(یعنی پھر جب صور پھونکا جائے گا) تو خوفِ الٰہی کے باعث بے ہوش ہو کر گر گئے ۔لوگوں نے قریب آ کر دیکھا تو انتقال ہو چکا تھا۔ (ایضاً)

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، **وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ** (اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے)...تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔پھر تین دن تک ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ (ایضاً)

مروی ہے کہ

حضرت داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک عورت کے پاس سے گزرے، جو اپنے بچے کی قبر کے سرہانے بیٹھی، روتے ہوئے یوں کہہ رہی تھی، اے میرے بچے! معلوم نہیں کیڑوں نے پہلے تیرا کون سا رخسار کھایا ہوگا ۔یہ سن کر حضرت داؤد (رحمۃ اللہ علیہ) نے چیخ ماری اور اسی جگہ بے ہوش ہو کر گر گئے ۔ (ایضاً)

۞ **خوفِ خدا رکھنے والوں کی صحبت اختیار کریں** ۔ان شاء اللہ عزوجل کچھ عرصہ اس صحبت کو پابندی سے اختیار کر لیا جائے تو کامیابی ضرور ضرور قدم چومتی

ہوئی نظر آئے گی۔ کیونکہ ہم مجلس کی اچھی یا بری صفات ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔

کسی نے حضرت حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) سے عرض کی کہ

آپ، ان لوگوں کی محفل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جو اس میں عذاب آخرت سے اتنا ڈراتے ہیں کہ ہمارے دل ٹکڑے ہوجاتے ہیں؟....آپ نے جواب دیا، آج ایسے لوگوں کی صحبت کی برکت سے کل تمہیں امن نصیب ہوگا اور یہ اس سے بہتر ہے کہ آج تمہارے ایسے ساتھی ہوں، جو تمہیں بے خوف کردیں اور تم کل، خوف میں مبتلاء ہوجاؤ۔ (تذکرۃ الاولیاء)

عذابِ الٰہی کے ذکر پر مشتمل آیات واحادیث کا بکثرت مطالعہ فرمائیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے،

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ○

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سخت شے ہے، جس دن اسے دیکھو گے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی، اپنا حمل جن دے گی اور تو لوگوں کو نشے کی سی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔ (حج۔1،2)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بروزِ قیامت، جہنم کو ستر ہزار (70000) لگاموں کے ساتھ لایا جائے گا، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار (70000) فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں،

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے، قیامت کے دن سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا، جس کے تلووں میں انگارے ہوں گے، جن سے دماغ کھولتا ہوگا۔ اس شخص کا گمان ہوگا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں ہو رہا، حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک سے بلا ترجمان کے کلام فرمائے گا۔ بندہ دائیں جانب دیکھے گا تو اسے وہی نیک اعمال نظر آئیں گے، جو اس نے کیے اور بائیں طرف دیکھے گا تو بھی اپنے ہی برے اعمال پر نظر پڑے گی۔ آگے دیکھے گا تو جہنم کی آگ نظر آئے گی، جو اس کے بالکل سامنے ہوگی۔ پس دوزخ سے بچو، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی ہو۔

(بخاری و مسلم)

آخر میں اس امر کا لحوظ رکھنا بھی مفید رہے گا کہ بے خوفی کو دور کرنا، عبادات کی ادائیگی، گناہوں سے دوری اور توبہ پر استقامت کی غرض سے لازم کیا گیا ہے،

لھذا خوف خدا کی اتنی ہی مقدار کا حصول ضروری ہوگا کہ جس سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوسکتے ہوں۔ چنانچہ ایسا نہ ہو کہ اسے مقصود اصلی سمجھ کر قلب میں اتنی زیادہ مقدار میں جگہ دے دی جائے کہ جو اللہ ﷻ کی رحمت سے نا امیدی، اس مایوسی کے نتیجے میں ترک عمل اور بخشش ومغفرت کی طمع سے ہی دور لے جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خوف خدا، مذکورہ فوائد کے حصول کے لئے ایک وسیلہ ہے، خود مقصود اصلی نہیں۔

اللہ ﷻ ہر مسلمان کو اس نعمت عظمٰی میں سے بقدر کفایت

حصہ عطا فرمائے۔ آمین

✿✿✿✿✿

فہرست

اہلِ اسلام کے لیے خوش خبری

☆---☆---☆

الحمد للہ!

مفتی محمد اکمل صاحب کی زیرِ نگرانی "الفرقان اسکالرز اکیڈمی" کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس میں درج ذیل کورس کروائے جائیں گے:-

- اسکالر کورس (درسِ نظامی)
- افتاء کورس
- ترجمۂ قرآن کورس
- عربی گرامر کورس
- تفسیر قرآن کورس
- شرعی مسائل کورس
- شادی کورس

☆ داخلے کے متمنی خواتین وحضرات فوری طور پر رجوع فرمائیں۔

معلومات کے لیے:

لاکھانی ٹیرس سولجر بازار نمبر 1 نزد چھیپا ہال، کراچی

فون:

☆ اسی مقام پر مفتی صاحب ہر منگل رات دس بجے خواتین وحضرات کے لیے قرآن اور شرعی مسائل کا درس دیتے ہیں۔